حصۂ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً وبعد:

تمہید:۔

حصۂ اول میں صفات قلب کا بیان تھا اور اس حصہ میں ان افعال کا ذکر ہوگا جن کا زیادہ تر تعلق جوارح (ظاہری اعضاء) سے ہے گو ان کے محرکات قلب میں ہیں کہ جوارح ارادہ قلب کے تابع رہتے ہیں، ان دونوں میں اگرچہ کبھی کبھار اختلاف عمل ہوسکتا ہے تاہم فلاح ابدی کے لئے دونوں کا ان اوصاف وافعال پر باہم متفق ہونا ضروری ہے جن سے متصف ہونے اور ان پر عمل کرنے میں باری تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی مضمر ہے اسی کا نام ہے عبودیت یہی وہ مضمون ہے جس کو اجاگر کرنے کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی جماعت مبعوث فرمائی تاکہ وہ لوگوں کو اس مضمون کی تعلیم دے کہ ان کی کامیابی کا راز اللہ کے وضع کردہ قانون کی مکمل اتباع میں مضمر ہے جو ہر انسان کی جبلت اور فطرت کا مقتضی بھی ہے۔

تاریخ عالم کے مطالعہ اور غور وخوض سے اجمالی طور پر یہی بات آشکارا ہوجاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے لوگوں سے اپنی ذات اور مفاد دنیوی کے متعلق کچھ بھی مطالبہ نہیں کیا بلکہ ان کو صرف اس بات پر آمادہ کرنے کی سعی اور کوشش کی کہ ان کا ظاہر وباطن ان احکام کے موافق ہوجائے جن کو اللہ نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے۔

لہٰذا عقلمند شخص وہی ہوگا جو اس مضمون کو سمجھے اور منزل کی طرف صحیح راستہ اختیار کرے خواہ اس کے ساتھ اس پر چلنے والا کوئی اور ہو یا نہ ہو، اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے کہ اس طرح میں لوگوں میں الگ تھلگ ہوجاؤنگا اور معاشرہ میں تنہا رہ جاؤنگا۔

چنانچہ انبیاء علیہم السلام شدید مخالفت اور مزاحمت کے باوجود اپنے موقف پر مضبوط قائم رہے

اور دنیا کی کوئی طاقت ان کو اپنے نظریئے اور مشن سے ذرا برابر بھی پیچھے نہ کر سکی۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ دنیا والوں کے اعمال ونظریات کا کوئی معیار مقرر نہیں اور نہ ہی ان کی زندگی کا کوئی صحیح نصب العین ہوتا ہے بلکہ ہر شخص اپنے خیال اور مرضی کے مطابق کچھ افعال کو پسند کرتا ہے اور بعض سے نفرت کرتا ہے یہی حال ہر عصر کے لوگوں کا اپنے ماحول کے اعتبار سے ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ زمانہ کی تبدیلی اور علاقائی تباعد ودوری کی وجہ سے ان کی عادات ورسومات میں فرق آتا رہتا ہے۔

پس انسان کے سامنے دونوں راستے کھلے ہیں ایک خیر اور حق کا دوسرا شر اور باطل کا۔ فرمان خداوندی ہے۔ وھدیناہ النجدین اس کو دونوں راستے خیر اور شر کے بتلا دیئے اور دونوں پر چلنے کا سامان بھی اللہ نے دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے فالھمھا فجورھا وتقواھا یعنی نفس انسانی کے اندر اللہ نے فجور اور تقوی دونوں کے مادے رکھ دیئے ہیں تا کہ اس کو مکمل اختیار حاصل ہو اور کل یہ عذر پیش نہ کر سکے کہ میں مجبور تھا۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کی تخلیق کا جو اصل مقصد ہے وہ بطور آزمائش اور اختیار کے ظاہر ہو جائے ایکم احسن عملاً تا کہ تم کو جانچے کون تم میں اچھا عمل کرتا ہے یعنی اللہ انسان کو آزماتے ہیں کہ کس کا عمل اپنے خیال' مرضی اور شیطان وطاغوت کی خواہش کے مطابق ہے اور کس کا عمل مقبول ومعتبر اور انبیاء علیہم السلام کے طریقے کے موافق ہے۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت تلاوت فرمائی یہاں تک کہ ایکم احسن عملاً تک پہنچے تو فرمایا کہ احسن عملاً وہ شخص ہے جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہو اور اللہ کی اطاعت میں ہر وقت مستعد رہتا ہو۔ (قرطبی ج:۱۰ص:۶۶۸۶)

اب یہ انسان پر ہے کہ وہ اپنی عقل قوت اور اختیار کو کس طرح بروئے کار لا کر استعمال کرتا ہے آیا وقتی فائدہ اور ابدی تباہی کو ترجیح دیتا ہے یا احکام خداوندی اور انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چلنے کو جس میں اخروی سرخ روئی کامرانی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی بھی ہے اور فطرت انسانی کا تقاضا بھی ہے۔

فطرت کے تقاضے اور انسان کا کردار:۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور اخلاق فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں اس جماعت کے کسی فرد کا ایک بھی فعل ایسا نہیں جو مقتضائے فطرت کے منافی ہوتا ہم ان کو اس سلسلہ میں مخالفت کا جو سامنا کرنا پڑا اس کی وجہ ایک تمہید پر مبنی ہے۔

وہ یہ کہ ہر انسان کا طبع سلیم اور اصل فطرت پر برقرار رہنا ضروری نہیں کیونکہ انسان جاہل پیدا ہوتا ہے اور تعلیم (سیکھنے) کی صلاحیت رکھتا ہے یہ عالَم دنیا میں آنے کے بعد ایسی بے شمار چیزوں کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے جو اگرچہ خلاف فطرت ہوں مگر وہ مرغوب النفس اور دل عزیز ہوتی ہیں کہ ان کا فائدہ نقد اور محسوس ہوتا ہے لہٰذا بار بار مراجعت کی وجہ سے یہ ان سے مانوس ہو جاتا ہے اس طرح اس کی جبلت اور فطرت مضمحل ہو جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ شہروں اور دیہی آبادیوں کے مکینوں میں تہذیب وتمدن اور اخلاقی اعتبار سے نمایاں فرق ہوتا ہے کہ جن شہروں کا ماحول آلودہ ہوتا ہے وہاں رہنے والوں کے اخلاق بہ نسبت صحراء نشین لوگوں کے اس لئے مختلف ہوتے ہیں کہ وہ اس آلودگی سے محفوظ ہوتے ہیں۔

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مرد کوہستانی

انبیاء علیہم السلام کی جملہ سنتیں فطرت کے عین مطابق ہیں:۔

اس تمہید کے بعد سمجھنا چاہئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت چونکہ شہری لوگوں میں ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو اصلی فطری عمل کی طرف دعوت دیتے ہیں اس لئے ان کی تعلیمات اور لوگوں کے کردار میں باہم تضاد پیدا ہوتا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ اپنے غلط اعمال سے باز آجائیں الٹا مخالفت پر اتر آتے ہیں۔

مثلاً لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو لواطت سے روکا، شعیب علیہ السلام نے ناپ تول میں کمی بیشی سے، کسی نے خود ساختہ معبودوں کی پوجا کرنے سے اور باپ دادا کی اندھی تقلید وغیرہ سے منع فرمایا اور یہ ساری باتیں سو فیصد صحیح تھیں مگر وہ لوگ ان کاموں میں ایسے منہمک ہو گئے تھے کہ ان کی نظروں میں

ان تعلیمات کا کوئی وزن نہیں تھا۔

دور حاضر میں بھی ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جن کو اصل فطرت کے خلاف ہونے کے باوجود قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے بطور مثال داڑھی رکھنا ایک فطری عمل ہے اور سارے انبیاء کرام علیہم السلام کا اس پر قولی وعملی اتفاق ہے مگر آج اکثر دنیا والے نہ صرف یہ کہ اس سنت پر عمل نہیں کرتے بلکہ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں حتی کہ داڑھی کاٹنا ایک مستقل نظریہ وعلامت حسن' اور مذہب معاشرہ کا شعار بن گیا۔

اسی طرح اور بھی ایسی اعمال ہیں جو کہ سنت انبیاء علیہم السلام اور فطرت کے تقاضے ہیں مگر آج کل انہیں معیوب سمجھا جاتا ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية والسواك واستنشاق الماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانة وانتقاص الماء قال زكريا قال مصعب ونسيت العاشرة الاان تكون المضمضة۔ رواه مسلم ج:۱ ص:۱۲۹ باب خصال الفطرة وقال النووى قال القاضى عياض لعلها الختان المذكور مع الخمس وهو الاولىٰ۔

''دس باتیں سنن انبیاء میں سے ہیں مونچھیں پست کرانا' ڈاڑھی بڑھانا' مسواک کرنا' ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کرنا' ناخن تراشنا' انگلیوں کے جوڑوں کے اوپر کے حصہ کو صاف رکھنا' بغل کے بال نوچنا' زیر ناف بال صاف کرنا' اور پانی سے استنجاء کرنا۔ راوی کہتا ہے کہ دسویں بات میں بھول گیا ہوں شاید وہ مضمضہ (کلی کرنا) ہے لیکن قاضی عیاض نے کہا ہے کہ شاید وہ ختنہ ہے جس کی دوسری حدیث میں صراحت آئی ہے۔''

اس حدیث کا مضمون اور آج کے انسان کا کردار دونوں ظاہر ہیں اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ جو شخص فطری عمل کو پورا کرتا ہے اسے بنیاد پرست اور رجعت پسند وقدامت پسند وغیرہ کے القاب سے موسوم کیا جاتا ہے جس کا مقصد اسے یہ طعنہ دینا ہے کہ تو راہ ترقی کے

بجائے پستی کی طرف الٹا جانے لگا۔

حالانکہ اگر مرد کا ڈاڑھی کاٹنا اور عورت کا ناخن بڑھانا موافق فطرت ہوتو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ (العیاذ باللہ) انبیاء علیہم السلام فطرت کے تقاضوں کو پورا کرنے اور سمجھنے میں ناکام رہے۔ اسی پر قیاس کر کے دیگر اخلاق کریمانہ کا بھی یہی حال ہوگا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ نے ایسے لوگوں کو ذریعہ ہدایت بنا کر مبعوث فرمایا جو خود مقتضاء فطرت کے سمجھنے سے یکسر قاصر و غافل رہے تو وہ دوسروں کی کیا رہنمائی کریں گے۔

اسی طرح یہ بھی لازم آئے گا کہ نوع انسانی مجموعی طور پر آج تک برخلاف فطرت عمل پیرا تھی۔ اور بالآخر زاویہ ذہن میں یہ سوال بھی گردش کرنے لگے گا کہ انسانوں کو اپنا فرض انجام دینے کے لئے صحیح پیشوا کبھی میسر نہ ہوا۔ کلا وحاشا۔ ہرگز نہیں' بلکہ انسان نے شہوت پرستی اور دولت کے نشہ میں نہ صرف یہ کہ صراط مستقیم سے اعتزال اختیار کیا بلکہ اس پر علم فخر بلند کر کے اسے اطمینان اور خوشحالی کا راستہ قرار دیا جسے جہل مرکب کہنا زیبا ہے۔

اس لئے مناسب ہے کہ یہاں ایسی ہی ہلاکتوں' اخلاق رذیلہ کا تذکرہ کیا جائے جن سے بچنا لازمی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

پہلا باب

تہذیب اخلاق

فصل اول: زبان کی تباہ کاریوں میں

زبان کے کرشمے:۔

زبان باری تعالیٰ کی قدرتوں کی ایک واضح نشانی ہے اس کے فوائد میں اگر صحیح غور کیا جائے تو اس کی اہمیت' مقام اور قدر و قیمت کا اندازہ لگانا اگرچہ مشکل ہے تاہم اتنا ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا

درجہ دوسرے اعضاء سے بڑھ کر ہے یہ اپنی نظیر نہیں رکھتی کہ دیگر اعضاء کا فائدہ اکثر ایک ہی مقصد میں منحصر رہتا ہے مگر زبان اپنے صغر حجم کے باوجود بہت ساری حکمتوں کا مرکز ہے یہ نہ صرف بولنے کا ایک آلہ ہے بلکہ یہ غذا کے عمل میں غیر معمولی کردار ادا کرتی رہتی ہے اگر زبان نہ ہوتو خوراکی مواد کا ذائقہ کیونکر معلوم ہوسکتا ہے' لقمہ کو دانتوں سے پیسنے اور نرم کرنے کا کام تاکہ وہ حلق سے نیچے بآسانی اتر جائے کس سے لیا جائے بچے کے منہ میں پستان دینے کے بعد اس کے پیٹ میں ماں کا دودھ کس طرح پہنچایا جائے پانی کو اس احتیاط سے پینا کہ وہ سانس کی نالی میں پھیپڑوں تک نہ پہنچے زبان کی بدولت نصیب ہوتا ہے اور اس طرح بہت ساری حکمتیں جن کا ہمیں علم نہیں اور نہ ان کا تفصیلاً یہاں ذکر کرنا ضروری ہے جو اس میں ودیعت کی گئی ہیں۔

مگر اس کا سب سے اہم کرشمہ اس کی اپنے مدار میں مخصوص حرکت نطق ہے جس سے ایسے حروف اور الفاظ بنتے ہیں جو اظہار مافی الضمیر اور بیان خیالات وتصورات کے لئے کافی ہیں اسی سے تعلیم وتعلم کا سلسلہ بنتا ہے جو نوع انسانی کے باہمی رابطے کا سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ ہے بلکہ عالم بالا اور عالم سفلی کے درمیان مضبوط تعلق بھی کلمات کی بناء پر ہے حتی کہ زبان وحی کی ترجمانی وتشریح بھی کرتی ہے زبان نہ ہوتو قلم بے کار ہوجاتا ہے اور انسان زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم ہوجاتا ہے اور گویا دین اور دنیا کی بقاء اور ترقی میں زبان کا کردار اور مقام سب سے اونچا ہے۔

زبان ترجمان قلب ہے:۔

ان خوبیوں' حکمتوں اور کمالات کے باوجود اس میں ایک کمزوری موجود ہے کہ یہ اداء معنی مراد میں خود مختار نہیں بلکہ محتاج قلب ہے اس کا اپنا کوئی ارادہ نہیں ہوتا یہ محض دل کی ترجمانی کرتی رہتی ہے اور اس کے اشارہ پر اپنے کرشمے ظاہر کرتی ہے وہ اس سے جو کچھ چاہے تو اس کو تعمیل کرنی پڑتی ہے گویا بات دل سے نکل کر زبان پر ظاہر ہوتی ہے۔

انما الکلام لفی الفؤاد

وانما جعل اللسان علی الفؤاد دلیلاً

اصل کلام نفسی تو دل میں ہوتا ہے زبان تو محض سفیر ہے جو اس کو مخاطب تک پہنچاتی ہے۔اب یہ انسان پر ہے کہ وہ اس سے کیا کام لیتا ہے اگر اس کو کار خیر میں لگائے تو یہ اپنا جوہر دکھا دیتی ہے اور اگر اس سے برے ارادے کی تکمیل میں مدد لی جائے تو اس کے لئے بھی آمادہ ہو جاتی ہے۔لیکن جس طرح اول الذکر صورت میں اس کی خیر کی حد اور منتہی مقرر نہیں تو اس طرح ثانی الذکر حالت میں اس کی تباہ کاریوں کی منزل بھی متعین نہیں ہے۔لہٰذا اگر اس کو قابو میں نہ رکھا جائے تو یہ شر و فساد کو جنم دیتی ہے۔

اس لئے اس کے ضرر سے بچنے کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔

نمبر ا۔کہ یا تو اس کو اچھی باتوں میں اتنا مشغول رکھا جائے کہ اسے بری بات کہنے کا موقع ہی نہ ملے۔

۲۔یا پھر اس کو بند رکھا جائے تا کہ اس کو بولنے کی جسارت نہ ہو جس کی طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ ہوا ہے۔''ولساناً و شفتین ''یعنی اللہ نے زبان کے ساتھ ہونٹ بھی پیدا کیے ہیں لہٰذا اگر زبان سرکشی اختیار کرے تو اسے بند رکھو اور بولنے کا موقع نہ دو یعنی ہونٹ بند کر دو تا کہ زبان بول نہ سکے۔

زبان کی حفاظت نجات کی ضمانت:۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسے عمل کے متعلق دریافت فرمایا جو جنت میں داخل کرنے اور دوزخ سے دور رکھنے والا ہو۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان اسلام، صدقہ، اور جہاد کے بیان فرمانے کے بعد زبان کو ان سب کا ملاک (سہارا) قرار دیتے ہوئے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر ارشاد فرمایا اور جب حضرت معاذ کو اس پر تعجب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وھل یکب الناس فی النار علی وجوھھم اوعلی مناخرھم الا حصائد السنتھم۔

(ترمذی ج:۲ص:۲۹ باب ماجاء فی حرمۃ الصلوٰۃ ابواب الایمان)

''اور نہیں ڈالتی ہیں لوگوں کو چہروں کے بل یا ناک کے بل دوزخ میں مگر ان کی زبان کی کاٹی ہوئی کھیتیاں''۔

حصائد السنہ دراصل ان باتوں کو کہا جاتا ہے جو لاپرواہی کے ساتھ دوسروں کے حق میں کہی جائیں۔

اس حدیث میں زبان کی تشبیہ درانتی سے اور باتوں کی کٹی ہوئی کھیتی سے دی گئی ہے کہ زبان بھی اگر درانتی کی طرح خشک وتر اور یابس ورطب کی پرواہ کئے بغیر ہر بات کہنے لگے تو ان باتوں کا انجام اوندھے منہ جہنم میں ڈالا جانا ہوگا۔

اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ ماالنجاۃ یعنی نجات کس چیز میں ہے؟ اور اس کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''املك علیك لسانك'' اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ (ترمذی ج:۲ص:۶۶ باب حفظ اللسان ابواب الزہد)

اس حدیث کی تشریح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں ''ای احفظها عما لاخیر فیه ''یعنی لغو اور فضول باتوں سے اسے روکدو! لہٰذا جن باتوں سے ضرر کا یقین ہو یا اندیشہ ہو ان سے تو بطریق اولیٰ اجتناب ضروری ہوا۔ ہاں البتہ نفع بخش باتیں بہرحال بہتر اور مطلوب ہیں۔

وعن سهل بن سعدؓ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من یضمن لی مابین لحییه ومابین رجلیه اضمن له الجنة' (لفظه للبخاری ج:۲ص:۹۵۸ باب حفظ اللسان ابواب الرقاق وترمذی ج:۲ص:۲۶ باب ماجاء فی حفظ اللسان ابواب الزهد)

''حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں''۔

وعن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من وقاه اللّٰه شر مابین لحییه وشر مابین رجلیه دخل الجنة ۔

(ترمذی ج:۲ص:۶۶ باب حفظ اللسان ابواب الزہد)

''اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو اللہ نے زبان کے شر اور شرمگاہ کے شر سے بچایا تو وہ جنت میں داخل ہوگا''۔

عن ابی سعید الخدریؓ رفعه قال اذااصبح ابن آدم فان الاعضاء کلها تکفر اللسان فتقول اتق الله فینا فانما نحن بك فَإِنِ اسْتَقَمْتَ استقمنا وان اعوججت اعوججنا (باب ماجاء فی حفظ اللسان ابواب الزہد ترمذی ج:۲ص:۶۶)

''اور حضرت ابوسعید خدری سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے اندر جتنے اعضاء ہیں وہ سب زبان سے مخاطب ہوکر یہ کہتے ہیں کہ اے زبان تو اللہ سے (ہمارے بارے میں) ڈرنا اس لئے کہ ہم تو تیرے تابع ہیں اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہوجائیں گے''۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلیقل خیراً اولیصمت۔

(بخاری ص:۹۵۹ ج:۲ باب حفظ اللسان)

''اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ کہ بھلی (اچھی) بات کہے یا چپ رہے۔''

آثار:۔

اور حضرت حذیفہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں خاموش رہتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میری زبان درندہ ہے میں ڈرتا ہوں کہ اگر اسے چھوڑ دوں تو مجھے کھا جائے گی۔ (کنز العمال ج:۳ ص:۸۳۵ حفظ اللسان)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں لوگوں نے عرض کیا کہ کوئی ایسا عمل بتلایئے جس سے جنت ملے آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کبھی بولو مت انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو نہیں ہوسکتا فرمایا خیر کے سوا کچھ زبان سے مت نکالو۔

اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام فرماتے ہیں کہ اگر کلام بالفرض چاندی ہو تو چپ رہنا

سونا ہے۔

اور حضرت ربیع بن خسیم نے بیس سال تک دنیوی بات نہیں کہی اور آپ کا معمول تھا کہ جب صبح ہو جاتی تو قلم کاغذ اور دوات لے کر اپنی ہر بات کو (سارا دن) لکھتے اور پھر شام کو اپنا محاسبہ کرتے کہ کونسی بات کس نوعیت کی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جتنی ضرورت زبان کو قابو میں رکھنے کی ہے کسی دوسری چیز کو اس قدر مقید رکھنا ضروری نہیں۔ (احیاء العلوم ص ۱۰۸ ج ۳)

اور ایک حکیم کا کہنا ہے کہ انسانی جسم کے تین حصے ہیں ایک قلب دوم زبان اور سوم جوارح (اعضاء) اللہ نے ان کو مختلف نعمتوں سے نوازا ہے پس دل کو معرفت الٰہی اور نور ایمانی سے منور فرمایا ہے' زبان کو کلمہ شہادت اور تلاوت کلام پاک سے نوازا ہے اور جوارح کو نماز' روزہ اور دیگر طاعات کی دولت سے مالا مال فرمایا پھر ان انعامات اور ذمہ داریوں کی تکمیل کے لئے ہر ایک پر الگ الگ نگہبان مقرر فرمایا ہے لہٰذا عمل قلب کی نگہبانی تو خود فرما رہے ہیں اور زبان کی نگرانی کے لئے فرشتے (کراماً کاتبین) مقرر فرمائے جبکہ جوارح پر اوامر و نواہی کو مسلط فرمایا۔

اور ہر ایک کو تکمیل فرض کا حکم دیا پس دل کا فرض بنتا ہے کہ ایمان پر ثابت رہے اور کسی قسم کا حسد' مکر و فریب اور خیانت نہ کرے۔

اور جوارح کی ذمہ داری ہے کہ کسی قسم کی نافرمانی نہ کریں اور نہ کسی کو تکلیف دیں اور زبان کی وفاداری اور ذمہ داری یہ ہے کہ نہ غیبت کرے نہ جھوٹ بولے اور فضول گوئی سے گریزاں رہے۔

(تنبیہ الغافلین ص: ۸۱)

وفی الحدیث ان اللّٰہ یقول ابن آدم ان نازعك لسانك فیماحرمت علیك فقد أعنتك علیه بطبقتی فاطبق۔ (تفسیر روح البیان' مظہری)

اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''اے ابن آدم اگر تیری زبان حرام گوئی میں تجھ سے منازعہ (ضد) کرے تو میں نے دو پردوں (ہونٹوں) سے تیری مدد کی ہے لہٰذا تم انہیں ملاؤ یعنی بند کر دو۔''

امام غزالی فرماتے ہیں کہ کلام کی کل چار قسمیں ہیں ایک تو وہ جس میں ضرر ہی ضرر ہو دوسری قسم وہ جس میں محض نفع ہو تیسری قسم وہ جس میں نفع ونقصان دونوں شریک ہوں جبکہ چوتھی قسم اس کے برعکس ہے یعنی جس میں نہ نفع ہو اور نہ ضرر بلکہ فضول اور لایعنی باتوں پر مشتمل ہو۔

پس قسم اول تو حرام محض ہے لہٰذا اس سے سکوت لازمی ہوا' اور اسی پر قیاس ہے قسم چہارم کہ بیہودہ باتوں میں وقت ضائع کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ البتہ قسم اول کا جرم اس سے زیادہ ہے کہ وہ خود بھی قابل مواخذہ جرم ہے اور اس سے وقت بھی ضائع ہو جاتا ہے اور ایسے ہی قسم سوم سے احتراز ضروری ہے اگر نفع سے ضرر زیادہ ہو' لہٰذا بولنے کے قابل صرف دوسری قسم ہی رہی بشرطیکہ اس میں کوئی پوشیدہ ضرر مانند ریا' تکلف' اور خود پسندی وغیرہ کی آمیزش نہ ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ کلام صرف چوتھائی حصہ بولنے کا ہے اور وہ بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ (احیاء علوم الدین ص: ۱۰۸ ج: ۳)

زبان درازی کا نجی اور اجتماعی ضرر:۔

انسان انس سے مشتق ہے جس کے معنی لطف مہربانی کرنا تسلی دینا اور محبت کرنے کے ہیں جس کا مطلب ہے کہ انسان کے اندر یہ ساری صفات ودیعت کی گئی ہیں مگر انسان اور ان اوصاف کے درمیان آج غیر معمولی خلیج موجود ہے۔

اس میں دوسری وجوہات کے علاوہ زبان کی بے احتیاطی' بے جا استعمال اور غیر اخلاقی طرز نطق کا بڑا دخل ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ زبان کا زخم اکثر دل ودماغ کی گہرائیوں تک پہنچ جاتا ہے جس کی درستگی اور مندمل ہونے کا امکان کم ہوتا ہے۔

جراحات السنان لها التيام
ولا يلتام ما جرح اللسان

(شرح ملا جامی)

پرہر دنیزے خہ دے چہ بہ جوڑ شی پہ مرہم
بد پرہر دجبے چہ دہ عمرہ سرہ سم

نیزے کے زخم تو مندمل ہوجاتے ہیں مگر زبان کے زخم کبھی ٹھیک نہیں ہوتے اکثر معمولی چپقلشوں سے نازیبا الفاظ کی بناء پر صورت حال اتنی بگڑ جاتی ہے کہ جس پر قابو پایا نہیں جاسکتا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ روئے زمین پر اکثر و بیشتر دشمنیاں اور نفرتیں اسی زبان کی پیداوار ہیں کہ اسی سے گالی نکلتی ہے غیبت کرنا اس کا ایسا ثمرہ ہے جس کے کھانے میں تو لطف اور مزہ محسوس ہوتا ہے مگر در حقیقت وہ شکر آلود زہر ہوتا ہے' چغل خوری کا ناسور اسی سے پھیلتا ہے تہمت اور طلاق اسی سے معرض وجود میں آتی ہیں جن سے نفرت پیدا ہوکر دو خاندانوں بلکہ دو قوموں کے درمیان عداوت کا موجب بنتی ہے۔

یہ تو صرف دنیوی اور چند ہی نقصانات کا اجمالی تذکرہ ہے اخروی مضرتیں تو اس کی اتنی ہیں کہ قلم بھی احاطے سے قاصر ہے اس کی پوری تفصیل اس وقت سامنے آئے گی جب زبان بند ہوجائے گی اور اس کی کاٹی ہوئی کھیتیاں ایک حریصانہ اور غضبناک آگ کی شکل اختیار کریں گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔آمین ثم آمین

زبان درازی اور اخلاق مسلم:۔

اسلام چونک فطری دین ہے اس لئے ہمیشہ سلامتی' انس ومحبت' اتحاد اور اخوت کا درس دیتا ہے اس میں ہر اس بات اور کام پر انعام مقرر ہے جس میں نجی اور اجتماعی زندگی کو فطرت کے تقاضوں کے مطابق بنانے میں مدد ملتی ہو اس میں ایک بھلی بات لاکھوں فضولیات اور بے بنیاد باتوں سے بہتر ہے جبکہ غلط اور بری بات پر حسب جرم سزا مرتب کی گئی ہے کیونکہ اس دین کی بنیاد حقیقت پسندی اور فطری اخلاق پر قائم ہے اور نفرت پھیلانا وعیب جوئی اور ایذاء رسانی وغیرہ تو خلاف فطرت اور اخلاق رذائل ہیں تو یہ کیونکر اس دین سماوی کا حصہ بن سکتی ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده۔

(بخاری ص:۶ ج:۱ باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ' ابواب الایمان)

''حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی اذیت سے سارے مسلمان محفوظ ہوں۔''

مطلب یہ ہے کہ ایذاء رسانی خواہ زبان سے ہو یا ہاتھ سے یہ اسلام کے اصول اور مزاج کے منافی ہے مسلمان کے اخلاق یہ ہونے چاہئے کہ دوسرا مسلمان (اگر چہ اجنبی ہو) اس کے ضرر سے بالکل محفوظ ہو بلکہ اسے ایسا رویہ اختیار کرنا چاہئے کہ سارے مسلمان اس کی طرف سے مطمئن ہوں اور انہیں اس سے کسی قسم کا خطرہ درپیش نہ ہو بخلاف کافر کے کہ باطنی خباثت کی وجہ سے اس کے اخلاق اور شیطان کے اخلاق میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا ہے۔

کافر چونکہ اپنے خالق اور رب کا نافرمان ہوتا ہے اور قید عبادت سے خود کو آزاد سمجھتا ہے اس لئے اس کی بات کا اصل مقصد اپنے ہی مفادات کو حاصل کرنا ہوتا ہے' نہ اس میں دین کی خیر خواہی مدنظر ہوتی ہے' نہ مسلمانوں کی اور نہ ہی آخرت کی فکر ملحوظ ہوتی ہے' اس لئے اس کی زبان ہر قید و بند سے آزاد ہوتی ہے اپنے مفاد کی خاطر وہ جھوٹ بھی بولتا ہے اور چاپلوسی میں غیبت بھی کرتا ہے اور چغل خوری سے بھی گریز نہیں کرتا اور چونکہ اس کی ساری نظر دنیوی لذتوں کے حصول پر مرکوز رہتی ہے' آخرت سے مکمل غافل ہوتا ہے اس لئے دل بہلانے کے لئے اس کا اکثر وقت فضول گوئی' ٹی وی دیکھنے اور لہو لعب کے دیگر سامان میں لگتا ہے کہ اسکے بغیر اس کا دل مضطرب اور پریشان رہتا ہے اسے کسی قیمت پر چین نصیب نہیں ہوتا وہ سکون سے یکسر محروم ہوتا ہے۔

مگر مسلمان کو تو اللہ نے اپنے عظیم کلام سے نوازا ہے جو گذرا وقات کے لئے بہترین مشغلہ ہے اس میں فکر آخرت کی رہنمائی ہے اور تسکین قلب' تہذیب اخلاق کے لئے اکسیر اعظم ہے۔

وخیر الجلیس فی الزمان کتاب

غیبت:۔

وعین الرضا عن کل عیب کلیلة

ولکن عین السخط تبدی المساویا

ترجمہ:۔''رضا کی آنکھ تمام عیوب سے کوری ہوتی ہے لیکن ناراضگی کی آنکھ تمام عیوب کو ظاہر کرتی ہے۔''

ایک عام قاعدہ ہے کہ آدمی کو جس سے عقیدت ہوتی ہے تو وہ اس کے محاسن اور خوبیوں کو ملحوظ رکھتا ہے اور اس کی ہر ادا کو پسند کرتا ہے اور اس کی قباحتوں اور کوتاہیوں سے صرف نظر کرتا ہے بلکہ اگر عقیدت ومحبت بہت زیادہ ہو تو اس کی برائی بھی اچھائی نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس جس سے نفرت ہو جاتی ہے تو اس کی ہر ادا بری اور معیوب لگتی ہے' پس اگر یہ نفرت کینہ' حسد یا ظلم کی وجہ سے ہو تو حاسد اور مظلوم کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس کی ایسی مذمت کروں جس سے اس کا وقار اور مرتبہ کم ہو جائے اور اگر کسی غلط فہمی کی بناء پر ہو تو مناسب تو یہ ہے کہ جن باتوں کے متعلق غلط فہمی پیدا ہوئی ہے یا تو انہیں نظر انداز کر کے ان سے درگذر کیا جائے یا پھر ان کا تصفیہ کیا جائے مگر بہت کم لوگ ایسے ہونگے جن میں یہ وصف موجود ہو اکثریت کا حال یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس آدمی کے عیوب کا سراغ لگا کر ان کی تشہیر کی جاتی ہے اسی کا نام ہے غیبت۔

چنانچہ امام قرطبیؒ اس کی تعریف یوں فرماتے ہیں۔

وھی ذکر العیب بظھر الغیب ۔(قرطبی)

''غیبت کسی کے پیٹھ پیچھے عیب بیان کرنے کو کہتے ہیں۔''

غیبت گناہ کبیرہ ہے:۔

غیبت کرنے سے چونکہ نفرت کی آگ مزید مشتعل ہو جاتی ہے سامع کے دل میں غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور جس کی غیبت کی جاتی ہے اس کی آبرو بھی مجروح ہو جاتی ہے جو حسن معاشرہ کے لئے بڑی رکاوٹ ہے اور ساتھ ساتھ وقت کی تضیع بھی ہے جو ایک مستقل گناہ ہے گویا غیبت سے کئی گناہ معرض وجود میں آتے ہیں اس لئے شریعت نے غیبت کرنے سے سخت ممانعت فرمائی ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں۔

لاخلاف ان الغیبة من الکبائر (تفسیر قرطبی ص:۱۱۵۷ ج:۹)

''غیبت کے گناہ کبیرہ ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔''

اور ارشاد ربانی ہے۔

یاایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولاتجسسوا ولایغتب بعضکم بعضاً۔

''اے ایمان والو! بچتے رہو بہت سے گمانوں (تہمتیں کرنے) سے بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور (کسی کے عیب کا) سراغ نہ لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔''

عن ابی برزۃ الاسلمی رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یامعشر من آمن بلسانہ ولم یدخل الایمان قلبہ لاتنتابوا المسلمین ولاتتبعوا عوراتھم فان من اتبع عوراتھم یتبع اللّٰہ عورتہ ومن یتبع اللّٰہ عورتہ یفضحہ فی بیتہ ۔

(ابوداؤدص:۳۱۳ج:۲تفسیر قرطبی ص:۵۵۳ج:۹)

''اور حضرت ابو برزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ان لوگوں کی جماعت جو بظاہر مسلمان ہیں مگر ان کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔ مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب کی جستجو نہ کرو۔ کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب کی تلاشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب کی تلاشی کرتا ہے اور جس کے عیب کی تلاشی اللہ کرے اس کو اس کے گھر کے اندر رسوا کر دیتا ہے۔''

اس حدیث میں اس بات کی طرف واضح اشارہ موجود ہے کہ کسی مسلمان کی غیبت منافق کی علامت ہے کہ مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ اس کے شر سے دوسرے مسلمان بھائی محفوظ ہوتے ہیں لہٰذا غیبت کرنا اخلاق مسلم نہیں بلکہ منافی ہے۔

وعن انس بن مالك قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لماعرج بی مررت بقوم لھم اظفار من نحاش یخمشون وجوھھم وصدورھم فقلت من ھؤلاء یاجبریل؟ قال ھؤلاء الذین یاکلون لحوم الناس ویقعون فی اعراضھم ۔ (ابوداؤدص:۳۱۳ج:۲)

''اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شب معراج کو میرا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں

اور سینوں (بدن) کا گوشت نوچ رہے تھے میں نے جبرئیل امین سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائی کا گوشت کھاتے (یعنی غیبت کرتے) اور انکی آبرو ریزی کرتے تھے۔''

اس روایت میں غیبت کرنے کو اپنے بھائی کے گوشت کھانے سے تعبیر کیا ہے اسی طرح مذکورہ آیت کے اخیر میں بھی اس قسم کی مشابہت موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتاً۔

بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو۔

اس تشبیہ کے متعلق حبر امت اور رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔

انماضرب اللّٰه هذاالمثل للغيبة لان اكل لحم الميت حرام مستقذر وكذاالغيبة حرام فى الدين وقبيح فى النفوس۔ (قرطبی ص:۲۱۵۵ ج:۹)

''اللہ نے یہ مثال اس لئے بیان فرمائی ہے کہ جس طرح کسی مردے کا گوشت کھانا حرام ہے اور طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اسی طرح غیبت بھی دین میں حرام ہے اور قبیح ہے۔''

اور مفسر قرطبی فرماتے ہیں کہ جیسے مردہ کا گوشت کھانے سے مردے کو کوئی جسمانی اذیت نہیں ہوتی ایسے ہی اس غائب کو جب تک غیبت کی خبر نہیں اس کو بھی کوئی اذیت نہیں ہوتی مگر جیسا کہ کسی مردہ مسلمان کا گوشت کھانا حرام بھی ہے اور خست ودنائت کا کام بھی ہے اسی طرح غیبت بھی حرام اور خست ودنائت کا کام ہے کہ پیٹھ پیچھے کسی کو برا کہنا کوئی بہادری کا کام نہیں۔

اور اس تشبیہ کو مستبعد نہ سمجھا جائے کیونکہ اس عالم میں مادی دنیا کے علاوہ ایک دوسرا عالم بھی ہے جسے عالم مثال کہا جاتا ہے ہمارے عالم عنصری میں بہت ساری چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا ہم مشاہدہ نہیں کر سکتے ہیں مگر ان کا عالم مثال میں اپنی صفت کے مناسب جسم ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رقمطراز ہیں۔

اعلم انه دلت احاديث كثيرة على ان فى الوجود عالماً غير عنصرى تتمثل فيه المعانى باجسام مناسبة لهافى الصفة۔

(حجۃ اللہ البالغۃ ص:۵۸ باب ذکر عالم المثال)

''جان لو کہ بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس عالم عنصری (مادی دنیا) کے علاوہ ایک اور عالم موجود ہے جس میں معنوی اور مخفی چیزیں اپنی صفت کے مناسب جسم میں ظاہر ہوتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کرنے والے متعدد لوگوں کو گوشت کھانے کی خبر دی ہے۔''

ایک دفعہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی کو غیبت کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا غیبت کرنا چھوڑ دو کہ یہ کتے صفت لوگوں کی غذاء ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کی باتوں سے گریز کرو کیونکہ یہ مرض ہے اور اللہ کا ذکر کیا کرو کیونکہ یہ شفاء ہے۔ (قرطبی ص:۶۱۵۶ ج:۹)

ایک اور روایت میں ہے کہ غیبت کرنا زنا سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ''یہ کیسے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص زنا کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے اور غیبت کرنے والے کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی ہے۔ (معارف القران بحوالہ ابوداؤد و ترمذی)

چونکہ انسان سے سرزد ہونے والے گناہ عموماً دو طرح کے ہوتے ہیں۔ (۱) حیوانی (۲) شیطانی۔ آخر الذکر بہت ہی زیادہ خطرناک ہے اس لئے اس حدیث میں غیبت کو زنا سے زیادہ سخت قرار دیا کہ یہ شیطانی معصیت ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غیبت کرنا ایک ایسا گناہ ہے جس میں حق اللہ کی بھی مخالفت ہے اور حق العبد بھی ضائع ہوتا ہے اس لئے جس کی غیبت کی گئی ہے اس سے معاف کرانا لازمی ہے۔ اور جس شخص کے سامنے یہ غیبت کی تھی اس کے سامنے اپنی تکذیب کرنا بھی ضروری ہے اور وہ شخص جس کی غیبت کی تھی اگر مر گیا ہو یا اس کا پتہ نہ ہو تو اس کا کفارہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان من کفارة الغیبة ان یستغفر لمن اغتابه' تقول اللّٰهم اغفر لنا وله'۔

(رواہ البیہقی' مظہری)

''یعنی کفارہ غیبت کا یہ ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہے اس کے لئے اللہ سے دعائے مغفرت کرے اور یوں کہے کہ یا اللہ ہمارے اور اسکے گناہوں کو معاف فرما۔''

مسئلہ:۔ بچے اور مجنون اور کافر کی غیبت بھی حرام ہے کیونکہ ان کی ایذاء بھی حرام ہے اور جو کافر حربی ہیں اگر چہ ان کی ایذاء حرام نہیں مگر اپنا وقت ضائع کرنے کی وجہ سے پھر بھی غیبت مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔ غیبت جیسے قول اور کلام سے ہوتی ہے ایسے ہی فعل یا اشارہ سے بھی ہوتی ہے جیسے کسی لنگڑے کی چال بنا کر چلنا جس سے اس کی تحقیر ہو۔

(معارف القرآن ص:۱۲۳ج:۸)

مسئلہ:۔ اگر ایک آدمی کسی مسلمان کی غیبت کر رہا ہو اور اس سے کہا گیا کہ غیبت نہ کرو اس کے جواب میں غیبت کرنے والا کہے کہ یہ غیبت نہیں ہے میں اس میں سچا ہوں چونکہ اس نے حرام کو حلال جانا اس لئے کافر ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک (تنبیہ الغافلین ص:۶۲)

روبرو نازیبا بات کہنا:۔

غیبت کی تعریف سے یہ نہ سمجھا جائے کہ موجودگی کی حالت میں ایسی بات کہنا جائز ہوگی کیونکہ وہ غیبت نہیں، ہرگز نہیں کیونکہ وہ غیبت اگر چہ نہیں مگر بوجہ تکلیف دینے کے حرام ہے بلکہ اس کی تکلیف تو غیبت سے بھی زیادہ ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ اگر وہ شخص سامنے ہو تو اسکی آبروریزی اور توہین وتحقیر کی مثال ایسی ہے جیسے کسی زندہ انسان کا گوشت نوچ کر کھایا جائے پس معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی تذلیل درندگی کے مشابہ ہے البتہ غیبت کی صورت میں بزدلی کا پہلو غالب ہوتا ہے اور روبرو کی حالت میں بے حیائی اور خست کا غلبہ رہتا ہے۔ جن سے بچنا بہر حال لازمی ہے ارشاد باری ہے۔

یاایھا الذین آمنوا لایسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیراً منھم ولانساء من نساء عسی ان یکن خیراً منھن ولاتلمزوا انفسکم ولاتنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئك ھم الظالمون0

''اے ایمان والوں تمسخر نہ کریں ایک لوگ دوسرے سے' شاید وہ بہتر ہوں ان سے' اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کے اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کو' برا نام ہے گنہگاری پیچھے ایمان کے اور جو کوئی توبہ نہ کرے وہی ہیں بے انصاف''۔

مذکورہ آیتوں میں اشخاص وافراد کے باہمی حقوق وآداب معاشرت کا ذکر ہے ان میں تین چیزوں کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

اول کسی مسلمان کے ساتھ تمسخر واستہزاء کرنا' دوم کسی پر طعنہ کرنا اور سوم کسی کو ایسے لقب سے ذکر کرنا جس سے اس کی توہین ہوتی ہو یا وہ اسے برا مانتا ہو۔(معارف ص:۱۱۵ ج:۸)

تمسخر:۔

مفسر قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کی تحقیر وتوہین کے لئے اس کے کسی عیب (اختیاری ہو یا غیر اختیاری) کو اس طرح ذکر کرنا جس سے لوگ ہنسنے لگیں اس کو سخریہ' تمسخر اور استہزاء کہا جاتا ہے اور یہ جیسے زبان سے ہوتا ہے ایسے ہی ہاتھ پاؤں وغیرہ سے اس کی نقل اتارنے یا اشارہ کرنے سے بھی ہوتا ہے۔ اور اس طرح بھی کہ اس کا کلام سن کر بطور تحقیر کے ہنسی اڑائی جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سخریہ' تمسخر کسی شخص کے سامنے اس کا اس طرح ذکر کرنا کہ اس سے لوگ ہنس پڑیں اور یہ سب چیزیں بنص قرآن حرام ہیں۔

سخریہ کی ممانعت کا قرآن نے اتنا اہتمام فرمایا ہے کہ اس میں مردوں اور عورتوں کو الگ الگ مخاطب فرمایا کہ جو مرد کسی دوسرے مرد کے ساتھ استہزاء وتمسخر کرتا ہے اس کو کیا خبر ہے کہ شاید وہ اللہ کے نزدیک استہزاء کرنے والے سے بہتر ہو اسی طرح جو عورت کسی دوسری عورت کے ساتھ استہزاء وتمسخر کا معاملہ کرتی ہے اس کو کیا خبر ہے شاید وہی اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو۔

لہٰذا اگر کسی شخص کے بدن یا صورت' قد وقامت وغیرہ میں کوئی عیب نظر آئے تو کسی کو اس پر ہنسنے یا استہزاء کرنے کی جرأت نہ کرنا چاہئے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ شاید وہ اپنے صدق واخلاص وغیرہ

کے سبب اللہ کے نزدیک اس سے بہتر وافضل ہو۔

اس آیت کو سن کر سلف صالحین کا یہ حال ہو گیا تھا کہ عمرو بن شرحبیل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں اگر کسی شخص کو بکری کے تھنوں سے منہ لگا کر دودھ پیتے دیکھوں اور اس پر مجھے ہنسی آ جائے تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں بھی ایسا ہی نہ ہو جاؤں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں اگر کسی کتے کے ساتھ بھی استہزاء کروں تو مجھے ڈر ہوتا ہے کہ میں خود کتا نہ بنا دیا جاؤں۔ (قرطبی ص: ۶۱۴۵ ج: ۹)

تمسخر کئی بیماریوں سے مرکب ہے اسمیں جس طرح دوسرے کی دل آزاری ہوتی ہے اس طرح تحقیر بھی ہوتی ہے جو تکبر کی علامت ہے اور پھر جب اس پر ہتک آمیز نہیں مرتب ہو تو اسکے جرم اور گناہ میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور بسا اوقات نوبت لڑائی اور قطع کلامی تک پہنچ جاتی ہے۔

اس بناء پر تمسخر کا شمار ان کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے جن سے معاشرہ غلط اثر قبول کرتا ہے اور مسلمانوں کی محبت کو نفرت میں تبدیل کرتا ہے (مزید یہ کہ تمسخر کرنے والا اکثر خود بھی اس عیب کا شکار ہو جاتا ہے)۔

امام غزالی نے احیاء علوم الدین جلد سوم ص: ۱۲۸ پر اس آیت ''یاویلتنا ما لھذا الکتاب لایغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا'' کی تفسیر میں ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ان الصغیرہ التبسم باستھزاء بالمؤمن والکبیرۃ القھقھۃ بذالك۔

''یعنی صغیرہ سے مراد وہ مسکراہٹ ہے جو کسی مومن کی تحقیر کے لئے ہو اور کبیرہ سے مراد اسی طرح کا قہقہہ اور ہنسی ہے۔''

یعنی انسان کے نامہ اعمال میں یہ چیزیں بھی درج کی جاتی ہیں جن پر وہ کل یعنی قیامت کے روز سوائے افسوس کے اور کیا کر سکتا ہے۔ لہٰذا دانا شخص کے لئے ہمہ وقت محتاط رہنا ضروری ہے کیونکہ بے احتیاطی میں ایسے کلمات زبان سے نکل جاتے ہیں جن کو وہ معمولی سمجھتا ہے مگر درحقیقت وہ تباہی کی طرف لے جانے والے طاقتور اسباب ہیں۔

شریعت کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے یا اس سے منع فرمایا ہے اس میں غور کرنے کے بعد اس کی حکمت سمجھ میں آتی ہے تاہم اس حکمت پر مطلع ہونا ہر کس وناکس کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے کامل عقل وفراغت اور وسیع معلومات کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ نعمتیں ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتیں ان کا انتخاب خود اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر لوگ حکمتوں کے بجائے ظاہری اور نقد فوائد پر نگاہ مرکوز رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جن اشیاء میں بظاہر فائدہ نظر آتا ہو عام لوگ انہیں مفید سمجھتے ہیں اگر چہ ان ظاہری منافع کے پس پردہ کئی نقصانات موجود ہوں مثلاً زیر بحث مسئلہ میں عوام اور اکثر خواص اس بات کی پرواہ نہیں کرتے ہیں کہ جو بات ہنسی یا کوئی اشارہ وغیرہ کسی کی تحقیر کے لئے کرتے ہیں اس سے اس کے دل پر کیا گذرے گی اور ہمارے حق میں اس کا انجام کیا ہوگا۔ حالانکہ دانشمند شخص وہ ہے جو دوسرں کے عیوب کے آئینہ میں اپنے عیوب دیکھے کہ جس طرح اس کو اپنے عیوب نظر نہیں آتے اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو عین ممکن ہے کہ ایسے ہی عیوب یا ان کے علاوہ دوسری نوعیت کی خامیاں میرے اندر بھی موجود ہوں جن کا دوسرے لوگ مشاہدہ کرتے رہتے ہوں۔ کیونکہ کچھ نہ کچھ خامیاں ہر انسان میں ہوتی ہیں جن کا ازالہ ضروری ہوتا ہے مگر ازالہ کی صورت یہ نہیں کہ ان کو بنیاد تمسخر بنایا جائے۔ کیونکہ تمسخر ایک تو خود بھی بہت بڑا عیب ہے دوسرے اس سے اس بیماری میں خود واقع ہونے کا قوی اندیشہ بھی رہتا ہے جس کا تجربہ ہزار ہا لوگ کر چکے ہیں۔ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کی مرفوع حدیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے وہ حدیث یہ ہے۔

من عیر اخاہ بذنب لم یمت حتی یعملہ ۔

(ترمذی ص:۷۷ ج:۲' ابواب صفۃ القیامۃ)

''جس نے اپنے کسی بھائی کو کسی گناہ کا عار دلایا وہ مرنے سے پہلے اس (گناہ) میں ضرور مبتلا ہوگا۔''

دوسرے یہ کہ جو عیب تمہیں نظر آ رہا ہے ہوسکتا ہے کہ اللہ اس سے درگذر فرمائے کہ اللہ کو تو دلوں

کا حال معلوم ہے اور کسی کا دل اتنا صاف ہوتا ہے کہ اس کے ظاہری عیوب دل کی خوبیوں کی وجہ سے معاف کئے جاتے ہیں۔اس کے برعکس ایک شخص بظاہر تو بڑا دیندار لگتا ہے مگر دل اس قدر خراب ہوتا ہے کہ اس کے ظاہری اعمال قابل نجات نہیں ہوتے۔چنانچہ ارشاد ہے۔

ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم۔ (آلایۃ)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ بزرگ تر وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو''۔

اور ارشاد نبوی ہے۔

ان اللّٰہ لاینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم۔ (مسلم ص:۳۱۷ ج:۲ ابواب البر)

''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہاری دولت پر نظر نہیں ڈالتا بلکہ تمہارے قلوب اور اعمال کو دیکھتا ہے۔''

ظاہری کمال اور اعمال نجات کے دلائل قطعیہ نہیں:۔

اس حدیث بالا کے ضمن میں مفسر قرطبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ اصل معلوم ہوئی کہ کسی شخص کے معاملہ میں اس کے ظاہری حال کو دیکھ کر کوئی قطعی فیصلہ کرنا درست نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جس شخص کے ظاہری اعمال کو ہم بہت اچھا سمجھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ جو اس کے باطنی حالات اور قلبی کیفیات کو جانتا ہے وہ اس کے نزدیک مذموم ہو اور جس شخص کے ظاہری حال اور اعمال برے ہیں ہوسکتا ہے کہ اس کے دل میں کوئی ایسی خوبی اللہ کو معلوم ہو جس کی بدولت اس کے اعمال بد کی مغفرت ہو جائے پس اعمال دلائل ظنیہ تو ہو سکتے ہیں مگر ان سے جزم اور یقین حاصل نہیں ہوسکتا۔اس لئے جس شخص کو بری حالت یا برے اعمال میں مبتلا دیکھو تو اس کی اس حالت کو تو برا سمجھو مگر اس شخص کو حقیر و ذلیل سمجھنے کی اجازت نہیں۔

(قرطبی ص:۶۱۴۷ ج:۹)

اس حدیث سے تو سب ہی کو عبرت لینی چاہئے مگر وہ لوگ جن کو اپنے حسن و جمال، دولت، اعمال اور کمال پر ناز ہے اور اپنے سے کمتر پر تکبر اور فخر کرتے ہیں ضرور سوچیں کہ اس حدیث کے مطابق مدار

فلاح کیا چیز ہے؟

کیا یہ لوگ ظاہری حسن و جمال دولت و کمال اور صحت اور اعمال کے ساتھ ساتھ باطنی اخلاق کریمانہ کے زیور سے بھی آراستہ ہیں؟ یا بلاوجہ دوسروں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وکونوا عباداللّٰہ اخواناً المسلم اخوا المسلم لایظلمه ولایخذله ولایحقره التقوی ههنا ویشیر الی صدره۔

(مسلم ص:۳۱۷ ج:۲ باب تحریم ظلم المسلم ابواب البر)

''اللہ کے نیک بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ شرمندہ کرتا ہے اور نہ اس کی تحقیر کرتا ہے اور تقویٰ یہاں ہے (اور اس کے ساتھ) اپنے سینہ (دل) کی طرف اشارہ فرماتے۔''

لمز:۔

ولاتلمزوا انفسکم (الآیۃ) لمز یلمز کے معنی کسی کے عیب نکالنے اور ظاہر کرنے یا عیب پر طعنہ زنی کرنے کے ہیں جو درحقیقت اپنے ہی عیب کو بیان کرنا ہے۔ یعنی اس شخص کو اپنے عیوب نکالنے پر اکسانا اور غور پر مجبور کرنا ہے کہ تم بھی میرے عیوب ظاہر کرو!۔

اس لئے اللہ نے اسی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اس سے منع فرمایا (**ولاتلمزوا انفسکم**) یعنی تم اپنے عیب نہ نکالو۔

مطلب یہ ہے کہ جب تم دوسروں کے عیب نکالو گے اور طعنہ دو گے تو یاد رکھو کہ عیب سے تو کوئی انسان عادۃً خالی نہیں ہوتا تم اس کے عیب نکالو گے تو وہ تمہارے عیب نکالے گا اور لوگوں کی آنکھیں ہیں جو ان کو دیکھتی ہیں تم کسی کے عیب نکالو گے اور طعنہ زنی کرو گے تو وہ تم پر یہی عمل کریں گے۔

اس لئے علماء نے فرمایا کہ انسان کی سعادت اور خوش نصیبی اس میں ہے کہ اپنے عیوب پر نظر رکھے ان کی اصلاح کی فکر میں لگا رہے اور جو ایسا کرے گا اس کو دوسروں کے عیب نکالنے اور بیان کرنے

کی فرصت ہی نہ ملے گی۔ ہندوستان کے آخری مسلمان بادشاہ ظفر نے خوب فرمایا ہے۔ ؎

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر
رہے دیکھتے لوگوں کے عیب وہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر
تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

(معارف القرآن ص:۱۱۷ج:۸)

مگر بعض لوگوں کا تو مشغلہ ہی یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کے عیوب مسلسل بیان کرتے رہتے ہیں جس کے پاس بیٹھ جائیں تو دوسرے کے عیب کو موضوع سخن بناتے ہیں اور اگر کسی کی ایسی بات سنیں یا کوئی کام دیکھیں جس میں صحیح اور غلط دونوں احتمال موجود ہوں تو یہ غلط پہلو ہی کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں گویا ان کی خوراک یہی ہے۔

حالانکہ اگر یہ لوگ اپنے دیگر عیوب سے قطع نظر صرف اس عیب پر نظر ڈالیں کہ ہم ہمیشہ دوسروں کے عیب کے متلاشی رہتے ہیں کیا یہ کام کسی مؤمن کے شایان شان ہوسکتا ہے؟ کیا اس سے ہماری آبرو بڑھے گی؟ تو شاید ان کے ضمیر انہیں آئندہ کسی مسلمان کی آبروریزی کی اجازت نہ دیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلیقل خیراً اولیصمت۔

(بخاری ص:۹۵۹ ج:۲ ترمذی ص:۸۶ ج:۲ ابواب صفۃ القیامۃ)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ بھلی بات کہے یا چپ رہے۔

(بخاری باب حفظ اللسان)

برے لقب سے پکارنا:۔

قال اللّٰہ تبارك وتعالیٰ ولاتنابزوا بالالقاب۔(الآیۃ)

اس آیت میں برے القاب سے پکارنے سے ممانعت کی گئی ہے یعنی کسی کا ایسا لقب رکھنا یا اس

نام سے پکارنا جس سے وہ ناراض ہوتا ہو جیسے کسی کو لنگڑا' لولا یا اندھا کانا کہہ کر پکارنا یا اس لفظ سے اس کا ذکر کرنا اور اسی طرح جو نام کسی کی تحقیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہو اس نام سے اس کو پکارنا بنص قرآن حرام ہے۔

(معارف القرآن ص:۱۱۷ج:۸)

مذکورہ حکم ہر برے لقب کا ہے چاہے وہ کسی ایسے عیب پر دلالت کرتا ہو جو اس آدمی کے اختیار میں نہ ہو جیسے لنگڑا یا کالا وغیرہ یا ایسے افعال پر جو کسی کے ارادہ اور قصد سے تعلق رکھتے ہوں مگر اس نے ان سے توبہ کر لی ہو۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''نھی اللّٰہ ان یعیر بماسلف'' یعنی اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کسی کو اس کے پہلے گناہوں سے عار دلایا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک شخص سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور وہ اس پر نادم ہو کر توبہ تائب ہو جائے تو اس کے بعد اس کو اس گناہ سے عار دلانا مثلاً زانی یا شرابی یا چور وغیرہ کہنا حرام ہے۔ حدیث میں ہے۔

من عیر مؤمناً بذنب تاب منه کان حقاً علی اللّٰه ان یبتلیه به ویفضحه به فی الدنیا والآخرة۔

(تفسیر قرطبی ص:۶۱۴۹ ج:۹)

''جس نے کسی مؤمن بندہ کو ایسے گناہ پر عار دلایا جس سے اس نے توبہ کر لی ہو تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ اس کو اسی گناہ میں مبتلا کر کے دنیا و آخرت میں رسوا کرے۔''

بعض القاب کا استثناء:۔

البتہ جو شخص کسی برے لقب سے اتنا مشہور ہوا ہو کہ اس کے بغیر وہ پہچانا ہی نہیں جاتا ہو اور ذکر کرنے والے کا قصد بھی اس کی تحقیر و توہین نہ ہو تو ضرورت کی بناء پر اس میں کوئی حرج نہیں' ہاں سنت اور ادب پھر بھی یہی ہے کہ آدمی کو ایسے نام سے پکارا جائے جس کو وہ پسند کرتا ہو اور وہ نام اچھا بھی ہو۔

اور یہی وجہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق اور عتیق مشہور ہوا حضرت عمرؓ فاروق سے ملقب ہوئے اور حضرت عثمان کو ذوالنورین کا لقب ملا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ' مرتضٰی کے لقب سے

معروف ہوئے وغیرہ۔اور حدیث میں ہے۔

من حق المؤمن علی المؤمن ان یسمیه باحب اسمائه الیه ۔

(قرطبی ص:۶۱۵۰ ج:۹)

''ایک مؤمن کا دوسرے مؤمن پر حق بنتا ہے کہ اسے ایسے نام سے یاد کرے جس کو وہ پسند کرتا ہو۔''

کس قدر محتاط مذہب ہے اسلام کہ ایسی بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا جس میں معاشرت پر برا اثر پڑنے کا احتمال ہو اسمیں مسلمانوں کے دلوں میں تفرقہ ڈالنے والی بات' حرکت اور ہر کام پر کتنی سخت پابندی ہے اس کی تفصیل کے لئے احادیث کا کافی ذخیرہ موجود ہے جبکہ قرآن میں بھی اس قسم کی وعیدیں بکثرت نازل ہوئی ہیں اس کے برعکس انسانی فائدے اخوت اور اتحاد کے جتنے امور ہیں ان سب پر جزیل انعامات مقرر کئے گئے ہیں گویا فائدہ بھی اپنا اور اس پر انعام بھی ملے یہ اس دین کی خصوصیت ہے۔

لہٰذا ایسے مذہب کی دشمنی جو انسان کی بھلائی کے لئے کوشاں ہو اور انسان کو ہمہ وقت خطرات سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہو کونسی دانشمندی ہے؟ مگر یورپ کی اندھی تقلید نے مسلمانوں کو اتنا حواس باختہ بنادیا ہے کہ ان کو اپنا بیش بہا سرمایہ بے فائدہ نظر آنے لگا اور اس کی ایک ایک بات جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہے طعن تمسخر کا نشانہ بنی **مالھؤلاء القوم لایکادون یفقھون حدیثاً۔**

چغلخوری:۔

مسلمانوں کے دلوں میں تفرقہ ڈالنے والے محرکات میں سے ایک چغلخوری بھی ہے اس کی اذیت صرف دل تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے موذی اثرات پورا بدن بلکہ پورا خاندان اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

اس لئے شریعت مطہرہ نے اس کے خطرناک انجام سے بچنے کے لئے اس پر سخت قانونی پہرہ بٹھادیا اور قانون شکنی کرنے والے کے لئے سخت ترین سزا سنائی۔

چغلی یہ ہے کہ کسی کا ایسا راز یا حال یا ایسی بات کسی کے سامنے ظاہر اور بیان کی جائے جس کو

ناگواری کی نگاہ سے دیکھا جائے چاہے وہ شخص خود اسے سمجھے یا مخاطب اور سامع کو ناپسند لگے نیز چاہے یہ افشاء زبانی ہو یا اشارۃً یا کسی دوسرے ذریعے سے ہو یہ سب صورتیں چغلی کی ہیں۔

(احیاء علوم الدین ص:۱۵۲ ج:۳ التعریفات ص:۲۲۰)

فرمان الٰہی ہے۔

ویل لکل همزة لمزة۔ (الآیة)

''بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو (اور) رودر روطعنہ دینے والا ہو۔''

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔

هم المشاءون بالنميمة 'المفسدون بين الاحبة' الباغون لبراء العيب۔

(قرطبی ص:۷۲۷۱ ج:۹)

''اس سے مراد چغلخوری کرنے والے ہیں جو احبہ کے درمیان فساد پھیلاتے ہیں (یعنی تفرقہ ڈالتے ہیں) اور جو لوگ برائی سے بے زار ہیں ان کے عیب تلاش کرتے رہتے ہیں۔''

چغلخوری کبیرہ گناہ ہے:۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ایک باب کی سرخی جمائی ہے ''النمیمة من الکبائر'' چغلخوری گناہ کبیرہ ہے اور اس کے ذیل میں اس حدیث کو ذکر فرمایا ہے جس میں دو آدمیوں کا اپنی اپنی قبر میں مبتلاء عذاب ہونے کا واقعہ ہے جن کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ومایعذبان فی کبیر وانه لکبیر کان احدهما لایستتر من البول و کان الآخر یمشی بالنمیمة۔ (بخاری ص:۸۹۴ ج:۲)

''اور ان دونوں کو کسی بڑی چیز کے بارے میں عذاب نہیں ہو رہا ہے اور (البتہ) بے شک یہ چیز (گناہ میں) بڑی ہے (پھر ارشاد فرمایا) کہ ان دونوں میں سے ایک پیشاب کرتے وقت پردہ نہیں کرتا تھا (اور ایک روایت میں ہے کہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا) اور دوسرا شخص چغلی لے کر چلتا تھا۔''

دیکھئے اس حدیث میں اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ چغلی سے بچنا اگر چہ آسان ہے یعنی ایسی مشکل چیز نہیں کہ جو آدمی کے اختیار سے باہر ہوتا ہم گناہ کے اعتبار سے بہت بڑی چیز ہے۔ لہٰذا اس کو معمولی نہ سمجھا جائے کیونکہ اس کا وبال آخرت میں بہت بڑا ہے۔

اور حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

لا یدخل الجنة قتات۔

(بخاری ص:۸۹۵ ج:۲_ مسلم ص:۷۰ ج:۱)

(امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ قتات سے مراد چغلخور ہے) یعنی جو شخص کسی کی بات سن کر اس میں ملاوٹ کر کے لگائی بجھائی کرے اور ادھر کی بات ادھر پہنچائے جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

اور ایک روایت میں قتات کی جگہ نمام آیا ہے اور نمام چغلخور کو کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا دونوں احادیث سے چغلخور کا انجام بدکس قدر واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ عالم برزخ میں جب مسلمان اور سچے مؤمن اپنے اعمال کو دیکھ کر پر لطف نتیجہ کے انتظار کے ساتھ ساتھ اس وقت بھی نہایت پرسکون اور آرام کی خواب گاہ میں محوئے خواب ہونگے تو چغلی کرنے والا اپنے کئے ہوئے پر نہایت اذیت ناک عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اور جب دوسرے صلحاء میدان محشر میں اپنے نیک اعمال کا نہایت شیرین ثمرہ حاصل کرنے میں مشغول ہونگے تو یہ شخص اس وقت بھی اپنی زبان کی کھیتی کا تلخ اور حد درجہ کڑوا اور بدمزہ پھل کھانے پر مجبور ہوگا۔ اعاذنا اللہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

وشرار عباد اللّٰہ المشاء ون بالنمیمة المفرقون بین الاحبة الباغون البراء العنت۔

(مشکوٰۃ ص:۴۱۵ بحوالہ احمد والبیہقی)

''اور اللہ کے برے بندے وہ ہیں جو چغلی لے کر چلتے پھرتے ہیں اور (چغلی کی وجہ سے) محبت کرنے والوں میں جدائی کرنے والے ہوتے ہیں (اور) جو لوگ برائی سے بیزار ہیں ان کے لئے فساد کی تلاش میں رہتے ہیں''۔

اور حضرت حسن بصری کا قول ہے جو تجھے کسی کا عیب بیان کرے (تو اسے اپنا دوست اور رازدان نہ سمجھ کیونکہ) وہ تیرا عیب بھی دوسروں کے سامنے بے نقاب کرے گا۔

حکایت:۔

روایت ہے کہ ایک آدمی سات سو فرسخ (ایک فرسخ تین میل ہے) کوس کی مسافت طے کر کے ایک حکیم (دانا شخص) کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ چونکہ اللہ نے تجھے علم اور دانائی کی دولت سے نوازا ہے اس لئے بنظر استفادہ سات باتیں پوچھنے آیا ہوں' لہٰذا ان کا شافی جواب عنایت فرمائیں۔

پہلا سوال:۔ آسمانوں سے زیادہ بھاری کیا چیز ہے؟

جواب:۔ بہتان!

دوسرا سوال:۔ پتھر سے سخت کیا چیز ہے؟

جواب:۔ کافر کا دل!

تیسرا سوال:۔ زمین سے زیادہ کشادہ کیا چیز ہے؟

جواب:۔ حق!

چوتھا سوال:۔ آگ سے زیادہ گرم کیا چیز ہے؟

جواب:۔ حرص اور حسد!

پانچواں سوال:۔ زمہریر سے زیادہ ٹھنڈی کیا چیز ہے؟

جواب:۔ قریبی رشتہ دار سے حاجت کا پورا نہ ہونا!

چھٹا سوال:۔ سمندر سے زیادہ بے پرواہ کیا چیز ہے؟ اور ایک روایت میں ہے کہ زیادہ گہری کیا چیز ہے؟

جواب:۔ جس دل میں قناعت و فراغت ہو!

ساتواں سوال:۔ یتیم سے زیادہ ذلیل کون ہے؟ اور تنبیہ الغافلین کی ایک روایت میں ہے کہ زہر سے زیادہ قاتل کیا چیز ہے؟

جواب:۔ وہ چغلخور ہے جب اس کا حال ظاہر ہو جائے تو یتیم سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے اور دوسری روایت کے مطابق چغلی کا ظاہر ہونا زہر سے زیادہ قاتل ہے۔

(احیاء علوم الدین ص:۱۵۲ ج:۳ تنبیہ الغافلین ص:۶۴)

چغلی کے ردعمل میں چھ باتوں کا اہتمام نہایت لازمی ہے:۔

اول یہ ہے کہ چغل خور کو سچا نہ مانو کیونکہ وہ فاسق ہے اور فاسق کی خبر اور گواہی مردود ہوتی ہے۔

دوم یہ کہ اسے منع کرو کہ آئندہ میرے پاس ایسی بات نہ لانا اور یہ ممانعت کسی جنگ وجدال کے طور پر نہیں بلکہ نصیحت کے طور پر ہونی چاہئے۔

سوم اس سے اللہ کی رضا کے لئے بغض رکھو کیونکہ یہ شخص اللہ کے نزدیک مبغوض ہے لہٰذا اس سے بغض رکھنا واجب ہے۔

چہارم اس کے کہنے پر اس غائب شخص کے متعلق سوءظن سے بچو کہ بدگمانی گناہ ہے۔

پنجم اس کے کہنے پر درپئے حقیقت نہ ہو کیونکہ تجسس حرام ہے۔

اور ششم یہ کہ جس بات سے چغلخور کو منع کیا ہے خود اس میں مبتلا نہ ہو یعنی اس چغلی کا تذکرہ کسی کے سامنے نہ کرنا کہ اس نے مجھے ایسا ایسا کہا ہے کیونکہ یہ تو خود ایک چغلخوری اور غیبت ہے۔ (احیاء علوم الدین ص:۱۵۲ ج:۳، تنبیہ الغافلین ص:۶۵ المستطرف ص:۸۴ ج:۱ انووی بر مسلم ص:۷۰ ج:۱)

بہتان:۔

بہتان اس کو کہتے ہیں کہ اللہ کے کسی بندے کی طرف ایسی کسی برائی اور بداخلاقی کی نسبت کی جائے جس سے وہ بالکل بری اور پاک اور بے خبر ہو ظاہر ہے کہ یہ بڑی شقاوت کی بات ہے اور ایسا کرنے والا اللہ اور اس کے بندوں کا سخت ترین مجرم ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

''البهتان علی البرئ اثقل من السموات''۔

(کنزل العمال ص:۸۳)

''کسی پاک باز کو تہمت لگانا آسمانوں سے بھی زیادہ بھاری ہے''۔

یعنی یہ اتنا وزنی گناہ ہے کہ سات آسمانوں کا وزن بھی اس کے وزن کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی انسان جنت میں داخل نہ ہوسکے گا جب تک کہ اللہ معاف نہ فرمائے یا اس کی سزا نہ پائے کیونکہ اس کی امید تو بہت ہی کم ہے کہ جس کو تہمت لگی ہے وہ شخص قیامت کے دن معاف کردے گا اس لئے کہ وہاں ہر ایک کو نیکی کی اشد ضرورت ہوگی لہٰذا ہوشیار آدمی کو چاہئے کہ بہتان سے حد درجہ احتراز کرے یا پھر دنیا میں اپنا معاملہ صاف کرکے جائے۔

عن معاذ بن انس عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من حمی مؤمناً من منافق اراء قال بعث اللّٰہ ملکاً یحمی لحمہ یوم القیامۃ من نار جھنم ومن رمی مسلما بشئ یرید شینہ بہ حبسہ اللّٰہ علی جسر جھنم حتی یخرج مماقال۔

(ابوداؤد ص:۳۱۳ ج:۲ باب الرجل یذب عن عرض اخیہ کتاب الادب)

''حضرت معاذ بن انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی مؤمن کو کسی منافق سے بچایا (یعنی بہتان لگانے اور غیبت کرنے والے شخص سے جو بمنزلہ منافق کے ہے) تو میرا گمان ہے (یعنی راوی کا قول ہے) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ قیامت کے دن ایک فرشتہ بھیجیں گے جو حمایت کرنے والے کے گوشت کو دوزخ سے بچائے گا اور جس کسی نے کسی مسلمان کو تہمت لگادی جس سے اس کو بدنام کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے پل پر ٹھہرائے رکھے گا یہاں تک کہ وہ اپنی کہی ہوئی بات سے صاف ستھرا ہوکر نکل جائے''۔

حکایت:۔

حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے غلام خریدا بائع نے اس سے کہا کہ اس میں بجز چغلی وغیرہ

کے اور کوئی عیب نہیں ہے مشتری نے اسے معمولی عیب سمجھ کر قبول کر لیا اور کہا کہ مجھے منظور ہے۔

چنانچہ غلام نے چند روز کے قیام کے بعد اپنے آقا کی بیوی سے کہا کہ تمہارا شوہر تمہیں نہیں چاہتا اس لئے اب اس کا ارادہ ہے کہ ہم خوابی کے لئے کوئی لونڈی وغیرہ خاتون گھر لائے البتہ زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ مجھے ایک منتر آتا ہے جب تمہارا شوہر گھر آ کر سو جائے تو تم چھری لے کر اس کی ڈاڑھی کے بال جو گلے سے زیادہ قریب تر ہوں کاٹ کر مجھے دے دو میں ان پر وہ منتر پڑھ کر تمہارا مطلب پورا کرونگا اس طرح وہ اپنے اس مذموم ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔

ادھر جا کر اس کے شوہر (اپنے آقا) سے کہنے لگا کہ تمہاری بیوی کو ایک آدمی سے محبت ہوئی ہے اور اس کے عشق میں اتنی پاگل بن گئی ہے کہ اب وہ اور اس کے آشنا کو آپ کے قتل کرنے کے موقع کی تلاش ہے لہٰذا جب آپ سو جائیں گے وہ آپ کو ذبح کر دے گی اگر تمہیں یقین نہیں آ رہا تو خود جا کر سونے کا بہانہ کر کے لیٹ جاؤ' اور پھر دیکھو کہ تمہاری بیوی کیا کرتی ہے؟

چنانچہ آقا نے گھر آ کر سونے کا ارادہ ظاہر کیا اور تھوڑی دیر لیٹنے کے بعد یہ تاثر دیا کہ گویا وہ سو رہا ہے عورت چونکہ منتظر تھی استرہ لے کر اس کے پاس گئی جوں ہی وہ بال کاٹنے کی غرض سے جھکی تو شوہر کو یقین ہو گیا کہ یہ میرا گلہ کاٹنا چاہتی ہے پس فوراً اس نے بیوی کو مار ڈالا۔

اس ظالمانہ کاروائی کی خبر آناً فاناً سسرال والوں کو ہوئی تو انہوں نے آ کر مرد کو قتل کر دیا اس طرح دونوں قبیلوں کے درمیان نفرت' عداوت' اور قتل وقتال کا سلسلہ جاری ہوا۔

(احیاء علوم الدین ص:۱۵۴ ج:۳' تنبیہ الغافلین ص:۶۴)

دورخی:۔

بعض لوگوں کی یہ خراب عادت ہوتی ہے کہ جب دو آدمیوں یا دو جماعتوں کے درمیان کوئی اختلاف نظر آئے تو وہ ہر فریق سے مل کر دوسرے کے خلاف باتیں کرتے اور ہر ایک فریق کو یہ باور کراتے ہیں کہ وہ یہ بات جذبہ خیر خواہی کی بناء پر کرتے ہیں اس طرح وہ ہر فریق کی حمایت کرتے رہتے ہیں اور بار بار ان کو یقین دلاتے ہیں کہ تمہارا موقف سو فیصد صحیح ہے۔ اور جب ہر فریق ان کو اپنا ہمدرد اور

حمایتی سمجھ کر اپنی سب باتیں اگل دیتا ہے تو یہ دوسرے تک پہنچانے میں اور ان باتوں کی شکل بگاڑنے اور مسخ کرنے میں دیر نہیں کرتے۔

گویا ایسے آدمی کے دو روپ ہوتے ہیں ایک وہ جب سامنے آتا ہے اس وقت اس کے چہرہ پر خیر خواہی کے اثرات نمودار ہوتے ہیں اور دوسرا وہ جب غائب ہو جاتا ہے اور مخالف جماعت کے ساتھ ہوتا ہے اس حالت میں اس کا چہرہ بالکل بدلا ہوا نظر آتا ہے اور اب خیر خواہی کے بجائے وہ زہریلی بدخواہی کے جذبات میں ہوتا ہے۔

ایسے آدمی کو اردو میں ''دورخا'' اور عربی میں ''ذوالوجہین'' یعنی دو چہروں والا کہا جاتا ہے۔

چونکہ یہ شخص دنیا میں دو زبانیں استعمال کرتا ہے اس لئے اللہ نے اس دورخاپن پر اس کی سزا یہ مقرر فرمائی ہے کہ آخرت میں اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہونگی۔ اللّٰھم احفظنا۔

چنانچہ حضرت عمارؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

من کان لہ وجھان فی الدنیا کان لہ یوم القیامۃ لسانان من نار۔ (ابوداؤد ص:۳۱۲ ج:۲ الادب المفرد ص:۶۳۴)

''دنیا میں جس شخص کے دو چہرے ہونگے قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوگی۔''

مزید بریں اپنی اس حرکت کی وجہ سے یہ شخص قیامت کے دن اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ بدحال ہوگا۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تجد من اشر الناس یوم القیامۃ عنداللّٰہ ذوالوجھین الذی یاتی ھؤلاء بوجہ وھؤلاء بوجہ۔

(بخاری ص:۸۹۵ ج:۲ باب ما قیل فی ذی الوجہین مسلم ص:۳۲۵ ج:۲ باب ذم ذی الوجہین)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم قیامت کے دن سب سے برے حال میں اس آدمی کو پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رخ اور

ہوتا ہے اور دوسروں کے پاس جاتا ہے تو اور۔''

دورخی منافقت ہے:۔

امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ دو آدمیوں سے اس طرح ملاقات کرنا کہ ہر ایک کے سامنے خود کو اس کا ہمدرد اور دوسرے سے بدظن ظاہر کرے منافقت ہے۔

ظاہر ہے کہ منافقت تو ہلاکت ہے اس سے ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کو بچنا چاہئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔

لایکونن احدکم امعة قالوا ومالامعة قال الذی یجری مع کل ریح۔

(احیاءص:۱۵۵ج:۳)

''تم میں سے کوئی امعہ ہرگز نہ بنے لوگوں نے عرض کیا کہ امعہ کیا چیز ہے آپ نے فرمایا وہ شخص ہے جو جدہر کی ہوا دیکھے ادھر پھر جائے۔''

مطلب یہ ہے کہ انسان کو محض ابن الوقت اور رکابیہ مذہب والا نہیں بننا چاہئے کہ جس حال میں اپنا فائدہ نظر آنے لگے تو اس حال کا ساتھ دے بلکہ کامل مرد وہ ہے جو اپنے صحیح موقف پر ڈٹا رہے اور اگر حالات نامساعد ہوں تو ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرے اسی میں استقامت ہے اور اسی میں فلاح اور نجات مستودع ہے۔

جھوٹ:۔

عن ابی ھریرة عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال آیة المنافق ثلث اذاحدث کذب واذاوعد اخلف واذاؤتمن خان۔

(بخاری ص:۱۰ج:۱باب علامۃ المنافق کتاب الایمان)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

یہ حدیث بتا رہی ہے کہ جھوٹ نفاق کی تین علامات میں سے ایک علامت ہے یعنی منافقت تو دل کی صفت ہے مگر اس کی شاخیں اور کچھ علامتیں ایسی بھی ہیں جو جسم کے ظاہر پر رونما ہوتی ہیں لہٰذا کسی کے جھوٹ کو سن کر یہ فیصلہ کرنا کہ اس کا دل خراب ہے اور یہ شخص ایمان خالص کی نورانیت اور حلاوت سے محروم ہے مشکل نہیں۔

اور جب یہ طے ہوا کہ کذب کا مرجع نفاق کی طرف ہوتا ہے جو ایک قسم ہے کفر کی تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان کامل اور جھوٹ کا منشا ایک قلب میں جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

یطبع المؤمن علی الخلال کلھما الاالخیانة والکذب۔

(مشکوٰۃ ص:۴۱۴ بحوالہ احمد و بیہقی)

مومن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے (کہ یہ مؤمن کی جبلت میں ہرگز نہیں ہو سکتے ہاں اگر مؤمن اپنی اصل فطرت سے پھر جائے تو وہ الگ بات ہے) یا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کو ان دو چیزوں سے ضرور بچنا چاہئے۔

اور ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ:

ایکون المؤمن جباناً قال نعم فقیل له ایکون المؤمن بخیلاً قال نعم فقیل له ایکون المؤمن کذاباً قال لا۔

(مشکوٰۃ ص:۴۱۴ بحوالہ بیہقی والمؤطا ص:۷۳۲)

''آیا مؤمن بزدل ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا مؤمن بخیل ہوتا ہے؟ فرمایا جی' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ کیا مؤمن بہت جھوٹا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔''

یعنی مؤمن جھوٹا نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کہ ایمان کا صدق اور حقانیت کذب کے منافی ہے چنانچہ خیر القرون میں لوگوں کے سینے چونکہ ایمان کے خالص نور سے منور تھے اس لئے ان میں جھوٹ کا رواج ہرگز نہیں تھا وہ لوگ سچائی کے پختہ عزم اور ایسے جذبے سے سرشار تھے جس کے سامنے جھوٹ کی

حیثیت تند ہوا کے آگے ایک تنکے سے بھی کم تھی۔

مگر رفتہ رفتہ ایمان کی کمزوری سے جھوٹ کو ایسا فروغ ملا کہ اس کے گناہ ہونے کا تصور بھی عام مسلمانوں کے ذہن سے ختم ہونے لگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یفشوا الکذب۔

(ترمذی ص:۵۶ ج:۲ ابواب الشہادات)

''بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں پھر وہ جوان سے ملیں (اور) پھر وہ لوگ ہیں جوان تابعین سے ملیں گے پھر (اس کے بعد) جھوٹ پھیل جائے گا۔''

اس حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے اس پر مزید تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم اپنی باتوں کا جائزہ لینا شروع کر دیں کہ ان میں کتنی جھوٹی ہوتی ہیں اور کتنی درست؟

جھوٹ کی شاخیں:۔

ہمارے تمام اقوال و اعمال کی بنیاد اس پر ہے کہ وہ واقعہ کے مطابق ہوں' اور جھوٹ ٹھیک اس کی ضد ہے یعنی خلاف واقعہ بات' عمل ظاہر کرنا اور مخاطب کو اس سے فریب دینا جو کہ اخلاق ذمیمہ میں سب سے زیادہ بری اور مذموم عادت ہے کیونکہ انسان کے دل کے اندر کی بات سوائے خدا کے کوئی دوسرا نہیں جانتا کوئی دوسرا شخص کسی کے متعلق اگر کچھ جان سکتا ہے یا باور کر سکتا ہے تو اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ وہ شخص خود اپنی زبان سے یا عمل سے ظاہر کرے' اب اگر وہ اپنی اندرونی صحیح اور واقعہ کے مطابق بات جان بوجھ کر نہیں ظاہر کرتا بلکہ اس کے خلاف ظاہر کر رہا ہے تو وہ ساری دنیا کو دھوکہ اور فریب دے رہا ہے' اور اس آئینہ کو توڑ رہا ہے جس میں حقیقت کا چہرہ نظر آتا ہے۔

یہ ایک عام اور وسیع مفہوم ہے اس کے تحت کئی شعبے ہیں اور یہ سارے کے سارے اپنے اپنے حجم کے اعتبار سے حرام ہیں۔ جھوٹ خواہ عام محاورہ اور روزمرہ کی باتوں میں ہو یا معاملات میں' جھوٹی گواہی ہو یا جھوٹی قسم اس طرح وعدہ خلافی اور بہتان وغیرہ یہ سب بنصوص قطعیہ حرام ہیں۔

جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے:۔

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الانبئکم باکبر الکبائر ثلثاًقالوا بلیٰ یارسول اللّٰہ قال الاشراك باللّٰہ وعقوق الوالدین، وجلس وکان متکئاً فقال الاوقول الزور فمازال یکررھا حتی قلنا لیتہ سکت۔

(بخاری ص:۳۶۲ ج:۱ باب ما قیل فی شہادۃ الزور، مسلم ص:۶۴ ج:۱ باب الکبائر واکبرہا)

''فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تم کو وہ گناہ نہ بتادوں جو بڑے گناہوں سے بھی بڑے ہیں، تین بار یہی فرمایا صحابہؓ نے کہا کیوں نہیں یارسول اللہ (بلکہ ضرور بتلایئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کو ستانا، اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے تشریف فرما تھے آپ تکیہ چھوڑ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے خبردار اور جھوٹی بات کہنا اور بار بار یہ فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے (دل میں) کہا کہ کاش آپ خاموش ہوجاتے۔''

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر تکرار کے ساتھ جھوٹی بات کے کبیرہ ہونے کا تذکرہ فرمایا کہ ہم کو آپ پر ترس آنے لگا کہ ہم کو سمجھانے کے لئے آپ کو کس قدر تکلیف ہورہی ہے۔

وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام وان الکذب یھدی الی الفجور وان الفجور یھدی الی النار وان الرجل لیکذب حی یکتب عنداللّٰہ کذاباً۔

(بخاری ص:۹۰۰ ج:۲ مؤطا مالک ص:۷۳۲)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جھوٹ فجور (گناہ) کی طرف لے جاتا ہے اور فجور دوزخ کی طرف لے جاتا ہے اور آدمی جھوٹ بولتے بولتے خدا کے ہاں جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔''

ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ جس میں آپ نے کئی عجیب وغریب مناظر کا مشاہدہ فرمایا چونکہ انبیاء علیہم السلام کے خواب کی حیثیت بھی وہی ہے جو وحی کی ہے اس لئے اس کو عام لوگوں کے خواب پر قیاس نہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں یہ بھی طے شدہ ہے کہ سچے خوابوں کا تعلق عالم

مثال سے ہے جہاں ہمارا ہر عمل مناسب جسم کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ حدیث تو کافی طویل ہے تاہم اس کا وہ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے جو موضوع سخن سے متعلق ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فاذارجل جالس ورجل قائم بيده كلوب من حديد يدخله فى شدقه حتى يبلغ قفاه ثم يفعل بشدقه الآخر مثل ذالك ويلتئم شدقه هذافيعود فيصنع مثله فقلت ماهذا؟ قالا الذى رايته'يشق شدقه فكذاب يكذب بالكذبة تحمل عنه حتى تبلغ الافاق فيصنع به الى يوم القيامة۔

(بخاری ص:۱۸۵ ج:۱ آخر الجنائز ص:۹۰۰ ج:۲ کتاب الادب باب قول اللہ عزوجل اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین)

''اتنے میں (دو آدمیوں کو دیکھا کہ) ایک بیٹھا ہے اور دوسرا کھڑا ہے جس کے ہاتھ میں لوہے کا گرز (مڑے ہوئے سر کی سلاخ) ہے کہ بیٹھے شخص کی باچھ میں ڈال کر اتنا چیرتا ہے کہ وہ اسکے کندھے تک آ جاتی ہے پھر دوسری باچھ میں ڈال کر ایسا ہی کرتا ہے اتنے میں پہلی والی باچھ جوں کی توں ہو جاتی ہے تو پھر وہ لوٹ کر (بار بار) ایسا ہی کرتا رہتا ہے پس میں نے (ان دو فرشتوں سے جو مجھے لے کر گئے تھے) پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے جواباً کہا کہ جس شخص کو آپ نے دیکھا کہ اس کی باچھیں چیری جاتی تھیں یہ وہ دروغ گو آدمی ہے جو جھوٹ بولتا ہے تو وہ اس کے ذریعے اطراف میں پھیل جاتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ قیامت تک یہ معاملہ (بطور سزا) ہوتا رہے گا۔''

اور ارشاد ہے کہ ہلاکت ہے اس کی جو بات کہے تاکہ لوگوں کو اس سے ہنسائے جھوٹی بات بنا کر تو ہلاکت ہے اس کی ہلاکت ہے اسکی۔

(ترمذی ص:۵۷ ج:۲ باب من تکلم بالکلمۃ لیضحک الناس)

انسانی معاشرت اور باہمی سلوک کا دارومدار چونکہ باہمی اعتماد اور حسن ظن پر ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ سچائی کا بول بالا اور جھوٹ کا منہ کالا ہو ورنہ دروغ گوئی سے آپس کا اعتماد یکسر ختم ہو جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ سکون ختم ہو جاتا ہے اور ہر شخص اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

فضول کلام:۔

اکثر لوگوں کو فضول گوئی کی ایسی عادت ہوتی ہے کہ جہاں بھی بیٹھ جاتے ہیں تو ان کی پوری کوشش رہتی ہے کہ کچھ نہ کچھ بولا جائے اور اس فضول کلام کو اپنا کمال سمجھتے ہیں حالانکہ یہ درحقیقت قابل مذمت اور شیطانی حرکت ہے۔ کہ مناسب بلکہ ضروری تو یہ ہے کہ مجلس کا انعقاد کسی اچھی غرض کے لئے ہو اور اس میں مفید باتیں زبانوں کا مشغلہ بنیں اور جہاں ایسا ممکن نہ ہو تو اس محفل سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیے۔ فضول گوئی سے مجلس فیضان رحمت سے محروم رہتی ہے اس کے برعکس علمی بات چیت اولیاء اور صلحاء کے ذکر اور پند و نصیحت سے حاضرین مجلس پر اللہ کی طرف سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور اطمینان اور سکینہ نازل ہوتا ہے اس لئے فضول کلام سے اجتناب ضروری ہے بلکہ مذکورہ وجوہات کے علاوہ اس میں وقت کا ضیاع بھی تو ہے اور کبھی لاپرواہی میں زبان سے ایسی بات بھی نکل جاتی ہے جس کا خسارہ ناقابل برداشت ہوتا ہے جنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان الرجل یتکلم بالکلمة لایری بھاباساً یھوی سبعین خریفاً فی النار۔

(ترمذی ص:۵۷ ج:۲ باب من تکلم بالکلمة لیضحک الناس)

''بے شک آدمی کبھی ایسی بات کہتا ہے جس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا مگر اس کی وجہ سے وہ آگ میں ستر سال دور چلا جاتا ہے یعنی جہنمی بنتا ہے۔''

اور مسلم کی روایت میں ابعد مابین المشرق والمغرب کے الفاظ ہیں مسلم ص:۴۱۲ ج:۲ باب حفظ اللسان یعنی اس بات کی بناء پر جہنم میں اتنی دور چلا جاتا ہے جتنی دوری مشرق اور مغرب کے درمیان ہے لہٰذا ہر بات کرتے وقت انسان کو سوچنا چاہئے کہ اس بات کا انجام دین و دنیا کے اعتبار سے کیا ہوگا کیونکہ غیر مدبرانہ باتوں کا انجام اکثر دونوں اعتباروں سے خطرناک ہوتا ہے اور عقل کامل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ آدمی کا ہر قدم حرکت و سکون اور ہر بات کی بنیاد حضور قلبی اور حقیقت پر مبنی ہو۔

اس لئے تجربہ ناطق ہے کہ ہوشیار اور حاضر دماغ آدمی اکثر و بیشتر کم بولتا ہے جبکہ بیوقوف شخص اکثر بولتا رہتا ہے کہ اس کو تو نہ اپنی کوئی بات وزن کرنے کی ضرورت ہے اور نہ حساب دینے کی فکر چنانچہ

ارشاد نبوی ہے۔

ہوشیار آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کا ہر وقت احتساب کرتا رہتا ہو یعنی اپنے آپ کو اس قدر قابو میں رکھتا ہو کہ کوئی عمل اور قول بے احتیاطی اور لاپرواہی سے اس سے صادر نہ ہوتا ہو بلکہ وہ ہمہ وقت اپنے اقوال اور اعمال کا جائزہ لیتا رہتا ہو تا کہ اس کا کوئی قول و عمل دین و دنیا کے لئے مضر ثابت نہ ہو جائے۔ (مرقات بتغیر یسیر)

کلام کا پر تکلف انداز:۔

عزت واقعتاً ایک بڑی نعمت ہے بشرطیکہ وہ اللہ کی طرف سے ہو چند روزہ ظاہری عزت مندی فخر کی چیز نہیں لہٰذا اس کے اس طرح درپے ہونا کہ آدمی کوئی موقع ضائع نہ کرے صحیح نہیں۔ مگر بعض لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ تکبر اور تعزز کو بھی عزت سمجھتے ہیں اور اپنی ہر ادا میں تکلف کا پہلو غالب رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی باتوں اور طرز نطق چال چلن وغیرہ سے ٹپکتا رہتا ہے۔

ہمارے سیاسی لیڈر، بعض مہتممین حضرات، خطباء اور وہ لوگ جو جاہ کے متلاشی رہتے ہیں اس مہلک مرض میں گرفتار ہیں۔

حالانکہ یہ چیزیں اللہ کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "نھیناعن التکلف" (رواہ البخاری) ہمیں تکلف سے روکا گیا ہے۔ اور ارشاد ہے۔

اے اللہ میں اور میری امت کے نیک لوگ ہر تکلف کرنے والے شخص سے بیزار ہیں۔

(ابن عساکر فی تاریخہ وہکذا رواہ البیہقی)

یہ لوگ اپنی خداداد صلاحیتوں پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ مقفی اور مشکل الفاظ پر مشتمل جملوں کے بڑے خواہشمند ہوتے ہیں اور گفتگو کے دوران منہ کی ایک خاص کیفیت بنا کر مجلس میں دائیں بائیں مڑتے ہوئے ہاتھوں سے مخصوص انداز میں اشارے کرتے رہتے ہیں تا کہ مجمع کو مرغوب کر کے اپنے قابلیت کو آشکارا کر سکیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ہمارا یہ طرز گفتار شریعت کی رو سے سخت مذموم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ان الفاظ میں مذمت فرمائی ہے۔

ان اللّٰہ یبغض البلیغ من الرجال الذی یتخلل بلسانہ تخلل الباقرۃ بلسانھا۔ (ابوداؤد ج:۲ باب الشدق فی الکلام)

''بے شک اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے آدمیوں میں اس بلیغ (بلاغت میں تکلف کرنے والے) کو جو کلام کو اپنی زبان سے ایسا چباتا ہو جیسے گائے اپنی زبان سے گھاس چباتی ہے۔''

عن جابر ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ان من احبکم الیّ واقربکم منی مجلساً یوم القیامۃ احاسنکم اخلاقاً وان من ابغصکم الی وابعدکم منی یوم القیامۃ الثرثارون والمتشدقون والمتفیھقون۔

(ترمذی ص:۲۲ ج:۲ باب ماجاء فی معالی الاخلاق واحمد فی مسندہ من حدیث ابی ثعلبۃ ص:۱۹۳ ج:۴)

''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ اور سب سے زیادہ قریب وہ ہونگے جو اچھے اخلاق والے ہیں۔ اور مجھے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور سب سے زیادہ مجھ سے دور وہ ہونگے جو زیادہ باتونی، چرب زبان اور تصنع کرنے والے متکبر ہونگے''۔

اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ کلام میں بلبلانا شیطان کی طرف سے ہے تاہم وعظ ونصیحت اور تصنیف کی قافیہ بندی اور زینت پیدا کرنے والے الفاظ اس وعید سے مستثنیٰ ہیں بشرطیکہ مقصد صرف دینی مصلحت ہو ریا، اظہار فصاحت، بلاغت اور طلب جاہ وغیرہ نہ ہو اور نہ ہی مسجع جملوں کی بناوٹ کسی بڑے تکلف اور مبالغہ پر مبنی ہو۔

کیونکہ وعظ اور تصنیف کا اصل مقصد دلوں کو نرم کرنا مخاطبین کو عمل صالح کا شوق دلانا وغیرہ ہوتا ہے اور یہ کام بغیر الفاظ کے نہیں ہوسکتا ہے کہ الفاظ کی بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ البتہ عام محاورات اور روزمرہ کے کلام میں قافیہ بندی، تصنع اور پر تکلف کلام بہرحال شرعاً مذموم ہے۔

(احیاء علوم الدین ص:۱۱۷ ج:۳)

لعنت:۔

بعض لوگوں میں صبر اور برداشت کا مادہ بہت کم ہوتا ہے معمولی سی بات پر بھی گالی گلوچ اور لعن

وطعن سے پرہیز نہیں کرتے انسانی مزاجوں میں یہ بدترین مزاج ہے ہر ایک بات پر لڑنا لوگوں کے لئے بالعموم اور ہمسایہ واہل خانہ کے لئے بالخصوص مستقل دردسر ہوتا ہے ایسے شخص کے خوف شر کی وجہ سے لوگ بظاہر اگر چہ اس کا احترام کرتے ہیں اور اس کی باتوں سے درگذر کرتے ہیں مگر وہ اس کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھے بلکہ یہ اس کی شقاوت ومعصیت کی علامت ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان شر الناس منزلة عندالله يوم القيامة من ودعه او تركه الناس اتقاء فحشه ۔ (مسلم ص:۳۲۲ ج:۲ باب مداراۃ من یتقی فحشہ)

''قیامت کے دن برا ٹھکانہ اس شخص کا ہوگا جسے لوگ اس کی برائی کی وجہ سے چھوڑ گئے ہوں۔''

اللعن اماالحيوان او جماد اوانسان كل ذالك مذموم۔

(احیاء العلوم ص:۱۱۹ ج:۳)

لعنت فحش اور برائی میں سرفہرست ہے کہ اس کا شمار ان الفاظ میں ہوتا ہے جو زبان پر خفیف مگر انجام بد کے اعتبار سے نہایت ثقیل اور وزنی ہوتے ہیں اللہ کی رحمت کا دائرہ بہت وسیع ہے وہ دنیا کے ذرہ ذرہ کو گھیرے ہوئے ہے اس کی رحمت کی چھاؤں ساری کائنات آرام کر رہی ہے مگر لعنت کرنے والا اس شئ کو اپنی لعنت کے زور سے دائرہ رحمتِ خداوندی سے خارج کرنا چاہتا ہے کیونکہ لعنت کے معنی اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی کے ہیں پس اللہ جس کو اپنی رحمت سے خارج نہیں کرنا چاہتا تو اس شخص کا یہ قول اللہ کی مرضی کے خلاف فیصلہ دینے کے مترادف شمار ہوگا جس کی شقاوت اور سنگینی ذی عقل پر مخفی نہیں۔

لعنت کے مستحق شیطان اور وہ کافر ہیں جن کا خاتمہ بالکفر یقینی ہو یا جن پر شرعاً لعنت ثابت ہو یا پھر بلاتعین شخص کسی سنگین جرم کے ارتکاب کی وجہ سے جو اللہ کی رحمت سے دوری کا سبب ہو اس کا فاعل بطور ایجاب کلی یا ایجاب اہمالی کے ہوتا ہے جیسے ہر کافر وظالم یا جھوٹ اور سود خوروں پر اللہ کی لعنت ہو قضیہ شخصیہ کے طور پر کسی شخص پر جس کا حال مبہم ہو یا بظاہر صالح مسلم ہو اسی طرح دیگر موجودات مانند ہوا، پانی وغیرہ پر لعنت کرنا ہرگز جائز نہیں چنانچہ امام غزالی رقمطراز ہیں۔ کسی بھی حیوان یا بے جان چیز اور انسان پر لعنت کرنا مذموم ہے۔

پھر آگے چل کر اسکی دلیل میں فرماتے ہیں۔

لانہ حکم علی اللّٰہ عز وجل بانہ قد ابعد الملعون وذالك غیب لایطلع علیہ غیر اللّٰہ ویطلع علیہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذااطلعہ اللّٰہ علیہ۔

(احیاءعلوم الدین ص:۱۲۰ج:۳)

''اس لئے کہ یہ تو حتمی فیصلہ ہوا (اس بات کا کہ) اللہ نے اس کو رحم سے دور کر دیا حالانکہ یہ تو غیب دانی کا دعوی ہے اور یہ بات بجز خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں البتہ اگر خداوند کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دے تو ان کو بھی اس کا علم ہوسکتا ہے۔''

مزید تفصیل کیلئے احیاءالعلوم دیکھی جاسکتی ہے۔

لعن طعن مسلمان کا شیوہ نہیں:۔

عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایکون المؤمن لعاناً۔

(ترمذی ص:۲۲ج:۲باب ماجاء فی اللعن والطعن)

''حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔''

اور ارشاد ہے۔

ولاتلاعنوا بلعنة اللّٰہ ولا بغضب اللّٰہ ولا بالنار۔

(ابوداؤدص:۳۱۶ج:۲باب فی اللعن کتاب الادب)

''ایک دوسرے پر اللہ کی لعنت نہ ڈالو اور آپس میں یوں نہ کہو کہ تجھ پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور نہ یوں کہو کہ آگ میں جلے۔''

اور حضرت ابوداؤدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ انسان جب کسی پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف پرواز کرتی ہے وہاں اس پر دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں پھر زمین کی طرف اتر جاتی ہے تو زمین کے دروازے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں پھر دائیں بائیں کا

رخ کرتی ہے جب کسی جگہ کوئی راستہ نہیں پاتی تو پھر اس شخص پر لوٹ آتی ہے جس پر لعنت کی ہے اگر وہ لعنت کا مستحق تھا تو اس پر پڑ جاتی ہے ورنہ اس شخص پر آ کر پڑتی ہے جس نے منہ سے لعنت کے الفاظ نکالے تھے۔(ابوداؤدص:۳۱۶ج:۲باب فی اللعن کتاب الادب)

روبرو تعریف کرنا:۔

کسی شخص کی بالمشافہ تعریف کرنا ممنوع ہے تاہم اگر تعریف حقائق پر مبنی ہے اور ممدوح کا کبر عجب میں واقع ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور مدح کرنے والے کی نیت بھی صحیح ہو یعنی ریا اور طلب جاہ وغیرہ اس میں ملحوظ نہ ہو تو جائز ہے مگر ان شرائط کا موجود ہونا آج کل چونکہ نادر قلیل ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ کہ ممدوح کی موجودگی میں اس کی مدح سے گریز کیا جائے۔

اور ایسی ستائش جس میں صداقت نہ ہو بلکہ محض مبالغہ جھوٹ اور خرافات پر مبنی ہو بہر حال واجب الاحتراز ہے۔کیونکہ ایسی تعریفات کم از کم چھ واجب الاجتناب باتوں پر مبنی ہوتی ہیں چار مادح کی جانب میں اور دو ممدوح کے حق میں چنانچہ امام غزالی رقمطراز ہیں۔

والمدح یدخلہ ست آفات اربع فی المادح واثنان فی الممدوح ۔

مدح کرنے سے چھ آفتیں جنم لیتی ہیں چار مادح کی جانب میں اور دو ممدوح کے حق میں پھر اس کی تفصیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''مدح کرنے والے کو جو پہلا نقصان ہوتا ہے وہ جھوٹ بولنا ہے کہ مادح کبھی مدح میں مبالغہ کرتا ہے جس میں جھوٹ لازم آتا ہے۔دوم ریاء کیونکہ وہ ممدوح کو اپنی محبت اور عقیدت کا باور کراتا ہے جو درحقیقت کبھی اس میں موجود نہیں ہوتی ہے اور یہ تو منافقت ہے۔سوم بے بنیاد اور فضول بات کا کہنا کیونکہ وہ کبھی ایسے امور پر تعریف کرتا ہے جس کی حقیقت کا اسے علم نہیں ہوتا ہے۔چہارم ممدوح کبھی فاسق ہوتا ہے اور اپنی تعریف پر خوش ہوتا ہے حالانکہ فاسق کو خوش کرنا مناسب نہیں۔
>
> اور ممدوح کے لئے جو چیز نقصان دہ ہے وہ ایک تو تکبر اور خود پسندی وغیرہ کا پیدا ہونا ہے اور دوسرے اس کے عمل میں فتور کا واقع ہونا ہے یعنی جب وہ اپنی تعریف سنے گا تو اسے اپنے بڑے

آدمی کے باور ہونے کے ساتھ ساتھ نیک عمل میں سستی بھی لاحق ہوجائے گی جس کا وبال اظہر من الشمس ہے۔'' (احیاء علوم الدین ص:۱۵۶ ج:۳)

اور یہی وجہ ہے کہ جب ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوسرے کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا۔

ویحك قطعت عنق صاحبك یقوله مراراً ۔

(بخاری ص۸۹۵ ج:۲ باب ما یکرہ من التمارح مسلم ص:۴۱۴ ج:۲ باب النہی عن المدح الخ)

''ارے تم نے تو اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی اور یہ ارشاد بار بار دہراتے رہے۔''

مطلب یہ ہے کہ تعریف کرنے سے تو آدمی دینی اعتبار سے ہلاک ہوجاتا ہے کہ خود پسندی اور تکبر وغیرہ میں واقع ہونے سے آدمی دین کے کسی مثبت نتیجہ خیز کام کا نہیں رہتا جس طرح گردن کٹنے سے دنیاوی کام کا نہیں رہتا۔

یہ ارشاد تو مادح (مدح کرنے والے) کے لئے ہے دوسری طرف ممدوح کو بھی چاہئے کہ اگر کوئی اس کی تعریف کرے تو وہ ضبط نفس کے جملہ اصولوں پر کاربند رہے اور اپنے عیوب پر نگاہ جمائے کیونکہ آدمی کی قابل ستائش صفات اکثر ظاہر ہوتی ہیں جو دور سے نظر آتی ہیں مگر اس کے عیوب اور مذموم اوصاف مخفی اور مستور رہتے ہیں لہٰذا کوئی شخص ظاہری خوبیوں کی بناء پر اس کی تعریف کرے تو اسے اپنی خامیوں پر نظر غائر کرکے اپنے ظاہر اور باطن کا موازنہ کرنا چاہئے۔ یہ علاج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے آشکارا ہوجاتا ہے۔

اذا رأیتما لمداحین فاحثوا فی وجوههم التراب ۔

(مسلم ص:۴۱۴ ج:۲ باب النہی عن المدح اذا کان فیہ افراط)

''جب تم مدح کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ پر خاک ڈالو۔''

یعنی ان کی تعریف کی کچھ پرواہ نہ کرو کہ خوش ہوکر ان کو انعامات دینے لگو کیونکہ وہ لوگ کسی چیز کے مستحق نہیں بلکہ ان کی اس مدح کی تردید کرو تاکہ ہلاکت سے بچ سکو!

تنبیہ ومعذرت:۔

یہ آفات لسان کا مختصر تعارف اوران کے انجام بد کا اجمالی تذکرہ تھا اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ زبان کی تباہ کاریاں صرف یہی ہیں وبس۔ بلکہ اب بھی کافی مباحث تشنہ بیان ہیں بلک مذکورہ سرخیوں کے ذیل میں بھی بہت سارے مباحث محتاج تفصیل رہ چکے جن کو خوف طوالت کی وجہ سے اشارہ قلم کے سوااور کچھ نہ دیا جاسکا۔

تاہم ان مہلکات کے ذکر کے بعد امید واثق کی جاتی ہے کہ ہوشمند آدمی انکے ضمن میں آیات اوراحادیث کی روشنی میں ان آفتوں سے بچ نکلنے میں بھی کامیاب ہوجائے گا جن کا صراحۃ ذکرنہیں ہوا بشرطیکہ وہ راہ راست کا متلاشی ہو۔

فصل دوم: آنکھوں کے گناہ

آنکھوں کا حال:۔

ویسے تو انسانی بدن کا کوئی عضو اور جز فائدہ اور حکمت سے خالی نہیں کہ انسان کو جن اشیاء کی ضرورت پیش آسکتی ہے اس کو پورا کرنے کا انتظام اللہ نے اس انداز سے فرمایا ہے کہ ہر چیز اپنی اپنی جگہ سو فیصد صحیح فٹ ہے اور مقررہ مدت تک اپنا فرض انجام دے رہی ہے نہ اس کی ترتیب میں غلطی ہوتی ہے اور نہ کمی زیادتی انسان ہو یا حیوان، جماد ہو یا نبات ہر نوع کے لئے ایسا عجیب نظام مرتب فرمایا ہے کہ ان کی حکمتیں زندگی بھر کے غور وخوض کے باوجود کسی عدد پر منتہی نہیں ہوتیں۔

ازاں جملہ آنکھوں کا عجیب وغریب نظام ہے ان کی ہر خصوصیت بہت ساری حکمتوں اور فائدوں کو متضمن ہے یہ نہ صرف یہ کہ بدن کے لئے جاسوس کا کام کرتی ہیں بلکہ جلب منفعت میں بھی مؤثر کردار ادا کرتی ہیں بالفاظ دیگر کہ بدن کو جن اشیاء سے خطرہ لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو بطور حفظ ماتقدم ان کی اطلاع دل ودماغ کو دے دیتی ہیں جہاں سے جوارح کو مناسب حکم دیا جاتا ہے اسی طرح آنکھوں کے ذریعہ منافع بخش اشیاء کے حصول میں غیر معمولی مدد ملتی ہے ان کا شیشے کی طرح صاف اور شفاف ہونا

ان میں سفید چربی اور ان کے ماوراء حس مشترک تک دو پائپ نما رگوں میں مائع مادہ کا ہمیشہ موجود ہونا تصویر کشی کے ایک ایسے عجیب وغریب نظام پر مشتمل ہیں جس کے لئے نہ ریل کی ضرورت ہے نہ سیل کی' ان کی حرکت سریعی ونظر کی تیز رفتاری اور بیضوی شکل کی گولائی سے دیکھنے میں کتنی مدد ملتی ہے اس کے لئے ادنیٰ تامل بھی کافی ہے ان کی پلکوں اور آبرو سے حفاظتی پہرہ کے علاوہ پروں کا کام بھی لیا جا سکتا ہے ان کا سیاہ ہونا سیاہ پلکوں اور سیاہ ابروں میں ملبوس ہونا ضرر سے بچنے کے لئے ہے تا کہ سفید چیزوں کی طرف دیکھنے سے نظر ختم یا کم نہ ہو اور یہی وجہ ہے کہ سرمہ کے استعمال سے نگاہ تیز ہو جاتی ہے کہ اس کی سیاہی میں اضافہ ہوتا ہے ان کے اردگرد سفید پٹی بھی نظر کی تیزی اور اضافہ میں معاون ہے۔ اور ان کی تخلیق سر میں اس لئے کی گئی ہے کہ چراغ وغیرہ کا اونچی جگہ پر رکھنا زیادہ مفید ہوتا ہے دونوں کا ایک سمت اور خط مستقیم پر ہونا جن میں کوئی اونچ نیچ نہیں اور دونوں کے عقب میں مجمع النورین کا ہونا اس لئے ہے تا کہ ایک چیز دو نظر نہ آئے۔ فتبارك الله احسن الخالقين یہ اور مزید بہت ساری حکمتیں جن کا ہمیں علم نہیں اس میں موجود ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آنکھیں اپنی بناوٹ' صفائی' سیاہی' سفیدی' حرکت سریعی محل وقوع اور سیاہ پلکوں اور آبرو میں مستور اور زیر غلاف ہونے کے اعتبار سے بے شمار حکمتوں کا مرکز ہیں۔

(تفسیر روح البیان بتغییر یسیر)

آنکھوں کا فائدہ اور نقصان:۔

آنکھیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے کے لئے بنائی ہیں تا کہ ان کے ذریعے مناظر قدرت باری تعالیٰ کا مشاہدہ کیا جا سکے قرآن کی تلاوت اور کتب شرعیہ کا مطالعہ کیا جا سکے کھانے پینے کی چیزوں کو پہچانا جا سکے نفع نقصان کی اشیاء میں تمیز ہو سکے اور بے شمار نعمتوں کا معائنہ کیا جا سکے وغیرہ وغیرہ۔ مگر اللہ کے بندوں میں شکر گذار لوگوں کی تعداد بہت کم ہے مناسب بلکہ ضروری تو یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمت کی قدر کی جائے اور اس نے جس چیز کی جو ذمہ داری مقرر فرمائی ہے اس سے وہی کام لیا جائے اسی کو شکر کہتے ہیں لیکن عام لوگوں کا حال یہ ہے کہ کفران نعمت سے ان کے دل کو ذرا برابر بھی دکھ نہیں پہنچتا پس وہ اللہ کی نعمتوں

کی ایسی بے قدری اور ناشکری کرتے ہیں گویا اس نعمت کے بارے میں ان سے کوئی سوال ہی نہیں ہوگا اور نہ ان کو اس کا حساب دینا ہے اس لئے یہ اپنے اعضاء کو بجائے عبادت کے معصیت کے کاموں میں مشغول رکھتے ہیں چنانچہ آنکھوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا ہے کہ ان کے ابدی فائدہ کو بیچ کر وقتی منفعت کی خاطر گھاٹے کا سودا کرتے ہیں اور آنکھوں سے اصل کام کے بجائے شہوات کو فروغ دیتے ہیں جس سے آخرت کی تباہی و بربادی کا سامان حاصل ہوتا ہے اس لئے دانشمند شخص کو چاہئے کہ دونوں حقیقتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہوشمندی کا ثبوت دے اور ایسا لائحہ عمل اختیار کرلے جو دین اور دنیا دونوں کے منافع کو متضمن ہو۔

آنکھوں کی خیانت:۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: یعلم خائنة الاعین وماتخفی الصدور۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ آدمی ہے جو لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہو اور وہاں سے کوئی عورت گذرے تو یہ لوگوں سے چرا کے اس کی طرف دیکھے یا وہ شخص ہے جو کسی عورت کو دیکھ رہا ہو اور جب اسے کوئی دیکھے تو یہ اپنی نظر ہٹالے دریں اثنا اگر پھر چپکے سے دیکھنے کا موقع ملے تو یہ پھر اس طرح نظر ڈالے کہ کسی کو محسوس نہ ہو۔

اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص لوگوں سے چرا کے ایسی چیز پر نظر ڈالے جو اس کے لئے حرام اور ناجائز ہو۔

اور امام سفیان اور امام فراء نے فرمایا کہ مراد دوسری نظر ہے۔

(قرطبی ص:۵۷۴۷ ج:۸)

مطلب یہ ہے کہ پہلی نظر چونکہ اکثر غیر اختیاری ہوتی ہے اس لئے اس پر مؤاخذہ نہیں ہے بلکہ وہ معاف ہے مگر نظر جما کر دیکھنا یا دوبارہ دیکھنا اسی طرح بار بار دیکھنا اس کی گنجائش اور اجازت نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہر عورت کو پہلی مرتبہ دیکھنا جائز ہے کیونکہ گناہ کا دارومدار قصد اور ارادہ پر ہے حتی کہ اگر کسی کو معلوم ہے کہ اب اس راستہ سے عورت گذرے گی اور پھر بھی اسے دیکھنے کی غرض سے اس

طرف دیکھ رہا ہے یا بازار میں عورتوں کو دیکھنے کی نیت سے جا رہا ہے الغرض کسی بہانے و حیلے سے عورت کو دیکھنا بنصوص صریحہ حرام ہے۔ چنانچہ ارشاد حقانی ہے۔

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذالك ازکی لھم ان اللّٰہ خبیر بمایصنعون۔ (الآیة)

''کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں اپنی آنکھیں اور تھامے رہیں اپنے ستر کو اس میں خوب ستھرائی ہے ان کے لئے بیشک اللہ کو خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں۔''

یغضوا 'غض سے مشتق ہے جس کے معنی کم کرنے اور پست کرنے کے ہیں (راغب) نگاہ پست اور نیچی رکھنے سے مراد نگاہ کو ان چیزوں سے پھیر لینا ہے جن کی طرف دیکھنا شرعاً ممنوع و ناجائز ہے۔ ابن کثیر ابن حبان نے یہی تفسیر فرمائی ہے اس میں غیر محرم عوتوں کی طرف بری نیت سے دیکھنا تحریماً اور بغیر کسی نیت کے دیکھنا کراہت میں داخل ہے اور کسی عورت یا مرد کے ستر شرعی پر نظر ڈالنا بھی اس میں داخل ہے کسی کا راز معلوم کرنے کے لئے اس کے گھر میں جھانکنا اور تمام وہ کام جن میں نگاہ کے استعمال کرنے کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے اس میں داخل ہے۔

(معارف القرآن ص:۳۹۹ ج:۶)

اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔

بلغنی ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لعن اللّٰہ الناظر والمنظور الیھا۔

(تفسیر مظہری ص:۴۹۱ ج:۶ بحوالہ بیہقی)

''مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھنے والے اور جس عورت کو دیکھا جائے دونوں پر اللہ کی لعنت ہو۔''

اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

النظر سھم من سھام ابلیس مسموم من ترکھامخافتی ابدلتہ' ایماناً یجد

حلاوته فی قلبه ۔

''نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے جو شخص چاہت کے باوجود محض میرے خوف کی وجہ سے اپنی نظر پھیر لے تو میں اس کے بدلے اس کو ایسا پختہ ایمان دونگا جس کی لذت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا۔'' (ابن کثیر اردو ص:۵۶ ج:۳)

مذکرہ بالا آیت اور احادیث سے یہی بات عیاں ہوتی ہے کہ غیر قصدی نظر تو معاف ہے مگر بالفرض اگر اچانک نظر پڑ جائے تو بھی دوبارہ یا نظر بھر کر نہ دیکھنا چاہئے صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نگاہ کے جانے کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا اپنی نگاہ فوراً ہٹالو۔ (مسلم ص:۲۹۲ ج:۲ باب نظر الفجات) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے آپ نے فرمایا علی! نظر پر نظر نہ جماؤ اچانک پڑنے والی نظر تو معاف ہے مگر قصداً معاف نہیں۔ (ابوداؤد ص:۲۹۲ ج:۱ باب مایومر بہ من غض البصر)

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راستوں پر بیٹھنے سے بچو لوگوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کام کاج وغیرہ کے لئے تو بیٹھنا ضروری ہے آپ نے فرمایا اچھا تو راستوں کا حق ادا کرتے رہو انہوں نے کہا وہ کیا؟ فرمایا نگاہ نیچی رکھنا کسی کو ایذاء نہ دینا سلام کا جواب دینا اچھی باتوں کی تعلیم دینا بری باتوں سے روکنا۔ (مسلم ص:۲۱۳ ج:۲ باب من حق الجلوس علی الطریق رد السلام) اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو تم اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو گے اور اپنے منہ سیدھے رکھو گے یا اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں بدل دے گا۔

امرد:۔

(بے ریش لڑکے) کی طرف قصداً نظر کرنا بھی اسی حکم میں ہے اکثر سلف لڑکوں کی گھورا گھوری سے بھی منع کرتے تھے ائمہ صوفیہ میں سے بہتوں نے اس بارے میں بہت سختی کی ہے اہل علم کی جماعت نے اسے مطلقاً حرام کہا ہے اور بعض نے اسے کبیرہ گناہ کہا ہے۔ (ابن کثیر اردو ص:۵۶ ج:۳)

وفی عوارف المعارف قال بقیة ابن الولید کانوا یکرهون النظر الی

الغلام الامرد الجميل وقال عطاء كل نظرة يهواها القلب فلاخير فيها وقال بعض التابعين ماخوف على الشاب التائب من السبع انصارى خوفى عليه من الغلام الامرد يقعد اليه وقال بعض التابعين اللواطة على ثلاثة اصناف صنف ينظرون وصنف يصافحون وصنف يعملون ذالك العمل ۔

(ہدایۃ الابرار ص:۹۰)

''اور عوارف المعارف میں شیخ سروردی نے لکھا ہے کہ بقیہ بن الولید نے فرمایا کے اسلاف بے ریش اور خوب صورت لڑکے کے دیکھنے کو برا مانتے تھے اور حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ ہر وہ نظر جس کو دل چاہے اس میں کوئی بھلائی نہیں اور بعض تابعین کا قول ہے کہ میں توبہ کرنے والے نوجوان کے بارے میں خون خوار درندے سے بھی اتنا نہیں ڈرتا ہوں جتنا مجھے ڈر ہے اس لڑکے سے جو آ کر اس کے پاس بیٹھتا ہے اور بعض کا قول ہے کہ لواطت کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم دیکھنا ' دوسری قسم مصافحہ کرنا اور تیسری قسم یہ قبیح عمل کرنا ہے (یعنی لواطت)۔''

سلف صالحین کی احتیاط:۔

محرمات کی طرف دیکھنا اس صورت میں جائز اور مباح ہے جبکہ کسی شہوت کا اندیشہ اور شبہ نہ ہو ورنہ اگر یہ علت محرمات کے اندر بھی موجود ہو جائے تو وہاں بھی نظر بد سے اجتناب ضروری ہوگا۔ چنانچہ امام قرطبی فرماتے ہیں۔

ولقد كره الشعبى' ان يديم الرجل النظر الى ابنته اوامه اواخته وزمانه خير من زماننا هذا ۔

(تفسیر قرطبی ص:۴۶۱۵ ج:۷)

''امام شعبی نے ناپسند فرمایا ہے کہ آدمی بار بار غور سے نظر بھر کر دیکھے اپنی بیٹی کی طرف یا ماں کی طرف اور یا اپنی بہن کی طرف حالانکہ ان کا زمانہ ہمارے اس زمانے سے بہتر تھا۔''

مطلب یہ ہے کہ جب اسلاف کا حال یہ ہے حالانکہ ان کا زمانہ تو ہمارے پرفتن دور سے بدرجہا

بہتر تھا تو ہمارے دلوں کا کیا حال ہوگا لہٰذا ہم اس احتیاط اور پرہیز کے زیادہ محتاج ہیں۔قارئین خود غور کریں کہ دور حاضر (اور آنے والے زمانہ میں جو ہمارے زمانہ سے بھی زیادہ بدتر ہوگا) میں جب کہ عورتوں کا ہر کردار جنسی جذبات کو بیدار کرتا رہتا ہے کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے آج عورت کا جاذب کردار کسی بازار حسن تک محدود نہیں بلکہ آج تو ننانوے فیصد عورتیں جعلی مگر دلکش حسن کی چیمپئن ہیں یہ نہ محرم سے شرماتی ہیں نہ اجنبی سے بلکہ گھر ہو یا بازار ہر جگہ اپنے جسم کی نمائش کر کے ہر کسی کو اپنا خریدار بنانا چاہتی ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ آج ایسی خبریں بکثرت سننے میں آتی ہیں کہ بھائی باپ کے ہاتھوں بہن اور بیٹی کی آبروریزی کی گئی زمانے کے انقلاب اور فنون کے متلاطم امواج کے پیش نظر فقہاء نے بطور حفظ ماتقدم کے اس پر خصوصی توجہ دی ہے چنانچہ صاحب ہدایہ رقمطراز ہیں۔

فان خافها على نفسه اوعليها تيقناً اوظنًا اوشكاً فليجتنب ذالك بجهده ثم ان امكنها الركوب بنفسها يمتنع عن ذالك اصلاً وان لم يمكنها يتكلف بالثياب كيلاتصيبه حرارة عضوها وان لم يجد الثياب يدفع الشهوة عن قلبه بقدر الامكان ۔

(ہدایۃ ج:۴ص:۴۶۰ کتاب الکراہیۃ)

اگر آدمی کو اپنی ذی رحم محرم عورت کے بارے میں شہوت کا خطرہ درپیش ہو خواہ یہ خطرہ یقینی ہو یا ظنی یا اس کا شک موجود ہو یا عورت کی طرف سے میلان کا خطرہ ہو تو وہ اس عورت کے چھونے سے اجتناب کرے گا پس اگر وہ عورت خود سوار ہو سکتی ہو تو محرم کو چھونے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے گی البتہ اگر وہ سوار نہ ہو سکے تو یہ ہاتھ کپڑے میں لپیٹ کر اسے پکڑ کر اسے سوار کرنے میں مدد کر سکتا ہے (اور کپڑے کا استعمال اس لئے) تا کہ اس عورت کے بدن کی حرارت اس کے ہاتھ تک نہ پہنچے اور اگر کپڑا بھی نہ ملے تو حتی الامکان دل سے شہوت اور خیال کو دفع کر کے اسے سوار کرے (کیونکہ واقعہ سفر کا ہے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں)۔

''ودر مطالب گفتہ کہ مسافرت وخلوت بمحرم روا است اگر ایمن باشند واگر شک یا علم باشد بفتنہ

روانہ (یعنی روانیست)۔'' (ہدایۃ الابرار ۸۹)

اور مطالب میں فرمایا ہے کہ محرم کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے بشرطیکہ خوف فتنہ نہ ہو اور اگر فتنہ میں واقع ہونے کا شک یا یقین ہو تو پھر جائز نہیں۔

ماضی حال اور مستقبل کی عورتوں میں موازنہ کرنے کے بعد مذکورہ بالا تصریحات پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ قارئین خود غور فرمائیں کہ فقہاء کرام کی یہ عبارات کس چیز اور احتیاط کی غمازی کرتی ہیں۔

اس پرفتن دور گندہ ماحول اور مکدر فضاء میں کس کا دل ان تصورات اور شہوات سے خالی ہوسکتا ہے لہٰذا اگر عورت کو مستور کرنے کی قدرت نہیں تو اپنی نگاہ محفوظ کرنے کا اختیار تو ہر ایک کو حاصل ہے۔

حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں ابن آدم اگر تیری زبان تجھ سے ان چیزوں کے بارے میں منازعہ کرے جن کو میں نے تیرے اوپر حرام کیا ہے تو میں نے تیری معاونت دو پردوں (ہونٹوں) سے کی ہے لہٰذا اس زبان پر دونوں کو ضم کردو اور اگر حرام چیزوں میں تیری آنکھیں ضد کرنے لگیں تو میں نے دو پردوں کے ذریعہ تیری مدد کی ہے پس انہیں ضم کردو۔ (تفسیر مظہری ص:۲۶۶ ج:۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر آنکھ قیامت کے دن روئے گی مگر وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کے دیکھنے سے بند رہے اور دوم وہ آنکھ جو خدا تعالیٰ کی راہ میں جاگتی رہے اور سوم وہ آنکھ جو خوف خدا سے روئے گو اس میں سے آنسو صرف مکھی کے سر کے برابر ہی نکلا ہو۔

(تفسیر ابن کثیر اردو ص:۵۶)

انسداد فواحش اور حفاظت عصمت کا ایک اہم باب پردہ نسواں:۔

نظر کی حفاظت میں عورتوں کا باپردہ ہونا ایک اہم حیثیت رکھتا ہے بصورت دیگر وہ سب کچھ ہوگا جو ہمارے سامنے ہے اگر عورت چار دیواری کے مضبوط پردے میں رہے یا کم از کم چادر میں اصول شرعیہ کے مطابق رہنے کا فیصلہ کرے تو مردوں کی نظر اور ان کی عصمت محفوظ ہو جائے گی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او آبائھن او آباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نسائھن او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء ولا یضربن بأرجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن وتوبوا الی اللّٰہ جمیعاً ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون (سورة النور)

''اور کہہ دیجئے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو اور نہ دکھلائیں اپنا سنگار مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر اور نہ کھولیں اپنا سنگار مگر اپنے خاوند کے آگے یا اپنے باپ کے یا اپنے خاوند کے باپ یا اپنے بیٹے کے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کی یا اپنی عورتوں کے یا اپنے ہاتھ کے مال کے یا کاروبار کرنے والوں کے جو مرد کہ جو کچھ غرض نہیں رکھتے یا لڑکوں کے جنہوں نے ابھی نہیں پہچانا عورتوں کے بھید کو اور نہ ماریں زمین پر اپنے پاؤں کو کہ جانا جائے جو چھپاتی ہیں اپنا سنگار اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو! تا کہ تم بھلائی پاؤ۔''

تشریح:۔

اس طویل آیت کے ابتدائی حصہ میں تو وہی حکم ہے جو اس سے پہلی آیت میں مردوں کو دیا گیا ہے کہ اپنی نظر پست رکھیں یعنی نگاہ پھیر لیں۔

مردوں کے حکم میں عورتیں بھی داخل تھیں مگر ان کا علیحدہ ذکر تاکید کے لئے کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو اپنے محرم کے سوا کسی مرد کو دیکھنا حرام ہے بہت سے علماء کا یہ قول ہے کہ غیر محرم مرد کو دیکھنا عورت کے لئے مطلقاً حرام ہے خواہ شہوت اور بری نیت سے دیکھے یا بغیر کسی نیت و شہوت کے دونوں صورتیں حرام ہیں اس پر حضرت ام سلمہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک

روز ام سلمہؓ اور میمونہؓ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں اچانک عبداللہ ابن ام مکتومؓ نابینا صحابی آ گئے اور یہ واقعہ احکام حجاب نازل ہونے کے بعد پیش آیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کو حکم دیا کہ ان سے پردہ کرو ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ تو نابینا ہیں نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں نہ ہمیں پہچانتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو تم ان کو دیکھ رہی ہو۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

اور دوسرے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ بغیر شہوت کے غیر مرد کو دیکھنے میں عورت کے لئے مضائقہ نہیں ان کا استدلال عائشہ صدیقہؓ کی اس حدیث سے ہے جس میں مذکور ہے کہ مسجد نبوی کے احاطہ میں کچھ حبشی نوجوان عید کے روز اپنا سپاہانہ کھیل دکھا رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو دیکھنے لگے اور صدیقہ عائشہؓ نے آپ کی آڑ میں کھڑے ہو کر ان کا کھیل دیکھا اور اس وقت تک دیکھتی رہیں جب تک کہ خود اس سے اکتا گئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہیں روکا۔

اس پر اتفاق ہے کہ نظر شہوت تو حرام ہے اور بلا شہوت نظر کرنا بھی خلاف اولیٰ ہے اور ایک عورت کو دوسری عورت کے مواضع ستر کو دیکھنا بغیر خاص ضرورتوں کے یہ بھی اس آیت کے الفاظ سے حرام ہے۔

مردوں کا ناف سے گھٹنوں تک اور عورتوں کا کل بدن بجز چہرہ اور ہتھیلیوں کے یہ مواضع ستر ہیں تاہم حسن اور زینت کا اصل مرکز چونکہ انسان کا چہرہ ہے اور زمانہ فتنہ وفساد اور غلبہ شہوت کا ہے کسی حسینہ کے چہرہ کو دیکھ کر کوئی انسان آج فتنہ سے بچ نہیں سکتا ہے اس لئے بجز ضرورت شدیدہ جیسے خطرہ شدیدہ وغیرہ کے عورت کو غیر محارم کے سامنے قصداً چہرہ کھولنا ممنوع ہے اور مردوں کو اس کی طرف قصداً نظر کرنا سوائے اعذار شرعیہ کے جائز نہیں۔

(ترجمہ وتشریح از معارف القرآن فی تفسیر سورۃ النور)

اور ارشاد ہے۔

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولیٰ۔

(الاحزاب)

''اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھلانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں''۔

اس آیت میں عورت کو مکمل پردہ کرنے کا حکم ہے یعنی بیٹھو اپنے گھروں میں اور زمانہ قدیم کی جاہلیت والیوں کی طرح نہ پھرو۔

یہاں جاہلیت اولی سے مراد وہ جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے دنیا میں پھیلی ہوئی تھی اس لفظ میں اشارہ ہے کہ اس کے بعد دوسری بھی کوئی جاہلیت آنے والی ہے جس میں اس طرح کی بے پردگی پھیل جائے گی وہ شاید اس زمانہ کی جاہلیت ہے جس کا اب مشاہدہ ہر جگہ ہو رہا ہے اس آیت میں پردہ کے متعلق اصلی حکم یہ ہے کہ عورتیں گھروں میں رہیں یعنی بلا ضرورت شرعیہ باہر نہ نکلیں اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جسطرح اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت کی عورتیں اعلانیہ بے پردہ پھرتی تھیں ایسے نہ پھرو۔

اس آیت سے پردہ کے متعلق دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ اصل مطلوب عنداللہ عورتوں کے لئے یہ ہے کہ گھروں سے باہر نہ نکلیں ان کی تخلیق گھریلو کاموں کے لئے ہوئی ہے ان میں مشغول رہیں اور اصل پردہ جو شرعاً مطلوب ہے وہ گھروں میں رہنا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر بضرورت کبھی عورت کو گھر سے نکلنا ہی پڑے تو زینت کے اظہار کے ساتھ نہ نکلے جیسا کہ آجکل ہوتا ہے کہ مزین برقع پہن کر اعلیٰ قسم کی خوشبو لگا دی اور آنکھوں کے مورچے سے تیر برسانا شروع کئے اعاذنا اللّٰہ من فتنہ النساء۔ (معارف القرآن ص:۱۳۳ ج:)

فصل سوم

ناجائز اور حرام شہوت رانی:۔

ناجائز طریقہ سے شہوت پوری کرنا چونکہ نہایت قبیح عمل ہے اس لئے شریعت مطہرہ میں اس پر سخت حفاظتی قانونی پہرہ بٹھا دیا گیا۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم۔..... وقال اللّٰہ

تعالیٰ وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن۔ (الآیۃ)

''کہہ دیجئے ایمان والوں کو نیچی رکھیں اپنی آنکھیں اور تھامتے رہیں اپنے ستر کو (یعنی شرمگاہوں کو) اور کہہ دیجئے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنے ستر (شرمگاہ) کو۔''

شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ نفسی خواہش پورا کرنے کی جتنی ناجائز صورتیں ہیں ان سب سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں اس میں زنا لواطت اور دو عورتوں کا باہمی سحاق جس سے شہوت پوری ہو جائے' ہاتھ سے شہوت پوری کرنا یہ سب ناجائز اور حرام چیز میں داخل ہیں۔

مراد اس آیت کی ناجائز و حرام شہوت رانی اور اس کے تمام مقدمات کو ممنوع کرنا ہے جس میں سے ابتداء اور انتہا کو تصریحاً فرما دیا باقی درمیانی مقدمات سب اس میں داخل ہو گئے۔ فتنہ شہوت کا سب سے پہلا سبب اور مقدمہ نگاہ ڈالنا اور دیکھنا ہے اور آخری نتیجہ زنا ہے ان دونوں کو صراحۃً ذکر کر کے حرام کر دیا گیا ان کے درمیانی حرام مقدمات مثلاً باتیں سننا ہاتھ لگانا وغیرہ یہ سب ضمناً آ گئے۔

(معارف القرآن ص:۳۹۹ ج:۶)

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من وقاہ اللّٰہ شر مابین لحییہ و شر مابین رجلیہ دخل الجنۃ۔ (ترمذی ص:۶۶ ج:۲ باب ماجاء فی حفظ اللسان)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کو اللہ نے اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان (زبان) کے شر سے بچایا اور دونوں ٹانگوں کے درمیان (شرمگاہ) کے شر سے بچایا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص زبان اور شرمگاہ کو خدا کے فرمان کے ماتحت رکھے میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔

(بخاری ص:۹۵۸ ج:۲ باب حفظ اللسان ابواب الرقاق)

اسلام میں انسداد فواحش کا زریں اصول:۔

فواحش بدکاری زنا اور اس کے مقدمات دنیا کی ان مہلک برائیوں میں سے ہیں جن کے مہلک اثرات صرف اشخاص وافراد کو نہیں بلکہ قبائل اور خاندانوں کو اور بعض اوقات بڑے بڑے ملکوں کو تباہ کر دیتے ہیں اس وقت دنیا میں جتنے قتل وغارتگری کے واقعات پائے جاتے ہیں اگر صحیح تحقیق کی جائے تو اکثر واقعات کے پس منظر میں کوئی عورت اور شہوانی جذبات کا جال نظر آئے گا یہی وجہ ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس میں کوئی قوم کوئی مذہب کوئی خطہ ایسا نہیں جو اس کی برائی اور مہلک عیب ہونے پر متفق نہ ہو دنیا کے اس آخری دور میں یورپین اقوام نے اپنی مذہبی حدود اور قدیم قومی روایات سب کو توڑ کر اگرچہ زنا کو اپنی ذات میں کوئی جرم ہی نہیں مانا اور تمدن ومعاشرت کو ایسے سانچوں میں ڈال دیا ہے جن میں ہر قدم پر جنسی انارکی اور فواحش کو دعوت عام ہے مگر ان کے ثمرات ونتائج کو بھی وہ جرم سے خارج نہ کر سکے عصمت فروشی زنا بالجبر منظر عام پر فحش حرکات کو تعزیری جرم قرر دینا پڑا جس کی مثال اس کے سوا کچھ نہیں کہ کوئی شخص آگ لگانے کے لئے سوختہ کا ذخیرہ جمع کرے پھر اس پر تیل چھڑک کے پھر اس میں آگ لگالے اور جب اس کے شعلے بھڑکنے لگیں تو ان شعلوں پر پابندی لگانے اور روکنے کی فکر کرے یا ہنڈیا پکانے کے لئے اس کے نیچے آگ جلائے پھر اس کے ابال اور جوش کو روکنا چاہے۔

اس کے خلاف اسلام نے جن چیزوں کو جرائم اور انسانیت کے لے مضر قرار دے کر قابل سزا جرم کہا ہے ان کے مقدمات پر پابندیاں عائد کی ہیں اور ان کو ممنوع قرادیا ہے اس معاملے میں مقصود اصلی زنا اور بدکاری سے بچانا تھا تو اس کو نظر نیچی رکھنے کے قانون سے شروع کیا عورتوں مردوں کے بے محاجبہ اختلاط کو روکا عورتوں کو گھروں کی چار دیواری میں محدود رکھنے کی ہدایت کی اور ضرورت کے وقت باہر نکلنے کے لئے برقع یا لمبی چادر سے پورا بدن چھپا کر نکلنے اور سڑک راستہ کے کنارے چلنے کی ہدایت کی خوشبو لگا کر یا بجنے والا زیور پہن کر نکلنے کی ممانعت کی پھر جو شخص ان سب حدود وقیود اور پابندیوں کے حصار کو پھاند کر باہر نکل جائے اس پر ایسی سخت عبرت آموز سزا جاری کی کہ ایک مرتبہ کسی بدکار پر جاری کر دی جائے تو پوری قوم کو مکمل سبق مل جائے۔

اہل یورپ اوران کے مقلدین نے اپنی فحاشی کے جواز میں عورتوں کے پردہ کوعورتوں کی صحت اوراقتصادی اورمعاشی حیثیت سے معاشرت کے لئے مضرثابت کرنے اور بے پردہ کرنے کے فوائد پر بحثیں کی ہیں ان کا مفصل جواب بہت سے علماءاہل عصر نے کتابوں میں لکھ دیا ہے۔اس کے متعلق یہاں اتنا ہی سمجھ لینا بھی کافی ہے کہ فائدہ اورنفع سے تو کوئی جرم وگناہ بھی خالی نہیں' چوری' ڈاکہ' دھوکہ' فریب ایک اعتبار سے بڑا نفع بخش کاروبار ہے مگر جب اس کے ثمرات ونتائج میں آنے والی مہلک مضرتیں سامنے آتی ہیں تو کوئی شخص ان کو نافع کاروبار کہنے کی جرأت نہیں کرتا بے پردگی میں اگر کچھ معاشی فوائد بھی ہوں مگر جب پورے ملک وقوم کو ہزار فتنہ وفساد میں مبتلا کردے تو اس کو نافع کہنا کسی دانشمندی کا کام نہیں ہوسکتا۔

اسلام میں زنا کی روک تھام کا طریق کاراوراعتدال:۔

جس طرح اصول عقائد' توحید' رسالت' آخرت تمام انبیاءعلیہم السلام کی شرائع میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں اسی طرح عام معاصی اورفواحش منکرات ہرشریعت ومذہب میں حرام قرار دیئے گئے ہیں لیکن شرائع سابقہ میں ان کے اسباب وذرائع کومطلق حرام نہیں کیا گیا تھا جب تک کہ ان کے ذریعہ کوئی جرم واقع نہ ہوجائے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام چونکہ قیامت تک رہنے والی شریعت تھی اس لئے اس کی حفاظت کا منجانب اللہ خاص اہتمام کیا گیا کہ جرائم ومعاصی تو حرام تھے ہی مگر ان کے اسباب وذرائع کوبھی حرام قرار دے دیا گیا تو شراب کے بنانے بیچنے اورخریدنے اورکسی کو دینے کو بھی حرام قرار دیا گیا سود کوحرام کرنا تھا تو سود سے ملتے جلتے معاملات کوبھی ناجائز کردیا گیا اس لئے حضرات فقہاء نے تمام معاملات فاسدہ سے حاصل ہونے والے نفع کوسود کی طرح مال خبیث قرار دیا تو اس طرح شرک وبت پرستی کوقرآن نے ظلم عظیم اورنا قابل معافی جرم قرار دیا تو اس کے اسباب وذرائع پر بھی کڑی پابندی لگادی آفتاب کے طلوع غروب اوسط میں ہونے کے اوقات میں چونکہ مشرکین آفتاب کی پرستش کرتے تھے ان اوقات میں نماز پڑھی جاتی تو آفتاب پرستوں کے ساتھ ایک مشابہت ہوجاتی پھر یہ مشابہت کسی وقت خود شرک میں مبتلا ہونے کا سبب بن سکتی تھی اس لئے شریعت نے ان اوقات میں

نماز اور سجدہ کو ممنوع قرار دیا بتوں کے مجسمات اور تصویریں چونکہ بت پرستی کا قریبی ذریعہ تھیں اس لئے بت تراشی اور تصویر سازی کو حرام اور ان کے استعمال کو ناجائز کر دیا گیا۔

اسی طرح جب زنا کو حرام قرار دیا تو اس کے تمام اسباب قریبہ اور ذرائع کو بھی محرمات میں داخل کر دیا چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

ولاتقربوا الزنا انه کان فاحشة وساء سبیلاً۔

''اور زنا کے پاس نہ جاؤ بے شک وہ ہے بے حیائی اور بری راہ ہے۔''

یعنی زنا کرنا اتنی سخت چیز ہے کہ اس کے پاس اور قریب بھی مت جاؤ زنا کرنا تو درکنار گویا لاتقربوا میں مبادی زنا سے بچنے کی ہدایت کر دی گئی کہ اس کے ذرائع سے بھی بچتے رہو کہ وہ بھی حرام ہیں لہٰذا کسی اجنبی مرد یا عورت پر شہوت سے نظر ڈالنے کو آنکھوں کا زنا قرار دیا' اس کا کلام سننے کو کانوں کا' اس کے چھونے کو ہاتھوں کا' اس کے لئے جدوجہد میں چلنے کو پاؤں کا زنا گردانا جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے انہی جرائم سے بچنے کے لئے عورتوں کے واسطے پردہ کے احکام نازل ہوئے۔

مگر اسباب وذرائع کا قریب وبعید ایک طویل سلسلہ ہے اگر دور تک اس سلسلے کو روکا جائے تو زندگی دشوار ہو جائے اور عمل میں بڑی تنگی پیش آ جائے جو اس شریعت کے مزاج کے خلاف ہے قران کریم کا اس کے بارے میں کھلا ہوا اعلان یہ ہے کہ ''ماجعل علیکم فی الدین من حرج'' یعنی دین میں تمہارے اوپر کوئی تنگی نہیں ڈالی گئی۔

اس لئے اسباب وذرائع کے معاملے میں یہ حکیمانہ فیصلہ کیا گیا کہ جو افعال واعمال کسی معصیت کا ایسا سبب قریب ہوں کہ عام عادت کے اعتبار سے اس کا ارتکاب کرنے والا اس معصیت میں ضرور مبتلا ہو ہی جاتا ہے ایسے اسباب قریبہ کو شریعت اسلام نے اصل معصیت کے ساتھ ملحق کر کے ان کو بھی حرام کر دیا۔

اور جو اسباب بعیدہ ہیں کہ ان کے عمل میں لانے سے معصیت میں مبتلا ہونا عادۃً لازم تو نہیں مگر کچھ نہ کچھ دخل معصیت میں ضرور ہے ایسے اسباب وذرائع کو مکروہ قرار دیا۔ اور جو اسباب ان سے بھی

زیادہ ابعد اور دور ہیں کہ معصیت میں ان کا دخل شاذ و نادر ہے ان کو نظر انداز کر کے مباحات میں داخل کر دیا تا کہ معاشی صورت حال نہ بگڑے۔

(معارف القران ص:۲۰۴ ج:۷)

اس حکیمانہ اصول کو نظر انداز کرنے کا انجام:۔

اس حکیمانہ فیصلہ سے سب انسانوں کو بشمول امریکہ و یورپ کو فائدہ اٹھانا چاہئے تھا کہ اللہ کے احکامات کی حکمت سے کوئی شخص، کوئی قوم مستثنیٰ نہیں مگر اپنے علم، عقل اور حیثیت سے بلند و بالا دعویٰ کرنے والے انسان نے جب بھی اس زریں اصول کو پس پشت ڈالنے کی کوشش کی ہے یا اس پر عملی تجربہ کیا ہے تو وہ نہ صرف یہ کہ اس جرم کا مرتکب ہوا ہے بلکہ اس کے ذریعے تباہی کی پرخار وادی میں جا پہنچا ہے۔

اس کیلئے ہمیں ماضی بعید کے تاریخی وقائع دہرانے کی ضرورت نہیں بلکہ موجودہ یورپ اور امریکہ کی درخشاں مثال ہمارے سامنے ہے۔

انہوں نے اولاً چار دیواری توڑ کر عورت کو باہر نکالا پھر چادر پھاڑ دی تو شہوت میں ہیجان شروع ہوا پھر مخلوط تعلیم شروع کی اس سے ہیجان مزید بڑھ گیا پھر اور آگے بڑھے تو بوس و کنار کرنے لگے جس کا منطقی نتیجہ زنا میں واقع ہونا تھا تو نہ صرف یہ کہ زانی بن گئے بلکہ جانوروں کی طرح یا ان سے بھی زیادہ بے شرم بن گئے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب ادام اللہ ظلہ نے اپنے سفر نامہ میں امریکہ کے اس پہلو کا یوں جائزہ لیا ہے۔

> ''جہاں تک ان لوگوں کے جنسی طرز عمل کا تعلق ہے اس کے مناظر دیکھ کر حیرت ہو جاتی ہے کہ وہی قوم ہے جس کی شرافت و اخلاق کے مظاہرے ہم دوسرے شعبوں میں دیکھ کر آئے ہیں صرف تفریح گاہوں پر ہی نہیں بارونق سڑکوں پر ہجوم بازاروں میں ٹرینوں اور بسوں میں اور پبلک مقامات پر سر عام بوس و کنار اور جنسی التذاذ ایک عام بات ہے جس کے پانچ سات مناظر دن بھر میں خواہی نخواہی نظر آ ہی جاتے ہیں۔ عورتوں کے لئے عریانی عیب تو کیا ہوتی شاید مایہ افتخار سمجھی جاتی ہے کپڑے نام کی جو چند تہمتیں ہوتی ہیں ستر پوشی کے نقطہ نگاہ سے ان کا بھی کوئی

مصرف سمجھ میں نہیں آتا اور خاص مواقع پر بالکل برہنگی میں بھی چنداں مضائقہ نہیں سمجھا جاتا۔ جگہ جگہ Nude dancers (مادرزاد رقاصائیں) کے بورڈ بڑے فخر سے لگے نظر آتے ہیں قحبہ خانوں کے اشتہار مجالس حسن کے نام سے برسر بازار تقسیم ہوتے ہیں نیویارک کے ایک بازار میں گذرتے ہوئے ایک شخص نے ایک اشتہار ہم جیسوں کے ہاتھ میں بھی تھمادیا جس میں چند برہنہ تصویریں کے ساتھ جلی حروف میں لکھا تھا Play with our bodies یعنی ہمارے جسموں سے کھیلئے اور اس اشتہار میں جو کچھ لکھا تھا اسے ایک شریف آدمی کے لئے پڑھنا بھی مشکل ہے غرض یہ کہ جنسی طرز عمل کے لحاظ سے یہ قومیں بلامبالغہ کتے بلیوں کی سطح تک پہنچ چکی ہیں۔

پھر حیرت اور عبرت کا انتہائی مقام یہ ہے کہ جس معاشرے میں عورت اتنی سستی اور اس سے لذت حاصل کرنا اتنا آسان ہو جہاں عورت سے لطف اندوز ہونے کے لئے خلوت بھی ضروری نہ ہو اور جہاں زنا بالرضا کو صرف قانونی طور پر ہی نہیں بلکہ سماجی اور عقلی اعتبار سے بھی کوئی عیب نہ سمجھا جاتا ہو ٹھیک اسی معاشرے میں زنا بالجبر (زبردستی) کی اتنی وارداتیں ہوتی ہیں کہ الامان۔

زنا کے علاوہ ہم جنسی کا رجحان انتہائی تیزی سے بڑھ رہا ہے اور باہمی رضامندی ہو تو اس انسانیت سوز بدمزاجی میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا ہمارے قیام کے دوران نیویارک ٹائمز میں ایک بحث ''ہم جنسی'' کے موضوع پر چل رہی تھی ہم نے سمجھا کہ اس کے جواز وعدم جواز کی بحث ہوگی لیکن پڑھ کر معلوم ہوا کہ یہ مرحلہ گذر چکا ہے اب یہ بات تو طے ہو چکی ہے کہ اس بداخلاقی میں فی نفسہ کوئی قباحت نہیں البتہ بحث یہ ہے کہ اس عمل میں کالے گورے کے درمیان کوئی امتیاز برتا جائے یا نہیں۔'' (جہاں دیدہ ص: ۴۸۷ تا ص: ۴۸۹)

قارئین یہ حال تو آج سے تقریباً اٹھارہ سال پہلے کا ہے آج جبکہ تعیش کا بازار پوری دنیا میں بشمول اسلامی دنیا میں گرم ہے امریکہ اور یورپ کی صورت حال کیا ہوگی اس کا صحیح جواب تو وہ دے سکتا ہے جس کو یورپی بازار اور ہوٹلوں وغیرہ سے واسطہ پڑا ہوتا ہم کچھ نہ کچھ اندازے ان کے ٹی وی، وی سی آر اور عالمی ذرائع ابلاغ وغیرہ سے ہو جاتے ہیں کہ اس قوم کی تباہی کا وقت زیادہ دور نہیں۔

ان کو اس بداخلاقی اور ہلاکت کے بحر بے ساحل میں کس نے دھکیلا اس کا جواب ظاہر ہے کہ جب انہوں نے ذرائع زنا سے بچنا ضروری نہ سمجھا اور اسکی طرف ایک دو قدم آگے بڑھے تو شہوت کی تند

ہوا نے ان کو کسی منزل پر ٹھہرنے نہیں دیا۔

اب ان کے لئے واپسی تو ممکن نہیں البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ پوری قوم صفحۂ ہستی سے مٹ جائے اور نئی نسل قوم آ کر اس سرزمین پر عورت کے گرد مضبوط حصار سے اس کی عصمت کی حفاظت کر کے اس سیاہ باب کو مقفل کر دے۔

زنا کے بھیانک نتائج:۔

زنا اس اعتبار سے تو قابل تحسین عمل ہے کہ اس سے جسم کے تمام اعضاء واجزاء لطف اندوز ہوتے ہیں اس سے آنکھیں بھی لذت اندوز ہوتی ہیں کان بھی' زبان بھی' ہاتھ بھی' اور دوسرے اعضاء کے علاوہ دل ودماغ کو بھی وقتی چین وسکون ملتا ہے شہوانی محرکات اور جذبات بھی ساکن ہو جاتے ہیں اس لئے جنسی التذاذ میں اس کا مقابلہ کرنے والی کوئی چیز دنیا میں موجود نہیں یہ ام اللذات ہے اور شہوت پوری کرنے کا وسیع باب ہے۔

مگر دانشمندوں اور عقلمندوں کا شیوہ اور شعار یہ تو نہیں کہ کسی چیز کی چند حکمتیں اور فائدے دیکھ کر فوراً اس پر عمل شروع کریں بلکہ وہ ہوشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے اس کا ہر پہلو سے جائزہ لیتے ہیں اور مکمل تحقیق کے بعد جو نتیجہ سامنے آئے اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

اہل یورپ نے غلطی یہ کی ہے کہ انہوں نے زنا کا سرسری جائزہ لینے کے بعد عجلت پسندی اور عاقبت نااندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے اسے قانونی شکل دیدی اور تصویر کے دوسرے رخ سے مکمل غافل رہے نہ تو انہوں نے اسکے دنیاوی نقصانات کا بغور جائزہ لیا اور نہ اس کے اخروی نتائج کا مطالعہ کیا۔

اس لئے یہاں دونوں اعتبار سے ایک مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے تا کہ ناظرین زنا کے فوائد اور نقصانات کا موازنہ کر کے از خود فیصلہ کر سکیں۔

زنا کے دنیوی نقصانات:۔

اگر زنا سے جرم کی قید اور پردہ ہٹا دیا جائے اور عام عادات کی طرح اس کو بھی مباح اور جائز قرار دیا جائے تو یہ بہت سے نقصانات کو جنم دیتا ہے۔

مثلاً نمبر۱:۔ پہلا نقصان تو ''قرار علی ما عنہ الفرار'' ہے یعنی جس چیز سے بھاگنا تھا بالآخر اس کے پاس جا کے پھر کھڑے ہوئے مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں اور حکومتوں نے اس کی آزادانہ یا بے عتابانہ اجازت دی ہے تو ان کا مقصد جنسی جذبات کو تسکین پہنچا کر قلبی بے چینی کو ختم کرنا تھا مگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہے کیونکہ پوری پوری رات بلکہ پورا پورا ماہ نوجوان بیٹی کا گھر سے اس طرح غائب ہونا کہ موت اور حیات کی کوئی خبر نہ ہو آشنا کے دل کے لئے اگرچہ باعث راحت ہے مگر ماں باپ کے لئے یقیناً ایک پریشان کن اور کھٹن مرحلہ ہے۔

نمبر۲:۔ اگر کسی لڑکی کے ایک سے زائد آشنا ہوں تو اس صورت میں اس کی جان خطرے میں پڑ سکتی ہے۔اس کی روک تھام کے لئے انہوں نے زنا بالجبر کو جرم قرار دیکر عیب پوشی کی کوشش کی ہے لیکن یہ قانون بنظر غائر بعید از قیاس ہے کیونکہ بقول ان کے جب زنا شہوت رانی کا ایک لطیف انداز اور معیاری طریقہ ہے اور یہ مقصد کسی دوسرے ذریعہ سے صحیح معنوں میں پورا بھی نہیں ہو سکتا ہے تو پھر یہ مشتہی کا حق بنتا ہے چاہے وہ اسے بارضا حاصل کرے یا بالجبر لہٰذا یہ غلطی اور جرم لڑکے کا نہیں بلکہ لڑکی کا ہے کہ راضی نہیں ہو رہی ہے۔لڑکا تو اپنا حق مانگ رہا ہے لہٰذا حق اسے ملنا چاہئے۔اس کے جواب میں اگر یہ لوگ کہیں کہ یہ حق دراصل دونوں کے درمیان مشترک ہے لہٰذا مرد اسے بدون رضامندی شریک کیسے حاصل کر سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حقوق مشترکہ میں قانون یہ ہے کہ اختلاف کی صورت میں اس حق کو تقسیم کیا جاتا ہے لہٰذا صورت مذکورہ میں مرد کو بالکل محروم کرنا قانون عامہ کی خلاف ورزی ہوگی اور اگر وہ لوگ یہ توجیہ پیش کریں کہ یہ صرف عورت کا حق ہے وہ اس میں مکمل مختار ہے یہ اس کی رضامندی پر ہے کہ وہ جس سے چاہے تعلق خاصہ قائم کرے مرد کی رضا مطالبہ وغیرہ اس میں دخیل نہیں تو میں کہتا ہوں کہ پھر مرد کی شامت آئی کہ عورت (بیوی) جب بھی چاہے گی تو مرد (شوہر) سے اپنا حق روکے گی اور مرد یعنی شوہر کو اس پر ذرا برابر جبر کا حق نہ ہوگا جیسا کہ یورپ اور امریکہ میں ہوتا ہے اور اس صورت حال سے خاندانی امور اور بچوں کی پرورش و کفالت وغیرہ پر منفی اثر کا مرتب ہونا اظہر من الشمس ہے مزید بریں اس طرح میاں بیوی دونوں کی زندگی متزلزل ہو کر رہ جائے گی کہ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں

کسی قسم کے فیصلے سے قاصر ہونگے اور تسلط سارا عورت کے ہاتھ میں چلا جائے گا کیونکہ عورت اپنے فطری مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے قوت برداشت کی صلاحیت سے محروم ہوتی ہے لہٰذا وہ شوہر کی کسی بھی ناگوار خاطر بات پر کسی بھی وقت شوہر سے اپنا یہ حق ہمیشہ کیلئے منقطع کرسکتی ہے جو خوشحال معاشرت اور آسان اور پر لطف زندگی کیلئے کسی طرح بھی موزوں ومناسب نہیں جیسا کہ ان ممالک میں بہت سارے لوگ اس طرز زندگی سے تنگ آکر زندگی پر موت کو ترجیح دے کر خودکشی کر لیتے ہیں گویا ان کو اپنی زندگی سے جہنم عزیز تر ہوتی ہے جس سے ان کی پریشانی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اعاذنا اللّٰہ منھا

نمبر۳:۔ زنا جب غیر مرد کے لئے جائز ہو تو محرم کے لئے بھی جائز ہونا چاہئے اور پھر کسی محرم کی تخصیص کی وجہ بھی نہیں بلکہ باپ بھائی اور بیٹا وغیرہ سب اس میں برابر کے شریک ہونگے جیسا کہ روس وغیرہ بعض ملکوں میں ہوتا ہے اور یہ وہی عمل ہے جس کے نتیجے میں جہاد افغانستان شروع ہوا اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ شہید قتل اور زخمی ومعذور ہوئے اور تادم تحریر یہ سلسلہ جاری ہے اور ختم ہونے کا امکان بھی بظاہر مضمحل ہے یہ طویل المیعاد معرکہ اس وقت شروع ہوا کہ روس کے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے پڑھ کر بعض افغان نوجوانوں نے آکر اپنے غیور ماں باپ کے سامنے اپنی ہمشیراؤں وغیرہ محرمات سے بیاہ کرنے کا ارادہ ظاہر کر دیا اور بڑی بے باکی اور فخر سے اس نظریہ کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جس پر غیور مسلمانوں کے جذبات حمیت ایمانی اور انسانی غیرت قابو سے باہر ہوگئی بالآخر علماء کو اعلان جہاد کرنا پڑا۔

نمبر۴:۔ زانی اگر کسی کی حرمت سے کھیل سکتا ہے تو دوسرے کو بھی اس کی اجازت ملنی چاہئے کہ اس کی محرمات کی عصمت دری کرے اس طرح انسانوں اور جانوروں میں فرق ختم ہوجائے گا علاوہ ازیں کسی غیرت مند شخص کی غیرت اس بات کو کہاں گوارا کرسکتی ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ:

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے زنا کی اجازت دیجئے حاضرین نے اسے ڈانٹ پلائی کہ (پیغمبر خدا کے سامنے ایسی گستاخی؟) خبردار چپ رہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ میرے قریب آؤ وہ قریب آکر بیٹھا تو آپ نے فرمایا کیا یہ حرکت تو اپنی ماں بیٹی بہن، پھوپھی، اور خالہ میں سے کسی کی نسبت پسند کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ خدا مجھ کو آپ پر

قربان کرے ہرگز نہیں۔ آپ نے فرمایا دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپیوں اور خالاؤں کے لئے یہ فعل گوارا نہیں کرتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ الٰہی اس کے گناہ کو معاف فرما اور اس کے دل کو پاک اور شرمگاہ کو محفوظ کردے ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ اس دعا کے بعد اس شخص کی یہ حالت ہوگئی کہ کسی عورت وغیرہ کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔ (تفسیر عثمانی بحوالہ مسند احمد)

نمبر۵:۔ زنا سے انساب میں گڑبڑ ہوتی ہے جس کے بہت سے نقصانات ہیں مثلاً باپ کی فطری خصلتیں اولاد میں بطور وراثت منتقل ہوتی رہتی ہیں مگر زنا کی وجہ سے نئی نسل ان خوبیوں سے محروم ہوجاتی ہے اور اس کے برعکس ان کے اندر ایسے مذموم اوصاف سرایت کر جاتے ہیں جو انسانیت کے لئے نقصان دہ ہوتے ہیں۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اہل مغرب کتے اور گھوڑے کے اصلی اور صحیح النسل ہونے کے تو قائل ہیں مگر انسان کے اصیل النسل ہونے کی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ انسان کو نسب برقرار رکھنے کی ضرورت حیوانات سے زیادہ ہے۔

نمبر۶:۔ ولد الزنا اور حرامی النسل آدمی کو اپنے باپ کا پتہ نہیں ہوتا ہے لہٰذا اس کے لئے رسمی باپ کی حیثیت دوستانہ تعلقات سے زیادہ کچھ نہیں ہوسکتی اور اسکا انجام یہ ہوتا ہے کہ ان کی باہمی محبت فطری نہیں بلکہ خسیس اغراض پر مبنی ہوتی ہے لہٰذا جب تک ان کے ایک دوسرے سے مفادات وابستہ ہوں تو وہ باہمی رہن سہن کو تو گوارا کرتے ہیں مگر جب ایک محتاج ہو تو دوسرے کی لاپرواہی کی پھر کوئی منزل نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ ایسے ممالک میں جہاں زنا کا رواج عام ہے افراد خانہ میں سے ہر ایک اپنے ہاتھ کی کمائی کے سہارے زندگی بسر کرتا ہے کہ کسی کو اعتماد نہیں ہوتا کہ مشکل وقت میں کوئی میری مدد کر سکے گا۔

اور یہ کوئی مفروضہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف مزید تحریر فرماتے ہیں۔

''ظاہری اخلاق کے اس معیار کے باوجود جس کا مختصر تذکرہ اوپر کیا گیا ہے خاندانی تعلقات کا نظام درہم برہم ہے اور رشتہ داروں کے ساتھ محبت والفت کے تقاضے نایاب ہوتے جارہے ہیں

امریکی معاشرے میں بڑھاپا موت سے بدتر عذاب ہے بوڑھوں کے لئے الگ مراکز قائم ہیں جہاں ان کے کھانے پینے کا انتظام تو ہوتا ہے لیکن وہ اس محبت کو ترستے ہیں جو صرف خون کے رشتے کی خاصیت ہے بڑے بڑے مالدار لوگوں کے ماں باپ ان مراکز میں بے چارگی کے ساتھ موت کا انتظار کرتے ہیں اور ان کی اولاد مہینوں میں بلکہ بعض اوقات سالوں میں ان سے ملنے نہیں ہوتی اور جو بوڑھے گھر پر رہ جائیں انہیں کوئی بات کرنے والا نہیں ملتا ایسے بوڑھوں کی طرف سے باقاعدہ اشتہارات شائع ہوتے کہ ہم سے فلاں پتہ پر مل کر گھنٹہ بھر بات کیجئے اور اس ہمدردی کا بسا اوقات معاوضہ بھی پیش کیا جاتا ہے تنہائی سے اکتائے بوڑھے بعض اوقات بے مقصد لوگوں کو فون کرتے رہتے ہیں تاکہ کچھ دیر کسی سے بات کر سکیں۔

(جہاں دیدہ ص:۴۸۹)

نمبر۷:۔ علاوہ ازیں زنا کا صحت پر کتنا اثر پڑتا ہے اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ امثال بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کی گئیں ورنہ زنا کے مفاسد میں غور کرنے سے حقیقت زیادہ منکشف ہو جاتی ہے۔

تو کیا یہ نقصانات زنا کو ممنوع اور جرم قرار دینے کو مقتضی نہیں؟ خصوصاً جبکہ زنا سے زیادہ فوائد زیادہ منافع جائز اور شرعی نکاح کے ذریعے پورے اطمینان کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں تاہم اگر کسی کی خواہش ایک نکاح سے پوری نہیں ہو سکتی تو وہ دو کر لے، تین کر لے، چار بھی کر سکتا ہے جو آخری حد ہے اور اس کے بعد اگر کسی کو زنا کرنے کا شوق رہے تو اس کی مثال اس شخص کے جیسی ہوگی جو باوجود اس کے کہ اپنے گھر میں ہر چیز کی فراوانی ہو جا کر کسی کے گھر میں نقب لگا کر سامان وغیرہ کی چوری کرتا ہے۔

۸۔ اس پر مستزاد عورت کے لئے بھی یہ نہایت نقصان دہ عمل ہے کہ زنا سے عورت کی قدر میں غیر معمولی کمی واقع ہو جاتی جن قوموں میں اس کا جرم جلی ہے وہاں تو اس کی سزا کتے کی موت سے بھی بدتر ہے اگرچہ ان میں سے اکثر سزائیں یہ لوگ از خود مقرر اور نافذ کرتے ہیں تاہم شریعت میں اس بارے میں نسبتاً نرمی ہے کہ اس کی سزا ہر صورت میں موت نہیں بلکہ چند شرائط پر مبنی ہے جو اپنے محل میں بیان کی جاتی ہے۔

لیکن جہاں زنا اور عریانی کو حقوق نسواں اور زندگی کا اہم پہلو تصور کیا جاتا ہے وہاں بھی عورت کی کما حقہ اور خاطر خواہ قدر نہیں کی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک فطری عمل ہے کہ ہر نفع بخش چیز اپنی نایابی اور ناپیدگی کی وجہ سے مطلوب کل اور دلعزیز بن جاتی ہے یہ سونا چاندی وغیرہ جواہر کتنے پسندیدہ تصور کئے جاتے ہیں یہ بات سب پر عیاں ہے۔

اس کے برعکس اگر کسی چیز کی اتنی کثرت ہو جائے جس کے حصول کے لئے نہ مشقت اور زحمت برداشت کرنے کی ضرورت ہو نہ پیسے دینے کی اور نہ ہی اس پر کوئی قانونی پہرہ مقرر ہو تو اس سے دل ہمیشہ وابستہ نہیں رہتا بلکہ وہ صرف ضرورت کے موقعوں پر استعمال کی جاتی ہے اور جب جی بھر جائے تو اسے بے دردی کے ساتھ زمین پر پھینک دیا جاتا ہے۔ یہ پانی مدار زندگی ہے مگر اپنی بہتات کی وجہ سے اتنا بے قدر ہو گیا کہ جب بھی پینے کے بعد تھوڑا سا بچے تو اسے ذخیرہ کرنے کے بجائے پھینک دیا جاتا ہے۔

یہی حال مغربی عورت اور ان خواتین کا ہے جن کی عفت اور جسم سے لوگ کھلونے کی طرح کھیلتے ہیں۔

مغربی معاشرے میں سب سے زیادہ قابل رحم حالت عورت کی ہے اس بے چاری کو جس طرح بے وقوف بنا کر اس کے ساتھ جو فراڈ کھیلا گیا ہے اس کا اندازہ تو پہلے بھی تھا لیکن ان مغربی ممالک کو آنکھوں سے دیکھنے کے بعد اس کی زار و زبوں حالت پہلے سے کہیں زیادہ واضح ہو گئی کہنے کو تو کہا یہ گیا ہے کہ ہم عورت کو مرد کے دوش بدوش لانا چاہتے ہیں لیکن عملاً یہ ہوا ہے کہ معاشرے میں جتنے نچلے درجے کے کام ہیں وہ تمام تر نہ سہی عورت کے حوالے ہیں اس دوران ہمیں دسیوں ہوٹلوں میں جانے کا اتفاق ہوا وہاں مرد بیرا شاذ و نادر ہی نظر آیا عام طور سے یہ خدمت عورتوں ہی کے سپرد ہے دوکانوں پر سودا بیچنے کا کام بھی اکثر و بیشتر عورتیں ہی کرتی ہیں ہوٹلوں کے ڈیسک پر عموماً عورتیں نظر آتی ہیں جہاز کا پائلٹ یا کیپٹن تو مرد ہو گا لیکن مسافروں کی خدمت اور ناز برداری کا فریضہ عورتوں کے سپرد ہے دنیا کی کسی چیز کا اشتہار عورت کے بغیر ناممکن سا ہے اور ہر وہ کاروبار جس میں عام لوگوں سے واسطہ پڑتا ہو اس کی انجام دہی عورت کے سپرد ہے اور پھر یہ نہیں کہ گھر سے باہر کے یہ فرائض انجام دینے کے بعد عورت کو امور خانہ داری

سے چھٹی مل گئی ہو گھر کی دیکھ بھال اور بچوں کی نگہداشت بھی عام طور سے بدستور اسی کے سپرد ہے بلکہ اس آزادی کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ گھر کے جن کاموں کا تعلق باہر سے ہے مثلاً اشیاء ضرورت کی خریداری وغیرہ بھی عورت کے فرائض میں داخل ہے بعض عورتیں دفتر کی ڈبل ڈبل ڈیوٹی کرنے کے بعد بھی گھر پہنچ کر کھانا تیار کرنے گھر کی صفائی اور بچوں کی نگہداشت کے فرائض انجام دیتی ہیں پھر اس کا سماجی رتبہ یہ ہے کہ جس مرد کا دل چاہے اس کا دل لبھا کر اس سے دوستی پیدا کرے اور جب تک دل چاہے اس کی قربت سے برسر عام لطف اندوز ہو اور جب اس سے جی بھر جائے تو اسے چھوڑ کر کسی اور سے راہ و رسم پیدا کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مغربی مرد عورت سے قدم قدم پر لطف اندوز بھی ہونا چاہتا ہے اس کے ذریعے اپنی تجارت بھی چمکانا چاہتا ہے لیکن اس کی کوئی ذمہ داری اٹھانے کے لئے تیار نہیں اور اس خود غرضانہ فراڈ کو سند جواز دینے کے لئے اس کا نام تحریک آزادی نسواں رکھ دیا ہے۔

دعوی تو یہ کیا گیا ہے ہم عورت کو مرد کے دوش بدوش کھڑا کرنا چاہتے ہیں اسے اعلیٰ مناسب تک لے جانا چاہتے ہیں لیکن عملاً ہوا یہ کہ عموماً معاشرے کے تیسرے درجے کے کام عورت کے حوالے ہیں اور اعلی مناسب پر بدستور مرد ہی کا تسلط ہے مغربی ممالک کا ایک سرسری جائزہ لے کر ہی دیکھ لیجئے کہ وہاں کتنی عورتیں صدر، وزیر اعظم یا سربراہ مملکت کا عہدہ حاصل کر سکی ہیں؟ کابینہ عورتوں کا تناسب کیا ہے؟ اسمبلی اور سینٹ میں مردوں کے مقابلے میں ان اعلی مناسب پر فائز عورتوں کی تعداد شاید پچیس تیس سے زائد نہ ہو لیکن ان چند عورتوں کو اعلی مناسب تک پہنچانے کی خاطر لاکھوں عورتوں کو اس طرح سڑکوں پر گھسیٹ دیا گیا ہے کہ وہ اپنا پیٹ پالنے کے لئے تیسرے درجے کے کام کرنے پر مجبور ہیں لیکن عورت کی اس ہمہ جہتی تذلیل کا خوبصورت نام ''آزادی نسواں'' رکھ کر اور جن معاشروں نے عورتوں کو گھر کی ملکہ بنا کر اس کے سر پر عفت و عصمت کا تاج رکھا ہے ان کے خلاف دقیانوسیت اور پس ماندگی کا ڈھنڈورا پیٹ کر مغرب نے اپنے فراڈ کو سند جواز ہی نہیں دی، بلکہ عورت بے چاری کو یہ باور کرا دیا ہے کہ صرف مغرب اس کے حقوق کا علمبردار ہے۔

چنانچہ مغربی عورت کی مظلومیت کا دردناک پہلو یہ ہے کہ اس بے چاری کو اپنی مظلومیت کی خبر نہیں اور جن قوموں نے اس کی عزت وحرمت کو ملیامیٹ کیا ہے انہی کو وہ اپنا نجات دہندہ سمجھنے پر مجبور ہے۔(جہاں دیدہ ص:۴۹۰)

۹۔رزق کی تنگی' نیکیوں سے محروم ہونا اور لوگوں کے دلوں میں ناپسندیدہ اور مبغوض بننا زنا کے تلخ ثمرات میں ہیں چنانچہ بعض صحابہؓ سے مروی ہے کہ زنا پر چھ نتیجے مرتب ہوجاتے ہیں۔تین دنیا میں اور تین آخرت میں' دنیا کے تین یہ ہیں رزق میں کمی بھلائی سے محروم ہونا اور لوگوں کے دل میں برا لگنا اور آخرت کے تین اللہ کا غضب مشکل حساب اور آگ میں داخل ہونا ہیں۔(تنبیہ الغافلین ص:۱۳۴)

۱۰۔طاعون وغیرہ وبائی امراض میں مبتلا ہونا چنانچہ حضرت کعب الاحبارؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ جب آپ کو ننگی تلواریں اور لوگوں کا خون بہتا ہوا نظر آئے تو سمجھ لیجئے کہ اللہ کا کوئی حکم ضائع ہوگیا ہے جسکا ان سے باہمی قتل وقتال کے ذریعے انتقام لیا جارہا ہے اور جب بارش کا انقطاع دیکھو تو جان لیجئے کہ لوگ زکوٰۃ نہیں دے رہے ہیں اور اللہ نے ان سے اپنی رحمت کی بارش روک دی ہے (جو زراعت کا سبب ہے) اور جب وباء دیکھو کہ پھیل رہی ہے تو یقین جانیے کہ زنا عام ہوگیا ہے۔

(تنبیہ الغافلین ص:۱۳۵)

آخر الذکر دونوں اثرات کا ناظرین مشاہدہ کرچکے ہیں اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں تاہم صرف توجہ دلانے کی غرض سے اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ بعض زانی تو بے شک نہایت بدحال ہوتے ہیں لیکن اکثر زانی تو بڑے بڑے مالدار لوگ ہوتے ہیں لہٰذا ان کے رزق میں تنگی کیوں نہیں آتی؟ اس کا جواب نہایت آسان ہے کہ مالدار ہونا فراوانی اور کثرت رزق کی دلیل نہیں کیونکہ بسا اوقات مالدار آدمی ایسی بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ اس کا رزق کھانے پینے کی چند ناپسندیدہ چیزوں تک محدود ہوکر رہ جاتا ہے اور اگر کوئی زانی اس قسم کی بیماری سے محفوظ ہے تو یہ ضروری نہیں کہ موت تک مبتلاء مرض نہیں ہوگا۔اسی طرح وبائی امراض کا حال ہے خصوصاً جن ممالک میں زنا بکثرت ہوتا ہے وہاں تو نئی نئی بیماریاں جنم لیتی رہتی ہیں۔اللّٰھم احفظنامنہ۔ تلك عشرة كاملة

زنا کا اخروی وبال:۔

دنیاوی مصیبتیں تو اس اعتبار سے سہل اور آسان ہیں کہ ان میں تسلسل قائم نہیں رہتا اور اگر کوئی مصیبت ایسی بھی ہو جو زندگی بھر رہنے والی ہو تو پھر بھی عارضۂ موت کی وجہ سے منقطع ہو ہی جاتی ہے علاوہ ازیں دنیا کی مصیبت بسبب اخروی عذاب کے ایک نمونے سے زیادہ نہیں لہٰذا ارتکاب گناہ سے قبل یہ ضرور سوچنا چاہئے کہ اس کا آخرت میں کیا انجام نکلے گا محض وقتی خوشی اور اعضاء بہلانے کی خاطر گناہ کرنا دانشمندی نہیں کیونکہ یہی اعضاء جن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انسان بطور گناہ جو کچھ کرتا ہے قیامت کے روز جہنم کے کنارے انسان کے خلاف گواہی دینے کے لئے انسان کے اس احسان کی ہرگز پرواہ نہیں کریں گے جہاں انسان بے بس ہوگا۔ سامنے آگ کے فلک بوس شعلے ہونگے تہہ خانے ہونگے آگ کے لمبے لمبے ستون ہونگے اور ایسے تنگ وضیق مقامات ہونگے جنہیں محض دیکھنے سے دنیا کی لذتوں کا تصور تک ختم ہو جائے گا۔ اعاذنا اللّٰہ منھا

ویوم یحشر اعداء اللہ الی النار فھم یوزعون 0 حتی اذاماجاء وا ھاشھد علیھم سمعھم وابصارھم وجلودھم بماکانوا یعملون 0 وقالوا لجلودھم لم شھدتھم علینا قالوا انطقنااللّٰہ الذی انطق کل شیء۔(الآیۃ)

''اور جس دن جمع ہونگے اللہ کے دشمن دوزخ پر تو ان کی جماعتیں بنائی جائیں گی یہاں تک کہ جب پہنچیں اس پر بتائیں گے ان کو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی شرمگاہیں جو کچھ وہ کرتے تھے اور وہ کہیں گے اپنی شرمگاہوں سے تم نے کیوں گواہی دی ہمارے خلاف وہ بولیں گئیں ہم کو بلوایا اللہ نے جس نے بلوایا ہے ہر چیز کو۔''

یعنی جب ہر قسم کے مجرموں کی الگ الگ جماعت ہوگی اور یہ سب جماعتیں ایک دوسرے کے انتظار میں جہنم کے قریب روکی جائیں گی تو یہ اپنے جرائم کا زبان سے انکار کریں گے اس وقت حکم ہوگا کہ ان کے اعضاء کی شہادت پیش کی جائے جن کے ذریعے سے گناہ کئے تھے چنانچہ ہر ایک عضو شہادت دے گا اور اس طرح زبان کی تکذیب ہو جائے گی تب مبہوت وحیران ہو کر اپنے اعضاء کو کہے گا کہ دور

ہو جاؤ۔تمہاری ہی طرف سے تو میں جھگڑتا اور مدافعت کر رہا تھا تم خود ہی اپنے جرموں کا اعتراف کرنے لگے یا مطلب یہ ہے کہ تمہاری ہی خاطر تو میں دنیا میں گناہ کرتا رہا جس کے جواب میں وہ کہیں گے کہ جس قدرت نے ہر ناطق چیز کو بولنے کی قوت دی آج اسی نے ہم کو بھی گویا کر دیا۔ نہ بولتے اور بتلاتے تو کیا کرتے۔ جب وہ قادر مطلق بلوانا چاہے تو کس چیز کی مجال ہے کہ نہ بولے جس نے زبان میں قوت گویائی رکھی کیا ہاتھ پاؤں اور شرمگاہوں میں نہیں رکھ سکتا؟ (تفسیر عثمانی بتغییر یسیر)

موت کے بعد زنا کار لوگ جس عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں اس کا منظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھایا گیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

پس ہم ایک ایسے سوراخ کے پاس آئے جو مانند تندور کے تھا اوپر سے تنگ تھا اور اندر سے کشادہ جس کی تہہ میں آگ تھی جب وہ بھڑک جاتی تو یہ لوگ اتنے اوپر آجاتے کہ نکلنے کے قریب ہو جاتے اور جب آگ کے شعلے کم ہو جاتے تو وہ لوگ واپس لوٹ جاتے اس تندور نما سوراخ میں یہ کون لوگ تھے؟ ننگے مرد اور ننگی عورتیں تھیں تو میں نے ان فرشتوں سے جو مجھے لے جانے پر مامور تھے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ زنا کار لوگ ہیں۔

(بخاری ص:۱۸۵ باب بلا ترجمۃ کتاب الجنائز)

بدترین زنا:۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ ہر قسم کے گناہ میں مختلف مراتب ہوتے ہیں جو وقت حالت اور محل وغیرہ کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں زنا بھی اگرچہ مطلق گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔

لایزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن۔

(مشکوٰۃ ص:۱۷ ج:۱ بحوالہ صحیحین ابن ماجہ ص:۲۹۱)

یعنی زنا کرتے وقت آدمی کامل مؤمن نہیں رہتا بلکہ زنا کی وجہ سے وہ نور ایمانی اور حلاوت ایمانی سے محروم ہو جاتا ہے۔

تاہم اس کے بھی مختلف شعبے ہیں کچھ اجنبیات سے متعلق ہیں اور بعض ذوات قرابت اور محرمات

وغیرہ سے۔

لیکن جس بدترین زنا میں عام لوگ گرفتار ہیں وہ اپنی مطلقہ کے ساتھ زنا کرنا ہے وہ اس طرح کہ بعض لوگ اپنی بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں یا کوئی ایسی بات کہہ دیتے ہیں جس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور کبھی تو کسی کام اور اشارہ وغیرہ سے بھی نکاح فاسد و باطل ہو جاتا ہے مثلاً ڈاڑھی وغیرہ سنتوں کے ساتھ استہزاء و تمسخر کرنا' جس میں آج عام لوگ اور خصوصاً عورتیں مبتلاء ہیں مگر لاعلمی لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے اس کا تدارک ضروری نہیں سمجھتے ہیں یا پھر شرم کی وجہ سے اسکو چھپائے رکھتے ہیں۔

اس طرح ان کی اولاد بھی حرامی پیدا ہوتی رہتی ہے اور عمر بھر زنا وغیرہ گناہوں کا شکار بھی ہو جاتے ہیں نہ اس سے توبہ کی کوئی صورت اختیار کرتے ہیں اور نہ علیحدگی کی۔ چنانچہ فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

واشد الزنا ماھو مصر علیه وھو الرجل الذی یطلق امراته وھو مقیم معھا بالحرام ولایقر عندالناس مخافة ان یفتضح فکیف لایخاف فضیحة الآخرة یوم تبلی السرائر۔ (تنبیہ الغافلین ص:۱۳۵)

''اور سب سے بدترین زنا اس آدمی کا زنا کرنا ہے جس پر وہ ہمیشہ کے لئے رہتا ہے اور یہ وہ شخص ہوتا ہے جو اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد بھی اس کے ساتھ رہتا ہے اور لوگوں کے سامنے شرم کی وجہ سے اس کا اقرار نہیں کرتا ہے حالانکہ اسے تو آخرت کی شرمندگی سے زیادہ ڈرنا چاہئے جس میں تمام راز اور حقائق منکشف ہو جائیں گے۔''

لواطت:۔

تفسیر روح المعانی میں اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ مردوں کے ساتھ بدفعلی اور شہوت رانی زنا سے زیادہ گناہ ہے یہ خلاف فطرت عمل خواہ کسی مرد کے ساتھ ہو یا عورت کے ساتھ دونوں صورتوں میں گناہ کبیرہ اور شہوت رانی کا قبیح ترین طریقہ ہے کیونکہ انسان کی طبعی اور فطری خواہش کی تسکین کے لئے اللہ نے ایک حلال اور جائز طریقہ عورتوں سے نکاح کرنے کا مقرر فرمایا ہے اس کو چھوڑ کر غیر فطری طریقہ کو

اختیار کرنا نری خباثت نفس، گندہ ذہنی اور قسوت قلبی کا ثبوت ہے جو کہ ایک بدخلق فاسق وفاجر کے سوا اور کوئی نہیں کرسکتا۔

اس لئے اسلاف امت نے اس کو عام بدکاری سے زیادہ شدید جرم وگناہ قرار دیا ہے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اس کی سزا تعزیر ہے جس کی صورت وہ ہونی چاہیئے جو سلوک قوم لوط کے ساتھ کیا گیا تھا کہ آسمان سے پتھر برسے زمین کا تختہ الٹ دیا گیا اس لئے اس شخص کو اونچے پہاڑ سے گرا کر اوپر سے پتھراؤ کردیا جائے۔ ان سے دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو گندہ ترین جگہ میں قید کرنے کی سزا دی جائے اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ چونکہ اس نے گندہ ترین گناہ کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا جزا بالمثل کے طور پر اس کی سزا یہ ہونی چاہیئے۔

سنن وغیرہ میں بروایت ابن عباسؓ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ۔" (ابن ماجہ ص:۱۸۷)

یعنی اس کام کے کرنے والے اور جس کے ساتھ کیا گیا ہے دونوں کو قتل کردو۔

امام مالکؒ سے مروی ہے کہ اس کی سزا رجم (سنگسار کرنا) ہے خواہ شادی شدہ ہو یا نہ ہو البتہ امام شافعی اس کی سزا زنا کی حد پر قیاس کرتے ہیں۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ فجاء نامی ایک شخص کو جس نے اس عمل کا ارتکاب کیا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آگ میں جلا دیا تھا اور اس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع نقل کیا ہے۔ (قرطبی ص:۲۶۸۰ ج:۴)

بہرحال اس پر اتفاق ہے کہ یہ عمل گناہ کے ساتھ ساتھ خلاف فطرت اور ناگوار طبیعت ہے محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ گدھے اور خنزیر کے علاوہ جانور بھی یہ عمل نہیں کرتے۔ حوالہ بالا خلفیہ ولید بن عبدالملک جامع مسجد دمشق نے کہا اگر قرآن قوم لوط کا قصہ ذکر نہ کرتا تو میں گمان نہیں کرسکتا تھا کہ کوئی انسان ایسا کام کرسکتا ہے۔

(ابن کثیر اردو ص:۸۸ ج:۲)

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے اس عظیم جرم کی شہادت ان الفاظ میں دی ہے۔

اشهد باللّٰہ انھم لشر قوم فی الارض ۔

(قرطبی ص:۳۳۰۳ ج:۵)

''یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ لوگ دنیا کی تمام اقوام سے زیادہ بدعمل ہیں۔''

بہترین امت کے بعض عصات کا بدترین امت کے نقش قدم پر چلنا:۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اخوف مااخاف علی امتی عمل قوم لوط۔

(ابن ماجہ ص:۱۸۷ باب من عمل عمل قوم لوط)

''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک میں اپنی امت پر جس چیز سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ قوم لوط کا عمل (لواطت) ہے۔''

اور حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ اس امت میں قوم لوط کی دس بداخلاقیاں خصلتیں پائی جاتی ہیں۔(۱) گوند اور لیس دار چیز چبانا۔(۲) انگلیاں مہندی سے رنگنا (۳) تہ بند کھولکر بیٹھنا یعنی مجلس میں ستر کا خیال نہ رکھنا (۴) انگلیاں چٹخانا (۵) عمامہ اس طرح باندھنا کہ سر کا درمیانی حصہ خالی رہ جائے (۶) ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرنا (۷) غلیل وغیرہ کا استعمال کرنا (۸) سیٹی بجانا (۹) انگلیوں سے کنکریاں پھینکنا (۱۰) مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرنا۔

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ قوم لوط میں اس بدکاری کے علاوہ بھی مذموم عادتیں موجود تھیں مثلاً آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا ایک دوسرے کو گالیاں دینا' مجلسوں میں گوز کرنا یعنی سرین سے ہوا خارج کرنا' کنکریاں پھینکنا' نرد اور شطرنج کھیلنا' رنگین کپڑے پہننا' مرغ سے نفرت کرنا اور اسے مار بھگانا' دنبوں کو آپس میں لڑانا' انگلیوں کو مہندی سے رنگنا' راستے میں مسافروں سے ٹیکس وصول کرنا' شرک کرنا اور یہ سب سے پہلے لوگ ہیں جنہوں نے لواطت اور سحاق کا گناہ رچایا۔

(قرطبی ص:۵۰۵۸ ج:۷)

قارئین خود ملاحظہ فرمائیں کہ ان گناہوں اور بداخلاقیوں میں کونسا عمل ایسا ہے جو فی الجملہ آج اس آخری اور بہترین امت میں موجود نہ ہو حالانکہ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ امت معذبہ کے نقش قدم پر

چلنا یہ انسان کو کبھی بھی کامیابی سے ہمکنار نہیں کرسکتا بلکہ ایسی قوم کی آخری منزل تباہی و بربادی ہوتی ہے۔ اللّٰھم احفظامنہ

قوم لوط کا عبرتناک انجام:۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کفر کے علاوہ ایک ایسی خبیث بدکاری اور بے حیائی میں مبتلا تھی جو دنیا میں کبھی پہلے نہ پائی گئی تھی جس سے جنگل کے جانور بھی نفرت کرتے ہیں کہ مرد مرد کے ساتھ منہ کالا کرے جس کا وبال وعذاب عام بدکاری سے بدرجہا زیادہ ہے اس لئے اس قوم پر ایسا شدید عذاب آیا جو عام بے حیائی اور بدکاری کرنے والوں پر کبھی نہیں آیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ جو قرآن میں مذکور ہے اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چند فرشتے جن میں حضرت جبرئیل امین بھی شامل تھے اس قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجے جو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں فلسطین پہنچے تاکہ ان کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت بابرکت کی خوشنودی سنائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی عادت مہمانی نوازی کے مطابق بشکل انسانی آنے والے فرشتوں کو انسان اور مہمان سمجھ کر مہمان نوازی شروع کی اور فوراً ہی ایک تلا ہوا بچھڑا سامنے لاکر رکھ دیا مگر مہمان چونکہ فی الواقع انسان نہ تھے بلکہ فرشتے تھے گو ظاہری شکل اس وقت انسان کی عطا کی گئی تھی اس لئے انہوں نے کھانے سے انکار کیا ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ لوگ کھانے پر ہاتھ نہیں بڑھا رہے ہیں تو انہیں اپنے عرف کے مطابق خطرہ لاحق ہوگیا کہ شاید یہ کوئی دشمن ہوں لیکن فرشتوں نے بات کھول دی کہ ہم فرشتے ہیں اس لئے نہیں کھاتے آپ کوئی خطرہ محسوس نہ کریں ہم آپ کو اولاد کی بشارت دینے کے علاوہ ایک اور کام کے لئے بھی بھیجے گئے ہیں کہ قوم لوط پر عذاب نازل کریں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہؓ پس پردہ یہ گفتگو سن رہی تھیں جب معلوم ہوگیا کہ یہ انسان نہیں فرشتے ہیں تو پردہ کی ضرورت نہ رہی پڑھاپے میں اولاد کی خوشخبری سن کر ہنس پڑیں اور کہنے لگیں کہ کیا میں بڑھیا ہوکر اولاد جنوں گی اور یہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہے فرشتوں نے جواب دیا کہ کیا اللہ کے حکم پر

تعجب کرتی ہو جس کی قدرت میں سب کچھ ہے خصوصاً خاندان نبوت میں رہ کر غیر معمولی رحمت و برکت کا مشاہدہ کرنے کے بعد پھر تعجب کی کیا بات ہے؟

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف زائل ہو گیا اور مہمانوں کا فرشتہ ہونا معلوم ہو گیا اور خوشخبری بھی ملی تو ادھر سے بے فکر ہو کر آپ لوط علیہ السلام کی قوم کے بارے میں سفارش کرنے لگے اور اس میں اتنا مبالغہ اور اصرار کیا کہ صورت جدال کی شکل اختیار کر گئی کہ قوم لوط ہلاک کی جائے گی حالانکہ وہاں تو لوط علیہ السلام بھی موجود ہیں اور مطلب یہ ہوگا کہ اس بہانے سے قوم بچ جائے اور بعد میں ایمان قبول کر لیں مگر حکم ہوا کہ اے ابراہیم اس بات کو جانے دو کہ اس کا فیصلہ ہو چکا ہے رہا لوط علیہ السلام کا وہاں ہونا سو ان کو اور سب ایمان والوں کو وہاں سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ کل تین فرشتے جبرئیل میکائیل اور اسرافیل تھے۔

یہ فرشتے اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کے پاس (سدوم شہر) آئے جن کا مقام وہاں سے بارہ میل کے فاصلہ پر تھا۔

اللہ تعالیٰ شانہ جس قوم کو عذاب میں پکڑتے ہیں ان پر ان کے عمل کے مناسب ہی عذاب مسلط فرماتے ہیں اس موقع پر بھی یہ فرشتے حسین لڑکوں کی شکل میں بھیجے گئے۔

شہر سے باہر ان کی ملاقات حضرت لوط علیہ السلام کی دو صاحبزادیوں سے ہوئی جو نہر سے پانی بھر رہی تھیں ان لڑکیوں نے اجنبی خوبصورت چہرے دیکھ کر پریشانی کے عالم میں ان سے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو؟ اور کہاں سے آئے ہو؟

فرشتوں نے جواب دیا ہم فلاں جگہ سے آئے ہیں اور اس شہر میں جانا چاہتے ہیں اس پر دختران لوط علیہ السلام نے کہا کہ اس شہر کے لوگ تو بہت بدکار اور بدعمل ہیں (گویا یہ ان کو واپس جانے کا مشورہ دے رہی تھیں تاکہ ان کی عزت مجروح نہ ہو لیکن ان کو واپس کہاں جانا تھا اس لئے انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی لہٰذا) فرشتوں نے دریافت کیا کہ اس شہر میں کوئی آدمی ایسا ہوگا جو ہماری مہمانی نوازی کرے (اور ہمیں تحفظ فراہم کرے)۔

لڑکیوں نے کہا جی ہاں یہ بزرگ ہیں اور اس کے ساتھ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا اتنے میں حضرت لوط علیہ السلام کی نگاہ ان پر پڑ گئی۔

آپ نے ان کو بشکل انسانی دیکھ کر مہمان سمجھا لیکن اپنی قوم کے کردار کی وجہ سے وہ سخت فکر وغم میں مبتلا ہو گئے کہ مہمانوں کی مہمانی نہ کی جائے تو یہ تو شان پیغمبری کے خلاف ہے اور اگر ان کو مہمان بنایا جاتا ہے تو اپنی قوم کی خباثت معلوم ہے اس کا خطرہ ہے کہ وہ مکان پر چڑھ آئیں اور ان مہمانوں کو اذیت پہنچائیں اور وہ ان کی مدافعت نہ کر سکیں اور دل میں کہنے لگے کہ آج بڑی سخت مصیبت کا دن ہے۔

جب یہ محترم مہمان حسین لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں مقیم ہو گئے تو ان کی بیوی جو ان کی نافرمان تھی نے ان کی قوم کے اوباش لوگوں کو خبر دی کہ آج ہمارے گھر میں اس طرح کے مہمان آئے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کا سابقہ اندیشہ سامنے آ گیا جس کا بیان اس آیت میں ہے ''وجاءہ قومہ یھرعون الیہ ''یعنی آ گئی ان کے پاس انکی قوم دوڑتی ہوئی اور وہ پہلے سے نامعقول حرکتیں کیا ہی کرتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ اپنے خبیث عمل کی نحوست سے اس قدر بے حیا ہو چکے تھے کہ علانیہ حضرت لوط علیہ السلام کے مکان پر چڑھ دوڑے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے ترغیب وترہیب اور منت وسماجت کر کے ہر پہلو سے انہیں واپس جانے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی حتیٰ کہ انہوں نے آخری حربہ کے طور پر ان کے دو سرداروں کو اپنی بیٹیوں کے رشتے کا لالچ بھی دلایا حالانکہ انہوں نے پہلے جب یہ رشتہ مانگا تھا تو آپ نے انکار کیا تھا مگر یہ آخری تیر بھی ضائع چلا گیا اور سب کوششیں رائیگاں ہو گئیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس واقعہ میں جب قوم لوط ان کے گھر پر چڑھ آئی تو حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا تھا اور یہ گفتگو اس شریر قوم سے پس پردہ ہو رہی تھی فرشتے بھی مکان کے اندر تھے ان لوگوں نے دیوار پھاند کر اندر گھسنے کا اور دروازہ توڑنے کا ارادہ کیا اس پر

حضرت لوط علیہ السلام کی زبان پر یہ کلمات آئے ''لوان لی بکم قوۃ او اوی الی رکن شدید'' (الآیۃ)۔

یعنی کاش مجھ میں اتنی قوت ہوتی کہ میں اس پوری قوم کا خود مقابلہ کرسکتا یا پھر کوئی جتھہ اور جماعت ہوتی جو مجھے ان ظالموں کے ہاتھ سے نجات دلاتی۔

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کا یہ اضطراب دیکھ کر بات کھول دی اور کہا کہ گھبرایئے نہیں آپ کی جماعت بڑی اور مضبوط ہے ہم اللہ کے فرشتے ہیں ان کے قابو میں آنے والے نہیں ان پر عذاب واقع کرنے کے لئے آئے ہیں لہٰذا آپ دروازہ کھول دیں اب ہم ان کو عذاب کا مزہ چکھاتے ہیں۔

دروازہ کھولا تو جبریل امین علیہ السلام نے اپنے پر کا اشارہ ان کی آنکھوں کی طرف کیا جس سے سب اندھے ہوگئے اور بھاگتے ہوئے ''النجاہ النجاہ'' بچاؤ بچاؤ کہتے اور چیختے رہے اور بعض روایات میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے مٹھی بھر مٹی ان کی طرف پھینک دی جس سے یہ اندھے ہوگئے اور کہنے لگے کہ یہ مہمان ساحر اور جادوگر ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام کو دھمکیاں دینے لگے کہ صبح ہم تمہارے ساتھ دیکھیں گے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اپنا ہاتھ ان کے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر دیا جس سے وہ اندھے اور ہاتھ بالکل شل ہوگئے۔

اس وقت فرشتوں نے بحکم ربانی حضرت لوط علیہ السلام کو کہا کہ آپ رات کے آخری حصہ میں اپنے اہل وعیال کو لے کر یہاں سے نکل جایئے اور یہ ہدایت کر دیجئے کہ ان میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے بجز آپ کی بیوی کے کیونکہ اس پر تو وہی عذاب پڑنے والا ہے جو قوم پر پڑے گا۔

روایات میں ہے کہ یہ چار یا پانچ بڑے بڑے شہر تھے جن کی آبادی تقریباً چار لاکھ تھی صبح جب اللہ کا حکم ہوا تو جبریل امین نے اپنا پر ان سب شہروں کی زمین کے نیچے پہنچا کر سب کو اس طرح اوپر اٹھایا کہ ہر چیز اپنی جگہ رہی پانی کے برتن سے پانی بھی نہیں گرا آسمان والوں نے بانگ مرغ کتوں اور گدھوں کی آوازیں سنیں کہ اس قدر اُن کو آسمان کے قریب اٹھالیا گیا تھا' اس کے بعد اوندھے کر کے پلٹ دیا جو ان کے عمل خبیث کے مناسب تھا اور اس کے ساتھ ہی ان پر پتھراؤ کیا گیا۔

بعض روایات کے مطابق حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی ساتھ چلی تھی مگر جب قوم پر عذاب آنے کا دھماکہ سنا تو پیچھے مڑ کر دیکھا اور قوم کی تباہی پر اظہار افسوس کرنے لگی اُسی وقت ایک پتھر آیا جس نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔

(قرطبی ج:۴ص:۳۲۹۰ تا ۳۳۱۲ ومعارف القرآن ج:۴ص:۶۵۲ تا ۶۵۶)

اور یہ منظر صرف نزول قرآن کے زمانہ میں ہی نہیں بلکہ آج بھی موجود ہے بیت المقدس اور نہر اردن کے درمیان آج بھی یہ قطعہ زمین بحر لوط یا بحر میت کے نام سے موسوم ہے اس کی زمین سطح سمندر سے بہت زیادہ گہرائی میں ہے اور اس کے ایک خاص حصہ پر ایک دریا کی صورت ایک عجیب قسم کا پانی موجود ہے جس میں کوئی جاندار مچھلی مینڈک وغیرہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے اس کو بحر میت بولتے ہیں یہ مقام سدوم کا بتلایا جاتا ہے۔ نعوذ باللّٰہ من عذابہ وغضبہ (معارف ج:۳ص:۶۲۷)

میری امت کے آخری لوگوں میں سے بھی کچھ لوگ وہ عمل کریں گے جو قوم لوط کرتی تھی یعنی مرد مرد کے ساتھ اور عورت عورت کے ساتھ شہوت رانی کریں گی جب ایسا ہونے لگے تو انتظار کرو کہ ان پر بھی وہی عذاب آئے گا جو قوم لوط پر آیا تھا کہ اللہ ان پر سجیل کے پتھر برسائے گا اور پھر نبی علیہ السلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

''وماھی من الظالمین ببعید'' (قرطبی ص:۳۳۱۱)

یعنی پتھراؤ کا عذاب آج بھی ظالمین سے کچھ دور نہیں۔

جو لوگ اس قوم کی طرح ظلم و بے حیائی پر جمے رہیں وہ اپنے آپ کو اس عذاب سے دور نہ سمجھیں آج بھی یہ عذاب آ سکتا ہے۔

فصل چہارم

کانوں کے گناہ:۔

صوت اور آواز کے زمرے میں جتنی حرام اقسام شامل ہیں ان سب کا سننا ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح جن اشیاء کے سننے سے وقت ضائع ہوتا ہے وہ بھی منوع ہیں شرعاً بھی اور عقلاً بھی۔ لہٰذا غیبت، چغلی اور جھوٹ وغیرہ سننا جائز نہیں کہ یہ خود بھی گناہ ہے اور اس سے وقت بھی ضائع ہوتا ہے۔

اور عام مجالس میں ایسی گپ شپ جس میں کوئی فائدہ نہ ہو تضیع وقت کی وجہ سے اس کے سننے سے بھی گریز کرنا ضروری ہے۔ تاہم اول الذکر کی قباحت ثانی الذکر سے زیادہ ہے کہ اس میں تحریم ذاتی بھی موجود ہے اور ضیاع وقت بھی بخلاف مؤخر الذکر کے کہ اس کی حرمت وقت سے غفلت اور اضاعت کی بناء پر ہے۔

غیبت وغیرہ کی تفصیل تو گذر چکی ہے لہٰذا اسے دہرانے کی ضرورت نہیں البتہ ایک اور مرض جس میں آج سب لوگ گرفتار ہیں خواہی نخواہی سب کو سننا پڑتا ہے موسیقی اور جدید اصطلاح کے مطابق ''فنکاری'' کا ناسور ہے۔ جس کی وباء اتنی شدت سے پھیلی ہوئی ہے کہ آج ہر عام وخاص اس کی لپیٹ میں ہے خصوصاً جنہیں بسوں اور بازاروں سے سابقہ پڑتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس جدید دور میں جہاں کمپیوٹر اور دیگر آلات جدیدہ کے حیرت انگیز کارنامے صرف شہروں تک محدود نہیں بلکہ دیہات اور جنگلات بھی ان کی زد میں ہیں کون ایسا ہوگا جس نے ریڈیو ٹی وی اور ٹیپ ریکارڈ کی آواز نہ سنی ہو جس کا آغاز سرود سے ہوتا ہے اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس موضوع کو اجاگر کیا جائے تاکہ جو لوگ ہدایت کے متلاشی ہیں انہیں قرآن وسنت کی روشنی میں راہ راست نظر آنے لگے۔ وماتوفیقی الا باللّٰہ

گانا بجانا شیطان کا ہتھیار ہے:۔

واستفزز من استطعت منهم بصوتك (الآیۃ بنی اسرائیل:۶۴)

''ان میں سے جس پر قابو پائے اسے اپنی آواز کے ذریعہ (راہ راست سے) ہٹادے۔''

شیطان نے جب آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کرنے پر اپنا مقام' درجہ دیکھ لیا اور اسے معلوم ہوگیا کہ آدم علیہ السلام کو مجھ پر فضیلت دی گئی تو اس کے متکبرانہ خیالات کے ساتھ حسد کی آگ نے اسے مزید مشتعل کر دیا جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ سے مہلت طلب کی تا کہ وہ اولاد آدم کو انتقام کا نشانہ بنا کر اپنا غصہ ٹھنڈا کر سکے جس کی صورت یہی ہوسکتی تھی کہ انہیں گمراہ کر کے اپنے ہمراہ جہنم میں لے جانے میں کامیاب ہوجائے۔

چنانچہ اس کی یہ درخواست منظور ہوئی اور مذکورہ بالا حکم ارشاد ہوا کہ گمراہ کرنے میں تم سے جتنا ہوسکے زور لگالو وسوسہ ڈالو اور گانے بجانے کے آلات کی تیاری میں ان کی ذہن سازی کرلو لیکن یاد رکھو کہ "ان عبادی لیس لك علیهم سلطن'' جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تیری حکومت نہیں چل سکتی 'رہا ان لوگوں کا معاملہ جو تیرے ساتھ ہوں تو ''فان جهنم جزاء كم جزاء موفوراً '' دوزخ تم سب کی سزا اور بدلہ کے لئے کافی ہے۔

چنانچہ شیطان ملعون نے اسی وقت سے ہتھیار بنانے کی تیاری شروع کی تا کہ ان سے بنی آدم کا شکار کر سکے ابلیس کے اس ہتھیار میں سب سے زیادہ مہلک اور تباہ کن چیز گانا' موسیقی اور دیگر آلات غنا ہیں خاص کر وہ گانا جو کسی خوش آواز عورت سے سنا جائے جس میں اس کی صنف نازک کی عکاسی ہوتی ہے اس لئے ابلیس کی ہمہ کوشش یہی رہتی ہے کہ نوع انسانی کو گانے بجانے اور موسیقی وغیرہ میں مبتلا کر کے انہیں نافرمانی کی طرف بلائے اس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ لوگوں کو آلات غنا خریدنے اور گانے سننے کا شوق دلاتا رہتا ہے اور اس مقصد میں اسے بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے کہ لوگ ان آلات کو خریدتے بھی ہیں اور سر عام استعمال کرتے بھی ہیں تا کہ کوئی شخص ایسا نہ رہے جو اس چال سے محفوظ ہو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم ويتخذها هزواً اولئك لهم عذاب مهين۔

”بعض لوگ ایسے ہیں جوان باتوں (کھیل) کے خریدار ہیں جواللہ سے غافل کرنے والی ہیں تاکہ بے سمجھے بوجھے اللہ کی راہ سے بھٹکائیں اوراس راہ کی ہنسی اڑائیں ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے لہوالحدیث کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایاھو واللہ الغناء بخدااس سے مراد گانا ہی ہے۔اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایاھو الغنا واشباھه لھو الحدیث گانااور اسی قسم کی چیزیں ہیں۔

(اسلام اور موسیقی ص:۹۲ بحوالہ سنن کبری للبیہقی ج:۱ص:۲۲۳ مستدرک حاکم ج:۲ص:۴۱۱)

اور حضرت حسن بصری سے اس آیت کی تفسیر میں یہ قول مروی ہے۔

لہوالحدیث ہر وہ چیز ہے جو تمہیں اللہ کی عبادت اوراس کے ذکر سے غافل کردے جیسے رات گئے تک قصے کہانیاں لطیفہ گوئی اور خرافات اور گانا وغیرہ۔

(حوالہ بالاص:۹۳)

اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ طبل حرام ہے شراب حرام ہے اور بانسریاں حرام ہیں۔ (موسیقی اوراسلام ص:۱۴۰ بحوالہ مسند)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ گانا باجا سننا معصیت ہے اس کے لئے بیٹھنا فسق ہے اوراس سے لطف اندوزی کفر ہے۔

(موسیقی اوراسلام بحوالہ نیل الاوطار ج:۸ص:۱۰۰)

کفر سے مراد یہاں کفران نعمت اور ناشکری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ اعضاء وجوارح اس لئے دیئے ہیں تاکہ وہ انہیں اس کے احکامات کے مطابق استعمال کرے اوراپنی قوتوں صلاحیتوں اور حسیات کو اس کی عبادات میں لگائے لیکن اگرایسا کرنے کے بجائے وہ انہی چیزوں کو خدا کی نافرمانی اور معاصی میں صرف کرے تو اس سے بڑھ کرناشکری کیا ہوگی؟

وعن ابن مسعود ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال الغناء ینبت النفاق فی القلب کماینبت الماء البقل۔

(بیہقی ص:۲۲۳ ج:۱۰ ابوداؤد)

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گانا دل میں اسی طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی اگاتا ہے۔

(موسیقی اور اسلام ص:۱۴۸)

اس حدیث کے متعلق علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں یہ مرفوع تو نہیں ہے البتہ مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ ایسی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جاسکتی۔

آثار:۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شخص بسم اللہ پڑھے بغیر جانور پر (یا گاڑی وغیرہ پر) سوار ہو شیطان اس کا ہمراہی بن جاتا ہے اور اس سے گانے کو کہتا ہے اور جب وہ اچھا نہیں گاتا تو اس کے دل میں اچھا گانے کی تمنا پیدا کر دیتا ہے۔

(موسیقی اور اسلام ص:۱۶۹ بحوالہ ابن ابی الدنیا والبیہقی کذا فی روح المعانی ج:۲۱ ص:۶۷)

اور عثمان لیثی یزید بن ولید کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ اے بنو امیہ تم گانے سے بچو کیونکہ یہ شرم وحیاء کو گھٹاتا ہے شہوت ونفسانیت کو بڑھاتا ہے اور اخلاق ومروت ختم کرتا ہے یہ شراب کا نائب ہے نشہ کا کام کرتا ہے اگر تم اس سے بچ نہیں سکتے تو کم از کم عورتوں کو اس سے دور رکھو اس لئے کہ گانا زنا کا محرک ہے۔

(موسیقی اور اسلام بحوالہ روح المعانی ص:۶۸ ج:۲۱)

اور محدث ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ۔

الغناء منفذة للمال مسخطة للرب مفسدة للقلب (ایضاً)

''غنا مال کے ضیاع خدا کی ناراضگی اور دل کے بگاڑ کا سبب ہے۔

(حوالا بالا ص:۱۷۰)

مذکورہ سارے اقوال علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے تلبیس ابلیس میں بھی ذکر کئے ہیں۔

شیطان کی عیاری:۔

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ قلب انسانی پر دو حالتیں طاری ہوتی ہیں ایک غم کی اور دوسری خوشی کی حالت غم کی حالت بالعموم اس وقت طاری ہوتی ہے جب انسان کی کوئی متاع عزیز گم ہوجائے اس کے برعکس خوشی کی حالت اس وقت طاری ہوتی ہے جب انسان کو کوئی اچھی چیز مل جائے ان دونوں حالتوں کی مناسبت سے دو عبادتیں رکھی گئی ہیں غم کی حالت میں صبر کرنا اور اللہ کی مشیت پر راضی رہنا عبادت ہے اور خوشی کی حالت میں اللہ کی عطاء اور انعام پر شکر ادا کرنا عبادت ہے۔اور صبر وشکر درحقیقت بڑی عظیم عبادتیں ہیں جن کے فضائل وفوائد قرآن کریم اور احادیث میں بکثرت آتے ہیں۔

شیطان نے کمال عیاری سے کام لے کر ان دونوں موقعوں پر عبادت الٰہی سے ہٹانے اور ثواب کمانے سے محروم کرنے کے لئے انسان کو دو ایسے کاموں میں لگا دیا جو معصیت الٰہی اور بڑے گناہ ہیں۔یعنی غم کے موقع پر رونے دھونے' جزع فزع' اور نوحہ اور گریہ میں لگا دیا اور خوشی کے موقع پر گانے بجانے اور رقص وسرود میں منہمک کر دیا اناللّٰہ و انا الیہ راجعون۔

(موسیقی اور اسلام ص:۱۵۴ بحوالہ مدارج السالکین ج:۱ ص:۴۹۸)

گانا بجانا اجتماعی عذاب کا پیش خیمہ ہے:۔

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اور ان کی دعاؤں کی برکت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر یک دم کوئی ایسا ہولناک عذاب نازل نہیں ہوگا جس سے پوری امت تباہ وبرباد ہوجائے البتہ کثیر احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ قرب قیامت میں امت کے بعض افراد پر ان کے کرتوتوں کی وجہ سے عذاب نازل ہوگا شدید زلزلے کے بعد انہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا ان کی صورتیں بگاڑ دی جائیں گی اور ان کے اوپر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوگی۔

جن احادیث میں اس عذاب کی وجہ بتائی گئی ہے ان میں سے اکثر میں ایک وجہ یہ بھی ذکر ہے کہ ان لوگوں میں لہو ولعب عام ہوجائے گا گانے والیوں کا ان کے معاشرے میں دور دورہ ہوگا اور ان

لوگوں کی دینی اور اخلاقی حالت اس قدر پست ہو جائے گی کہ وہ گانے بجانے کو ایک حلال فعل سمجھنے لگیں گے۔

ایسی احادیث جن سے یہ وجہ معلوم ہوتی ہے بہت زیادہ ہیں اور کسی ایک صحابی سے مروی نہیں بلکہ دس سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

حضرت ابو مالک اشعری، حضرت عمران بن حصین حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی، حضرت سہل بن سعد، حضرت عبادہ بن الصامت، حضرت ابواُمامہ حضرت ابن عباس، حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبداللہ بن بشر، حضرت انس، حضرت عبدالرحمٰن بن سابط اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

گو ان میں سے بعض اسانید نسبتاً کمزور ہیں تاہم مؤیدات اور متابعات کی وجہ سے ان کا مجموعہ قابل استدلال ہے خوف طوالت کی وجہ سے یہاں صرف بعض کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے چنانچہ:

(۱) حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہونگے جو زنا ریشم شراب اور باجوں کو حلال سمجھیں گے۔ (بخاری ص: ۸۳۷ ج:۲) اور ایک روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں عنقریب میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام بدل دیں گے ان کے سروں پر ناچ گانے ہونگے اللہ ایسے لوگوں کو زمین میں دھنسا دیگا اور ان میں سے بعض کو خنزیر اور بندر بنا دیگا۔

(ابن ماجہ ص: ۳۰۰ باب العقوبات ابواب الفتن)

(۲) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس امت میں بھی زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہونگے ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ایسا کب ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب گانے والی عورتوں اور باجوں کا عام رواج ہو جائے گا اور کثرت سے شرابیں پی جائیں گی۔

(رواہ الترمذی ص: ۴۵ ج:۲ فی اشراط الساعۃ کتاب الفتن)

(۳) حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب مال غنیمت کو شخصی دولت بنالیا جائے جب امانت کو لوٹ کا مال سمجھا جائے جب زکوٰۃ کو تاوان

جانا جائے جب علم دین دنیا طلبی کے لئے سیکھا جائے جب مرد اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے دوست کو قریب رکھے اور باپ کو دور رکھے جب مسجدوں میں شور وغل ہونے لگے جب قبیلے کا سرداران کا بدترین آدمی ہو جب قوم کا سربراہ ذلیل ترین شخص ہو جب شریر آدمی کی عزت اس کے شر کے خوف سے کی جانے لگے جب مغنیہ عورتوں اور باجوں کا رواج عام ہو جائے جب شرابیں پی جانے لگیں اور جب اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں تو اس وقت تم انتظار کرو سرخ آندھی کا زلزلے کا زمین میں دھنسنے کا صورتیں مسخ ہونے اور بگڑنے کا اور قیامت کی ایسی نشانیوں کا جو یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جیسے کسی ہار کی لڑی ٹوٹ جائے تو اس کے دانے ایک کے بعد ایک بکھرتے چلے جاتے ہیں۔ (ترمذی ص:۴۵ ج:۲ فی اشراط الساعۃ)

(۴) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب میری امت پندرہ چیزوں کی عادی ہو جائے تو اس پر مصائب نازل ہونگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پندرہ چیزوں میں سے ایک یہ بھی بتائی کہ جب مغنیہ (گلوگارہ) عورتیں اور باجے تاشے رواج پکڑ جائیں۔

(ترمذی ص:۴۴ ج:۲ قبیل باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت انا والساعۃ کہاتین)

(۵) اور حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس امت میں زمین میں دھنسنے صورتیں بگڑنے اور پتھروں کی بارش ہونے کے واقعات ہونگے عرض کیا گیا یارسول اللہ ایسا کب ہوگا؟ فرمایا جب گانے والیاں عام ہو جائیں گی اور شراب حلال سمجھی جائے گی۔

(رواہ عبد بن حمید اللفظ لہ وابن ماجہ مختصراً ص:۳۰۴ باب الخسوف)

اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ ان احادیث کے مطابق صورتیں بدلنے، بگڑنے اور مسخ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ بعض علماء کی رائے تو یہ ہے کہ اس سے مراد ان کے اخلاق کا مسخ ہونا ہے یعنی ان اعمال کی وجہ سے جانوروں کے اخلاق ان کے اندر آ جائیں گے گویا مسخ سے مراد مسخ صوری نہیں بلکہ معنوی ہے مگر بعض علماء فرماتے ہیں کہ احادیث اپنے ظاہر پر محمول ہیں اور ان میں کسی قسم کی تاویل کی ضرورت

نہیں کیونکہ ایسا ہونا عقلاً کوئی مستبعد نہیں البتہ ایسے واقعات قیامت کے قریب رونما ہونے لگیں گے۔

گویا یہ بھی قیامت کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے ہے ماضی میں شاید اس اختلاف رائے کی کوئی وجہ ہوگی مگر اب جبکہ ان بداخلاقیوں کی وجہ سے ایسی بیماریاں پھیلنے لگیں ہیں جن سے صورتیں مسخ ہوتی ہیں اور شکل خنزیر کی طرح بگڑ جاتی ہے اور چند مہینے قبل تو اخبارات میں بھی ایسے لوگوں کی تصویریں چھپی ہوئی تھی جو اس قسم کی بیماری کا شکار ہوئے تھے یہ لوگ امریکی تھے اور ان کی بدعملی مشہور ہے شراب بھی پیتے ہیں زنا لواطت بھی کرتے رہتے ہیں اور گانے بھی بجاتے اور سنتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اب ان احادیث کا دوسرا مطلب ہی متعین ہونا چاہئے تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی صورت وسیرت اور خلق وخلق دونوں تبدیل ہو جائیں چنانچہ آج ایسے انسان نما سوروں اور بندروں کا مشاہدہ مشکل نہیں جو خباثت باطنی کے ساتھ مسخ اشکال کے قریب ہو گئے ہیں۔

گانوں سے کانوں کی حفاظت:۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہاں ہیں وہ لوگ جو اپنے کانوں اور آنکھوں کو شیطانی باجوں کو سننے اور ان کے بجانے والوں کو دیکھنے سے محفوظ رکھتے تھے؟ انہیں ساری جماعتوں سے الگ کر دو چنانچہ فرشتے انہیں الگ کر کے مشک وعنبر کے ٹیلوں پر بٹھا دیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے ان لوگوں کو میری تسبیح اور تحمید سناؤ چنانچہ فرشتے ایسی پیاری آوازوں میں ذکر اللہ سنائیں گے کہ سننے والوں نے ایسی آواز کبھی نہ سنی ہوگی۔ (موسیقی اور اسلام بحوالہ کنز العمال)

اس موضوع پر مزید تفصیل کے لئے موسیقی اور اسلام قابل مراجعت ہے نیز اس میں مذکورہ احادیث کی اسانید پر بھی بحث پائی جاتی ہے۔

فصل پنجم

ہاتھ پاؤں کے گناہ:۔

ہاتھوں اور پاؤں کے گناہ اتنے زیادہ ہیں کہ قلم کے دائرے سے باہر ہیں ان سب کا احاطہ اتنا آسان نہیں کہ اس مختصر سی کتاب میں ان کو زیر قلم لایا جائے۔تاہم ان کا ایک ایسا ضابطہ موجود ہے جس کی روشنی میں ان سے احتراز کیا جاسکتا ہے کہ جس کام سے کسی انسان یا جاندار کو تکلیف پہنچتی ہو یا اس سے شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو تو وہ کام غیر اخلاقی اور غیر شرعی ہے گو کہ اس کے درجات مختلف ہیں الاّ یہ کہ وہ کام کسی نیک مقصد یا حکمت و مصلحت کو متضمن ہو یا حکم شرعی کی تعمیل اور تکمیل کیلئے کیا جائے مثلاً قتل ڈاکہ اور چوری وغیرہ اس لئے حرام ہیں کہ ان سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔اسی طرح کسی جنگل کو بلاوجہ آگ لگانا بھی غلط کام ہے کہ اس سے بہت ساری جاندار اشیاء یا تو ہلاک ہو جاتی ہیں یا پھر انہیں شدید تکلیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ڈاڑھی کاٹنا' انگریزی بال رکھنا اور دشمنان اسلام کی مشابہت اختیار کرنا خواہ لباس میں ہو یا اور کسی طریقہ میں ناجائز ہیں کیونکہ ان سے احکام شرع کی پامالی ہو جاتی ہے جو ایک خطرناک بات ہے اس کے برعکس جہاد سے چونکہ نیک غرض کی تکمیل ہوتی ہے اس طرح حدود اور قصاص وغیرہ سب جائز ہیں البتہ ان میں سے بعض ایسے اعمال کا تذکرہ یہاں ضروری سمجھتا ہوں جن کی قباحت اور ممانعت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے جیسے قتل' ڈاکہ' چوری' سود' جوا' حرام خوری' رشوت' مے خوری' ملاوٹ' یا ناپ تول میں کمی بیشی اور فضول خرچی وغیرہ۔

قتل مؤمن:۔

زندگی انسان کا نہایت قیمتی اثاثہ ہے اس کا ایک ایک لمحہ بھی نہایت قابل قدر ہے کیونکہ اس کا نیک اور صحیح کام میں گذر جانا آخرت کے عظیم انعامات کا سبب ہے تاہم جن لوگوں کو اس کی قیمت کا اندازہ نہیں ان کے لئے زندگی کوئی خاص اہمیت کی چیز نہیں۔اور غالباً ایسے ہی لوگ قاتل بنتے ہیں کہ ان کو کسی کی جان تلف کرنے کا زیادہ احساس نہیں ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جیسے جیسے جہل بڑھ رہا ہے اور آخرت

کی زندگی کی قدر کم ہورہی ہے تو ویسے ویسے قتل کی وارداتوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

چونکہ دنیا کی زندگی پر اخروی زندگی کا دارومدار ہے یہاں کا عمل وہاں پر منتج ہوتا ہے لہٰذا اگر عمل نیک ہوتو اس کا بدلہ بھی اچھا ملے گا گویا یہاں بیج ڈالا جاتا ہے اور وہاں پھل ملتا ہے اس لئے جتنا زیادہ عمل ہوگا اتنا ہی زیادہ ثمرہ اس پر مرتب ہوگا اور زیادہ عمل کے لئے زیادہ وقت درکار ہے تاہم یہ اعمال جب ہی نتیجہ خیز ثابت ہونگے جب ایمان بھی ہو کہ بغیر شرط ایمان کے کوئی عمل اللہ کی خوشنودی اور جنت میں جانے کا سبب نہیں بنتا اس لئے ایک مؤمن اور کافر کی زندگی میں واضح فرق ہے کہ کافر کی زندگی محض دنیاوی لذتوں کی تکمیل اور اُن سے لطف اندوز ہونے کے سوا کچھ نہیں جبکہ مؤمن کی زندگی کا اصل فائدہ زیادہ سے زیادہ عبادت اور اطاعت خداوندی ہے۔ اور قتل سے اس کے اعمال چونکہ منقطع ہوجاتے ہیں' اس کو اور اس کے ورثاء کو شدید تکلیف پہنچ جاتی ہے اس لئے کفر کے بعد تمام جرائم میں سب سے زیادہ سنگین نوعیت کا گناہ قتل مسلم ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاء ہ جھنم خالداً فیھا وغضب اللّٰہ علیہ ولعنہ واعدلہ عذاباً عظیماً۔ (الآیۃ)

''اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے گا اس میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس پر لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب۔''

یعنی اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو غلطی سے نہیں بلکہ قصداً اور مسلمان معلوم کرنے کے بعد قتل کرے گا تو اس کے لئے آخرت میں جہنم اور لعنت اور عذاب عظیم ہے کفارہ سے اس کی رہائی نہیں ہوگی یعنی یہ شخص مستحق تو اس کا ہے کہ ہمیشہ جہنم میں پڑا رہے آگے اللہ مالک ہے جو چاہے کرے یا یہ مطلب ہے کہ زمانہ دراز تک جس کی حد نہیں بتائی گئی جہنم میں پڑا رہے گا اور اگر اس نے کسی مسلمان کے قتل کو حلال سمجھا تو پھر کافر ہونے کی وجہ سے دائمی جہنمی ہوا۔ (تفسیر عثمانی بتغییر یسیر)

ڈاکہ اور چوری:۔

کسی کی رکھی ہوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر چھپا کر لے لینے کی سب سے کمینی حرکت کا نام

چوری ہے اور اگر وہ زبردستی چھین لیتا ہے تو اس کو ڈاکہ کہتے ہیں چوری کی برائی کی وجہ یہی نہیں کہ چور دوسرے کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر چپکے سے اپنے تصرف میں لے آتا ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ ایک شخص اپنی جائز محنت سے کما کر جو حاصل کرتا ہے دوسرا بغیر کسی جائز محنت کے بلاوجہ اس پر قبضہ کر کے پہلے کی محنت کو اکارت اور ضائع کر دیتا ہے اور ڈاکوؤں کا جرم اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ ایک تو مال لے لیتا ہے دوسرے دھمکیاں بھی دیتا ہے جس سے ایک مسلمان نہ صرف یہ کہ اپنے حلال مال سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ خوف زدہ بھی ہو جاتا ہے۔

ڈاکہ اور چوری دونوں خبث باطن کو ظاہر کرتے ہیں پھر ان کی بدولت ناحق خون بھی بہتا ہے اور بے گناہ جانیں بھی ضائع ہو جاتی ہیں اور چونکہ یہ مال ڈاکوؤں اور چور کے ہاتھ میں بغیر کسی زیادہ محنت کے آتا ہے اس لئے وہ اس کو بڑی بیدردی سے ضائع کر دیتے ہیں اور خود بھی اس سے کم فائدہ اٹھاتے ہیں بلکہ اس دولت کا بڑا حصہ اخفائے جرم کی خاطر برباد کر ڈالتے ہیں یا اسے رشوت کے طور پر استعمال کرتے ہیں جو ایک مستقل جرم اور گناہ ہے۔

ڈاکہ اور چوری کا مزہ چکھنے والا شخص چونکہ اکثر اس نشے کا عادی ہو جاتا ہے اس لئے اس کی سزا اتنی سخت رکھی گئی تا کہ اسے دیکھ کر اس قبیح حرکت کا کوئی انسان تصور بھی نہ کرے چنانچہ چور کی سزا ہاتھ کاٹنا اور ڈاکو کی سزا قتل یا سولی پر چڑھانا یا اس کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹنا اور یا جلاوطن اور قید کرنا مقرر فرمائی گئی ہے۔

ڈاکہ زنی اور چوری کی یہ سزائیں بلاشک اپنی جگہ بہت بڑی ہیں مگر دوسری طرف ڈاکو اور چور کا کردار ان سزاؤں سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے کہ اس سے امن عامہ تباہ ہو جاتا ہے لوگوں کا سکون ختم ہو جاتا ہے سفر و حضر میں لوگ خوف زدہ رہتے ہیں اس لئے یہ سزا ایک اجتماعی ضرورت کی بناء پر نہایت لازمی ہے تا کہ اس کی بدولت امن بھی قائم ہو اور لوگوں کا سکون بھی بحال ہو۔

اسی پر قیاس کر کے ہر شرعی حد کی یہی حکمت ہے چاہے وہ حد زنا ہو حد قذف یا قصاص ہو۔

مگر ستم ظریفی تو یہ ہے کہ ان سزاؤں کی حکمت اتنی جلی اور واضح ہونے کے باوجود اہل مغرب

اور دیگر دشمنان اسلام ان کے بین فوائد سے آنکھیں بند کر کے اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ یہ حدود انسانی نہیں بلکہ وحشیانہ سزائیں ہیں۔

ہمارے ملک کی وزیراعظم بے نظیر صاحبہ جب پچھلی مرتبہ وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہوگئی تھیں تو انہوں نے بھی اس پروپیگنڈے کو پروان چڑھانے کی ناپاک کوشش کی تھی مگر اللہ کی قدرت اور حکمت دیکھئے کہ اس مرتبہ جب ملک میں عموماً اور کراچی میں خصوصاً جرائم کی شرح بڑھ گئی تو حکومت نے اپنی گرفت سخت کر کے نہ صرف یہ کہ بزبان حال اقرار کیا بلکہ اپنے طرز عمل سے بھی یہ ثابت کر دیا کہ ہمارے ملکی قواعد وضوابط امن قائم کرنے کے لئے ناکافی ہیں چنانچہ اب پولیس والے مجرموں کو پکڑ کر جعلی پولیس مقابلوں میں مقدمہ چلائے بغیر ماورائے عدالت قتل کر دیتے ہیں حالانکہ ان میں ایسے بھی مجرم ہیں جن کا جرم موجب قتل نہیں۔

ان سب واقعات سے یہ بات اچھی طرح آشکارا ہو جاتی ہے کہ قیام امن کے لئے مجرم کو سزا دینا تاریخ کا سبق بھی ہے اور عقل وفطرت کا تقاضا بھی۔

اور یہی وجہ ہے کہ اب حکومت نے اس معاملہ میں اپنے قائم کردہ عدالتی نظام کو نظر انداز کر دیا ہے بلکہ اگر کوئی جج یا وکیل از خود حکومت کی اس پالیسی اور کارکردگی پر اعتراض کرے تو اسے بھی معاف نہیں کرتی۔

چنانچہ آج ہی حکومت نے کراچی میں ایک ایسے سابق جج کو اس کے بیٹے سمیت قتل کروا دیا جو حکومت کی اس حکمت عملی پر نکتہ چینی کیا کرتا تھا اور ماضی میں حکومت کے خلاف کچھ فیصلے بھی دے چکا تھا۔

اسلام ایک فطری اور عالمگیر مذہب ہے اس کے قوانین انسان کی بھلائی کے لئے ہیں اس کے ہمہ قواعد حکمتوں سے لبریز ہیں اس سے بہتر کوئی مذہب نہیں ہوسکتا ہے اس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لئے اطمینان بخش اصول موجود ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جن جن تحاریک اور مذاہب نے اس کے خلاف سر اٹھایا ہے تو ابتداء میں اگر چہ اپنی جدت کی وجہ سے لوگوں میں مقبول ہوئے ہیں تاہم زیادہ عرصہ چلنے کے بجائے ان کے

پیروکار شرمندہ ہوکران سے پہلوتہی اختیار کر کے کسی نئے مذہب کی تلاش شروع کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں یا تو اسلام کی دولت سے مالا مال ہوجاتے ہیں یا پھر کیمونسٹ اور بے مذہب ہوجاتے ہیں۔ دل تو چاہتا ہے کہ اپنے بھرے ہوئے ترکش سے دشمنان اسلام پر تیر برساتا رہوں مگر خوف طوالت اس موضوع پر لکھنے کی اجازت نہیں دے رہا۔

سود:۔

سودی نظام گناہ اور حرام ہونے کے علاوہ اجتماعی تباہی کا سب سے بڑا سبب ہے اس کی لپیٹ میں آ کر غریب غریب تر ہوجاتا ہے اور امیر امیر تر' جس کا مطلب آسان الفاظ میں یہ ہے کہ دولت عوام کے ہاتھوں سے نکل کر ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھ میں آتی ہے جو بداخلاقی کی بدترین مثال ہے اس لئے کہ یہ مخصوص طبقہ اپنے بخل اور اپنے مال کے ذریعہ عوام کا پسینہ خشک ہونے نہیں دیتا' کیونکہ سود ایسے لین دین کا نام ہے جس میں عوض اور بدل یا محنت کئے بغیر روپیہ کے ذریعہ نفع حاصل کیا جاتا ہے یعنی اگر کسی کے پاس چند سکے جمع ہیں تو حسن سلوک' امداد اور باہمی اخوت کا انسداد کر کے ان کے ذریعہ سے بے محنت فائدہ اٹھانا سود یا ربوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقۂ کاروبار اخلاق حمیدہ کو تباہ کر دیتا ہے اور معاشی نظام کو گھن کی طرح چاٹ جانے والی بیماری ہے اور بداخلاقی کے شجر کے لئے آب حیات کا کام دیتا ہے اس کے ذریعہ سے چند انسانوں میں دولت سمیٹ کر عام مخلوق کی بدحالی کا باعث بنتا ہے' بلکہ انسانوں کے درمیان آقا و بندہ کے غیر فطری رشتہ کو ایجاد کرتا ہے۔

اسی لئے قرآن عظیم نے اس کو حرام قرار دیا اور بداخلاقی کی بدنما مثالوں میں شمار کیا چنانچہ ارشاد ہے۔

احل اللّٰہ البیع وحرم الربوا (الآیۃ)

''اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کے معاملہ کو درست رکھا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔''

اور اس سے سخت تر حکم یہ ہے۔

یاایھاالذین آمنوا اتقوا للّٰہ وذروا مابقی من الربوا ان کنتم مؤمنین فان لم

تفعلوا فاذنوا بحرب من اللّٰہ ورسولہ۔ (الآیۃ بقرہ)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور (زمانہ جاہلیت کا) جو سود کسی پر رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اور اگر تم اس حکم پر عمل نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا اذن قبول کرو۔''

اخلاق کریمانہ تو یہ ہیں کہ تنگ دست کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کر کے اسے مفت نہ صحیح بطور قرض پیسہ دیا جائے تا کہ اس کی معاشی صورتحال ٹھیک ہو جائے اور جب وہ معاشی اعتبار سے صحت مند ہو تو اس سے صرف اتنا ہی روپیہ واپس لیا جائے جتنا اسے دیا تھا تا کہ اس کا بوجھ ہلکا ہو اس کے برعکس اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس پر سود کا مزید بوجھ ڈالنا انسانی ہمدردی کے خلاف ہے کیونکہ اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلے گا کہ غریب کبھی بھی قرضوں کے بوجھ سے فارغ نہیں ہوگا۔

چنانچہ ہمارے ملک کی صورتحال اس کی درخشاں مثال ہے کہ یورپ وامریکہ وغیرہ سے سود پر قرض لینے کی بناء پر ہر نئے سال نئے ٹیکس عوام کی بنیادی ضرورت کی چیزوں پر لگانے کے باوجود قرضوں میں کمی کے بجائے اضافہ ہی اضافہ ہو رہا ہے اور آج کل تو ان ٹیکسوں میں اتنی شدت آئی ہے کہ سالانہ بجٹ کے علاوہ بھی تین چار مرتبہ منی بجٹ آتے رہتے ہیں۔

یورپ اور ایشیا کے ان ماہرین معاشیات نے بھی جو دنیا کے امور کو صرف دنیا ہی کی عینک سے دیکھنے کے عادی ہیں اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے اور دلائل وبراہین سے ثابت کیا ہے کہ سودی سسٹم عام معاشی نظام کی تباہی میں سب سے زیادہ دخل رکھتا ہے اور دولت کو عوام کے ہاتھوں سے نکال کر ایک مخصوص اور قلیل طبقہ کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اس طرح سرمایہ اور محنت میں صحیح توازن باقی نہ رہنے اور محنت کے بے حیثیت بن جانے کی وجہ سے طبقاتی جنگ کا سبب بنتا ہے اور انجام کار نظام عالم میں عظیم الشان معاشی تباہی وبربادی لاتا ہے۔ (فلسفہ اخلاق ص:۵۳۶)

سودی کاروبار چونکہ غریبوں کے خون چوسنے کے مترادف ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے اس پر سخت پہرہ بٹھا دیا ہے کہ اس میں تعاون کرنے والا بھی اتنا ہی گناہ گار ہوگا جتنا کہ سود خور ہے۔

قمار:۔

معاشی لحاظ سے آج کل دنیا میں تین نظریوں کوشہرت حاصل ہے۔نمبرا اشتراکی نظام' نمبر۲ اسلامی نظام' نمبر۳ سرمایہ دارانہ نظام۔ پہلے نظریئے کا خلاصہ یہ ہے کہ کہ سرمایہ مشترک ہونا چاہئے آدمی محنت ومزدوی کرتارہے مگر اس کا حق الخدمت بینک میں جمع رہے گا اس طرح غریب اور امیر کا فرق ختم ہوکر مساوات قائم ہوجائے گی جس میں خوشحالی کی ضمانت مستتر ہے کیمونسٹ ممالک نے اس کا ناکام تجربہ کرکے شرمندگی کی سزا پائی ہے۔ روس جو سپر طاقت کا دعویدار تھا آج اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی تاب سے محروم ہے۔ دوسرے نظریئے کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کے پاس جتنا بھی مال ہو یہ سب اس کی ملکیت ہے مگر اس میں کچھ حقوق ہیں جن کی ادائیگی لازمی ہے مثلاً فقیر کا حق' زکوٰۃ' فطرہ وغیرہ' سائل کا حق' والدین کا حق' زوجہ کا حق' اولاد کا حق' اقارب کا حق' جوار کا حق' مہمان کا حق' اور ماعون کا حق وغیرہ تاہم اس میں یہ قید ضروری ہے کہ آمد اور خرچ دونوں جائز طریقے سے ہوں یعنی ذرائع آمدن ایسے ہونے چاہئیں جن میں کسی کا حق بلاعوض اور بغیر رضامندی کے نہ لے اس طرح ہر وہ طریقہ جس سے عام لوگوں پر برا اثر پڑتا ہو ممنوع ہے اور خرچ کرنے کا طریقہ بھی ایسا ہونا چاہئے جس سے کسی کو تکلیف نہ ہو اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا سبب ہو۔

جبکہ تیسرے نظریئے کا محصول یہ ہے کہ آدمی کے پاس جو کچھ ہے وہ اس میں مکمل طور پر خودمختار ہے اس کو اپنی مرضی کے تحت جیسے چاہے خرچ کرے اس طرح کمانے کی بھی کوئی قیدوبند نہیں' چاہے جائز طریقہ سے حاصل کرے یا ناجائز۔

یہی وہ نکتہ ہے جو معاشی نظام میں اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان حد فاصل ہے اسی سے مثلث نما ضلعیں خارج ہوکر اپنے امتداد کے ساتھ ایک دوسرے سے دور ہوتے جارہے ہیں۔

قمار (جوا کا شمار بھی ناپاک ذرائع آمدن میں ہوتا ہے جو سود کی طرح ایک مخصوص طبقہ کے علاوہ انسانیت کے لئے زہر ہلاہل اور خونی کینسر کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلام چونکہ مخصوص طبقہ کے بجائے عام انسانیت کے مسائل کو زیادہ ترجیح دیتا ہے اس لئے اس

نے ہر ایسے طریقے کا سد باب کیا ہے جس سے چند افراد کی مالی حیثیت اگر چہ بہتر ہوتی ہو مگر اجتماعی طور پر اس کے اثرات قوم وملت کے لئے نقصان دہ ہوں۔

رشوت:۔

یہ وہ بیماری ہے جس نے آج ہر عام وخاص کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے معاشرے کی بدحالی اور تباہی میں سود کی طرح رشوت بھی ناپاک کردار ادا کر رہی ہے اس کا فائدہ بھی سود اور قمار کی طرح مخصوص طبقہ جو سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا ہے کو پہنچتا ہے مگر عام لوگوں کی مشکلات میں اس بیماری سے روز افزوں اضافہ ہوتا ہے جس کا نتیجہ اور قباحت حرمت کے علاوہ معاشی بدحالی بھی ہے اسی کی بناء پر احساس محرومی بڑھتا ہے خون خرابہ میں تیزی آتی ہے اور طبقاتی جنگ شروع ہو جاتی ہے۔

ہمارا وطن عزیز آج اسی مرض کی بناء پر ترقی سے محروم ہے ہمہ وقت پریشانی ذلت' مہنگائی کے علاوہ قرضوں کا غیر معمولی دباؤ رہتا ہے کہ اس پر قرضے لے کر ملک کو بوجھ ثقیل تلے دبا دیا ہے جن سے نجات حاصل کرنے کا واحد حل یہ ہے کہ ان قرضوں کو جلد از جلد ادا کیا جائے مگر رشوت نے اس علاج کا راستہ استقامت کے ساتھ روکے رکھا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے دیانت دار اور باصلاحیت طبقہ پیچھے رہ گیا ہے اور اعلیٰ مناصب پر ایسے لوگ قابض ہو گئے ہیں جو غاصب محض ہیں ان کو قوم وملت کی خیر خواہی سے کوئی سروکار نہیں۔

رشوت کے نتائج آج ہمارے سامنے ہیں کوئی شعبہ ایسا نہیں جو اس مرض سے پاک ہو گویا پورا ملک پورا معاشرہ آج اس بیماری میں مبتلا ہو کر موت اور حیات کی کشمکش میں واقع ہے۔

اسی کی بناء پر لوگوں کے حقوق مارے جاتے ہیں اور غیر منصفانہ تقسیم کے تحت عہدوں کی تقسیم ہوتی ہے۔

اگر کسی کے قانونی کوائف پورے بھی ہوں مگر رشوت کے بغیر وہ اپنے حق کو نہیں پہنچ سکتا اس کے برعکس وہ نااہل امیدوار جو مطلوبہ ہدف تک پہنچنے کی صلاحیت ہرگز نہیں رکھتا چند پیسوں کی بدولت غیر کا حق غصب کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اس طرح رشوت کئی بڑے نقصانات کو جنم دیتی ہے۔

اول یہ کہ رشوت دیکر اس نے مستحق کا حق چھین لیا دوم اس حاصل کردہ زمین مکان یا عہدہ وغیرہ کے ناپاک منافع سے اپنا پیٹ بھرتا رہتا ہے اور آخرت کی بربادی کا سامان جمع کررہا ہے سوم ایسا آدمی عموماً خلوص نیت سے کام نہیں کرسکتا ہے لہٰذا اس کا کسی عہدے پر قابض ہونا دوسرے کے لئے جائز راستہ بند کرنے کے مترادف ہے جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہ خود بھی فرض منصبی میں کوتاہی کرے گا اور باصلاحیت لوگوں کو بھی آنے نہیں دے گا جس کا انجام قوم وملت کے حق میں وہی ہوتا ہے جسے آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں چونکہ اس عظیم ملی وقومی خسارے کا باعث رشوت لینے اور دینے والا دونوں ہیں اس لئے ان کا یہ عمل بھی دونوں کے جہنم میں جانے کا سبب ہے۔

حرام خوری:۔

یہ بات تو طے شدہ ہے کہ انسانی بدن کی بقا اور نشوونما کا زیادہ تر دارومدار غذا پر ہے کہ اس سے خون بن کر جسم کو درپیش ضروریات کو پورا کردیتا ہے بالفاظ دیگر اعضاء اصلیہ کے سوا باقی سارے اجزاء کا تعلق خون سے ہے اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ انسانی صفات مثلاً زہد، ورع، تقویٰ، اخلاص اور دیگر اخلاق حمیدہ کا خون سے تعلق ہے اور یہی اوصاف عمل صالح کی بنیاد ہیں گویا خورا کی مواد ان سب اعضاء اوصاف اور کردار کے لئے مرکب کے مانند ہیں۔

لہٰذا اگر رزق حلال ہو تو بدن کے عناصر مذکورہ صفات وغیرہ کے تحمل کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ایسے انسان میں جسکا رزق حلال اور طیب ہو یہ خوبیاں بوجہ اتم موجود ہوتی ہیں اس کے برعکس حرام رزق سے جسم میں گندہ خون کی وجہ سے دل میں ظلمت اور خباثت پیدا ہوتی ہے جو غلط کردار اور بگاڑ کا سبب بنتی ہے حتی کہ حرام خور کے نطفے سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے اس پر اخلاق رزیلہ کا غلبہ رہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج کل عموماً کھانے پینے کی چیزوں کی ظاہری صفائی کا اہتمام تو کیا جاتا ہے مگر حل اور حرمت کی پرواہ نہ کرنے کی وجہ سے نئی نسل کے اخلاق غیر کریمانہ ہوتے ہیں حرام رزق کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ عبادت میں پوری توانائی صرف کرنے کے باوجود آدمی عبادت کی لذت اور ایمان کی حلاوت سے محروم رہتا ہے اور اسے ایمان اور عبادت میں کوئی فائدہ نظر نہ آنے کا یقین ہوجاتا ہے جس کے نتیجے میں العیاذ

باللہ یا تو مرتد ہو جاتا ہے یا پھر عبادت کو ترک کر دیتا ہے جس کا مشاہدہ کرنا آج کل مشکل نہیں علاوہ ازیں حرام رزق جن ذرائع سے حاصل کیا جاتا ہے وہ سب شرعاً ' عقلاً اور اخلاقاً ممنوع راستے ہیں جن پر چلنے سے فساد کا قوی اندیشہ رہتا ہے آج کل اکثر تنازعات کے محرکات یہی ذرائع ہیں۔

یہ تو ہوئے دنیاوی نقصانات اب کچھ تذکرہ اخروی نقصانات کا تو ہو جانا چاہئے کہ آخرت میں حرام خوری کا وبال بہت زیادہ ہے کیونکہ اس کا زیادہ تر تعلق حقوق العباد سے ہے اور کسی بندہ سے یہ توقع رکھنا کہ وہ قیامت کے دن اپنا حق معاف کر دے گا ایک احمقانہ آرزو ہے کیونکہ وہاں ایک نیکی ساری دنیا سے بہتر ہوگی اس لئے ہر شخص اسی کوشش میں ہوگا کہ میرے گناہ نہ ہوں اور نیکیاں زیادہ سے زیادہ ہوں اور نیکیوں کے تمام دروازے وہاں بند ہونگے سوائے اس کے کہ اپنے دنیوی مغصوبہ حق کے عوض کسی کی نیکی لے لی جائے یا اپنے گناہ اس کے حوالے کئے جائیں۔

لہٰذا وہاں دو ہی صورتیں اغلب ہیں کہ یا تو صاحب حق کو اس کا حق ادا کیا جائے جو ایک ناممکن سی بات ہے یا پھر اسے اپنی نیکیاں اگر ہوں تو دیدے ورنہ اس کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر پر اٹھا کر خواہی نخواہی جہنم کی طرف روانہ ہو۔ اعاذنا اللہ منہا

تنبیہ:۔

حرام خوری سے مراد صرف کھانا ہی نہیں بلکہ کسی کا حق ضائع کرنا خواہ کسی بھی طریقے سے ہو حرام خوری ہے۔

شراب نوشی اور دیگر منشیات:۔

یاایھاالذین آمنوا انماالخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبواہ لعلکم تفلحون 0 انمایرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللّٰہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون 0

''اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے سو

ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی بذریعہ شراب او
رجوئے کے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے سو اب بھی تم باز آؤ گے۔ (سورہ مائدہ:۹۰)

مطلب یہ ہے کہ شراب پی کر جب عقل جاتی رہتی ہے تو بعض اوقات شرابی پاگل ہو کر آپس میں لڑ پڑتے ہیں حتی کہ نشہ اترنے کے بعد بھی بعض دفعہ لڑائی کا اثر باقی رہتا ہے اور باہمی عداوتیں قائم ہو جاتی ہیں یہی حال بلکہ کچھ بڑھ کر جوئے کا ہے اس میں ہار جیت پر سخت جھگڑے اور فساد برپا ہوتے ہیں جس سے شیطان کو اودھم مچانے کا خوب موقع ملتا ہے یہ تو ظاہری خرابی ہوئی اور باطنی نقصان یہ ہے کہ ان چیزوں میں مشغول ہو کر انسان خدا کی یاد اور عبادت الٰہی سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اس کی دلیل مشاہدہ اور تجربہ ہے شطرنج کھیلنے والوں ہی کو دیکھ لو نماز تو کیا کھانے پینے اور گھر بار کی بھی خبر نہیں رہتی۔ جب یہ چیز اس قدر ظاہری و باطنی نقصانات پر مشتمل ہے تو کیا ایک مسلمان اتنا سن کر بھی باز نہ آئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

شراب کو خمر اس لئے کہتے ہیں کہ خمر کے معنی چھپانے اور غافل کرنے کے ہیں چونکہ شراب پینے سے آدمی کی عقل کمزور ہو جاتی بلکہ زائل ہو جاتی ہے اور شرابی کی ہوشمندی ختم ہو جاتی ہے اس لئے آیت مذکورہ میں اسے خمر سے تعبیر کیا ہے انسان عقل کی بدولت دوسرے جانوروں سے ممتاز ہے اسی کے ذریعے یہ صحیح اور فاسد کی تمیز کرتا ہے پس اگر کوئی آدمی عقل کو زائل کرنے والی اشیا کا استعمال شروع کر دے تو پھر اس میں اور جانوروں میں کیا فرق رہتا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان ایک ترقی پسند اور جدت پسند مخلوق ہے اسکی طبیعت میں جدت پسندی کا جزبہ ہمہ وقت بیدار رہتا ہے یہ جب بھی کوئی کام شروع کرتا ہے تو آہستہ آہستہ اس عمل میں اضافے کا شوق بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کام کو آخری مرحلے تک پہنچائے۔

اس بنا پر ایک معمولی نشہ کا انجام بسا اوقات خطرناک حد تک پہنچ جاتا ہے کہ شروع شروع میں اس نشہ کی معمولی مقدار بھی کافی سمجھی جاتی ہے مگر بتدریج اس عمل کو اتنی ترقی دی جاتی ہے کہ ماضی کے معمول کو حقیر تصور کیا جاتا ہے اور پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اس سلسلے کی تمام منازل طے کرنے کے بعد کسی زیادہ مؤثر نشہ آور چیز کا شوق ابھرنے لگتا ہے اس لئے اس کا اگلا قدم زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی بیشی وغیرہ:۔

عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مر علی صبرۃ من طعام فادخل یدہ فیھا فنالت اصابعہ بللاً فقال یاصاحب الطعام ماھذا قال اصابتہ السماء یا رسول اللّٰہ قال افلا جعلتہ فوق الطعام حتی یراہ الناس ثم قال من غش فلیس منا ۔

(رواہ الترمذی ص:۲۴۵ باب ماجاء فی کراہیۃ الغش فی البیوع)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزر رہے تھے کہ آپ نے اپنا دست مبارک اس میں داخل فرمایا تو آپ کی انگلیوں کو نمی کا احساس ہوا پس آپ نے فرمایا اے غلے والے یہ نمی کیا ہے؟ تو اس نے کہا یا رسول اللہ یہ تو بارش کا اثر ہے کیونکہ اس کو بارش پہنچی ہے آپ نے فرمایا تو تم نے اسے غلے کے اوپر کے جانب نہیں رکھا تا کہ لوگ اسے دیکھ کر پہچان سکیں پھر آپ نے ارشاد فرمایا جس نے فریب دیا وہ ہم میں سے نہیں یعنی ہمارے طریقے اور ہمارے اخلاق پر نہیں۔''

حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی امت مسلمہ کے لئے عموماً اور تاجر برادری کے لئے خصوصاً ایک سبق آموز اور خیر خواہانہ کلام ہے اور حسن معاشرت کا سنہری ضابطہ بھی ہے اس میں دھوکہ بازی اور فریب کاری سے سخت ممانعت فرمائی ہے کہ کسی کو اپنا مال اس انداز سے پیش نہیں کرنا چاہئے جس میں معیوب حصہ نظروں سے اوجھل رہے کیونکہ ایسا کرنے میں تاجر اور گاہک دونوں کا نقصان ہوجاتا ہے گاہک کا نقصان یہ ہے کہ وہ اس کو عمدہ سمجھ کر زیادہ قیمت ادا کرتا ہے اور تاجر کا نقصان یہ ہے کہ جو زیادتی اسے عیب چھپانے کی وجہ سے ملی اس کا لینا اس کے لئے صحیح نہیں اور چونکہ وہ زیادتی متعین نہیں اس لئے پوری کمائی مشتبہ ہوجاتی ہے۔

اس کے برعکس اگر دوکاندار عیب نہ چھپائے جھوٹ نہ بولے جھوٹی قسم نہ کھائے اور ہر قسم کی دغابازی سے گریز کرے تو گاہک اپنی مرضی اور خوشی سے جو چیز خریدے گا اس کا نفع اس کے لئے بھی پاک اور طیب ہوگا اور خریدار بھی تاوان سے بچے گا البتہ اس معکوسہ صورت میں نفع اگرچہ کم رہتا ہے مگر

برکت اور بہتری اسی میں زیادہ ہوتی ہے۔ ''بقیت اللّٰہ خیر لکم ان کنتم مؤمنین'' یعنی لوگوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد تمہارے پاس جو کچھ بچ رہے گا وہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے کلام کی حکایت ہے جو اپنی قوم کو ناپ تول میں کمی بیشی سے روکتے تھے کہ اے قوم ناپ تول میں کمی بیشی کر کے اگر چہ بظاہر تو زیادہ کمایا جاتا ہے مگر درحقیقت اس میں فائدہ نہیں' فائدہ صرف اسی میں ہے کہ لوگوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد اپنا بچا ہوا حق لیا جائے کہ یہ طریقہ ہے انصاف کا اور حسن معاشرت کا بھی اور آخرت کے وبال سے بچنے کا بھی۔

تنبیہ:۔

دغا اور فریب وسیع المعنی الفاظ ہیں جن کا دائرہ بہت وسیع تر ہے یہ مفہوم ہر اس صورت کو شامل ہے جس میں کسی چیز کی اصلی اور حقیقی حالت کو چھپایا گیا ہو مثلاً ملاوٹ کی جملہ قسمیں' خراب چیز پر عمدہ چیز کا لیبل لگانا یا اسے اچھی کمپنی اور مل کی طرف منسوب کرنا اسی طرح مشینری وغیرہ کے پرزوں میں تبدیلی کرنا وغیرہ سب ناجائز اور حرام ہیں۔

حرام مال کی نحوست اور بدانجامی:۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

لایدخل الجنة جسدغذی بالحرام۔

(مشکوٰۃ ص:۲۴۳ شعب الایمان للبیہقی)

''جس بدن کی نشوونما حرام غذا سے ہوئی ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔''

اس حدیث میں بڑی سخت وعید ہے الفاظ حدیث کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ دنیا میں جو شخص حرام کمائی کی غذا سے پلا بڑھا ہوگا وہ جنت کے داخلے سے محروم رہے گا اور دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا (اللّٰھم احفظنا منہ) تاہم مؤمن تاجر سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جا سکے گا مگر وہ سزا کتنی ہوگی اس کی تصریح نصوص میں نہیں ہے۔

حرام مال سے صدقہ کرنا مفید حیلہ نہیں:۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حرام کی کمائی میں سے اگر اللہ کے لئے صدقہ کیا جائے تو باقی مال حلال رہ جاتا ہے چنانچہ بہت سارے ایسے لوگ جو سودی کاروبار کرتے ہیں یا دوسرے حرام ذرائع استعمال کر کے مال کماتے ہیں ایسا ہی کرتے ہیں حالانکہ ان کا یہ حیلہ محض ایک خوش فہمی ہے ورنہ نہ تو مال حرام میں سے کوئی صدقہ قبول ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی وجہ سے بقیہ کمائی حلال ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ (کسی ناجائز طریقہ سے) حرام مال کمائے اور اس میں سے للہ صدقہ کرے تو اس کا صدقہ قبول ہو۔ اور اس میں سے خرچ کرے تو اس میں منجانب اللہ برکت ہو اور جو شخص حرام مال مرنے کے بعد پیچھے چھوڑ کے جائے گا تو وہ اس کے لئے جہنم کا توشہ ہی ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ گندگی گندگی کو نہیں دھو سکتی۔

(مشکوٰۃ ص:۲۴۲ باب الکسب وطلب الحلال بحوالہ مسند احمد)

سچے اور دیانت دار تاجروں کے لئے خوشخبری:۔

عن ابی سعید قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء۔

(ترمذی ص:۲۲۹ ج:۱ باب ماجاء فی التجار وتسمیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایاھم)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پوری سچائی اور ایمانداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔''

تاہم اس قسم کی بشارتیں گناہ کبیرہ سے بچنے کی شرط کے ساتھ مشروط ہوتی ہیں اور یہ ضابطہ تمام فضائل اعمال کا ہے کہ اگر کسی عمل پر بڑے بڑے درجوں کا وعدہ فرمایا گیا ہو تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ بشرط احتراز کبائر سے ان درجوں تک پہنچانے میں یہ عمل معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

فضول خرچی:۔

ولاتبذر تبذیراً ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین و کان الشیطان لربه کفوراً (الآیة)

''اور مال بے موقع مت اڑانا بے شک بے موقع مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔''

فضول خرچی کے معنی کو قرآن کریم نے دو لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے ایک تبذیر اور دوسرا اسراف ولاتسرفوا۔

بعض حضرات نے دونوں لفظوں کو ہم معنی قرار دیا ہے کہ کسی معصیت یا بے موقع بے محل خرچ کرنے کو تبذیر اور اسراف کہا جاتا ہے لیکن بعض حضرات دونوں لفظوں کے معنی اور مراد میں فرق کے قائل ہیں بایں معنی کہ مذکورہ معنی تبذیر کا ہے اور اسراف یہ ہے کہ خرچ کرنے کا محل اور موقع ناجائز تو نہ ہو مگر وہاں ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے اس لئے تبذیر نسبتاً اشد ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ مبذرین کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا۔ (معارف القرآن ج:۵ص:۴۵۸)

اسراف اور تبذیر کا مصداق ایک ہو یا الگ الگ مگر اس پر اتفاق ہے کہ دونوں ناجائز اور بنص قطعی حرام ہیں کہ فضول خرچی کی وجہ سے آدمی شیطان کے مشابہ ہو جاتا ہے کہ جس طرح شیطان فساد پھیلانے میں ہمہ وقت کوشاں رہتا ہے اسی طرح مبذر کی فضول خرچی بھی فساد کی کوشش کے مترادف ہے یا جس طرح کہ شیطان اپنی خواہشات کی تکمیل کی خاطر ہر کام کرنے کے لئے تیار رہتا ہے بالکل اسی طرح مبذر بھی ہے کیونکہ اس کے پاس وسائل تو ہیں اور کنٹرول نہیں تو لامحالہ یہ اپنی خواہشات پوری کرنے کی سعی کرے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسے لوگ جہنم میں شیطان کے ساتھ ہوں۔ (قرطبی ج:۶ص:۳۸۶۴)

بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو راہ اعتدال پر چلنا پسند ہوتا ہے ورنہ اکثر لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ یا افراط کے پہلو کو اختیار کر لیتے ہیں یا تفریط کے یعنی یا تو بخیل اور کنجوس ہوتے ہی یا مبذر اور فضول خرچ حالانکہ یہ دونوں طریقے اسلام میں ممنوع ہیں اسلام ہمیشہ میانہ روی کا درس دیتا ہے جو سب سے

بہتر راستہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

ولاتجعل یدك مغلولة الی عنقك ولاتبسطها کل البسط فتقعد ملوماً محسوراً (الآیة)

''اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھولدے اس کو بالکل کھولدینا پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا ہوا۔''

مطلب یہ کہ نہ تو اتنا بخیل بننا چاہئے کہ ہاتھ مکمل طور پر بندھا ہوا ہو اور کسی کی طرف بھی نہ پھیلے اور نہ اتنا فضول خرچ ہونا چاہئے کہ جو کچھ بھی آئے اسے فوراً اڑائے جس کا انجام یہ ہو کہ اپنے اہل وعیال کے لئے بھی کچھ نہ بچے اور پھر آدمی معتوب النفس اور لوگوں کے عتاب وتہمت وغیرہ کا نشانہ بنے بلکہ دونوں کے درمیانہ راستہ یعنی سخاوت کو اختیار کرلو اور خرچ کرنے میں تدبیر سے کام لو۔''

تاہم خرچ کے مصرف کے لحاظ سے حکم میں تبدیلی آتی ہے اگر صحیح مصرف اور حق کی راہ میں بہت زیادہ مال دیا جائے تو وہ کمال اور سخاوت ہے جبکہ غلط مقصد کے لئے اور باطل طریقے سے ایک روپیہ بھی برباد کرنا تبذیر ہے چنانچہ امام تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا اگر کوئی شخص اپنا سارا مال حق کے راستے میں خرچ کردے تو اس کو تبذیر (برباد کرنا) نہیں کہا جائے گا اور اگر آدھ سیر غلہ بھی گناہ کے راستے میں خرچ کیا تو اس کو تبذیر کہا جائے گا۔ (تفسیر مظہری ج:۷ص:۶)

اس سے معلوم ہوا کہ محض تکمیل خواہش کی خاطر مال خرچ کرنا یا کوئی چیز خریدنا جس کی ممانعت موجود ہو جیسا کہ آج کل رواج ہے کہ شادیوں وغیرہ کے موقعوں پر رسومات کی بناء پر لوگ فضولیات میں پیسے اڑاتے ہیں یا آلات لہولعب خریدتے ہیں یہ سب حرام ہیں اور قرآن کی اس آیت کے مطابق ایسے لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔

اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ ٹی وی، وی سی آر اور گانوں کے لئے ریڈیو ٹیپ ریکارڈ خریدنا ناجائز ہے کہ ایک تو ان اشیاء کا استعمال ویسے بھی حرام اور اخلاق کیلئے تباہ کن ہے دوسرا ان چیزوں پر جو کچھ خرچ ہوتا ہے وہ تبذیر میں داخل ہے۔

دوسرا باب

اجتماعی بداخلاقیوں کے بیان میں

فصل اول:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت جاریہ تو یہی ہے کہ کسی قوم امت کو انفرادی بداخلاقیوں کی وجہ سے تباہ نہیں کرتے ہیں مگر جب ان کے جرائم کی شرح اتنی بڑھ جائے اور نوبت اجتماعی بداخلاقیوں تک پہنچ جائے کہ ان میں اکثر یا پوری قوم وامت ملوث ہوجائے تو اس وقت واعظوں، مبلغوں اور نصیحت کنندگاں کا فرض اور بڑھ جاتا ہے تاکہ لوگوں کو ان کے جرائم اور گناہوں سے باز رکھیں اگر ایسے لوگ موجود نہ ہوں یا معاشرے کی خرابی کی وجہ سے ان کی بات غیر مؤثر ثابت ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل ہوتا ہے اس طرح وہ امت صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہے۔

تاریخ عالم ایسے واقعات سے لبریز ہے اور روئے زمین پر ایسے لوگوں کے کھنڈرات ویران حال آج تک ہمیں اس بات کا درس اور سبق دیتے ہیں کہ اجتماعی بداخلاقیوں کا انجام کیسے ہوتا ہے؟

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی بدولت اس امت پر اگرچہ ایسا عذاب جس سے امت مکمل طور پر تباہ اور معدوم ہوجائے نہیں آئیگا کیونکہ اس کے بعد کسی امت کو آنا نہیں جو دنیا کی نئی اخلاقی تعمیر کرسکے تاہم گذشتہ اوراق میں عرض کرچکا ہوں کہ بہت ساری احادیث سے یہ مضمون ثابت ہے کہ قیامت کے قریب بعض لوگوں کی شکلیں ان کے گناہوں اور بداخلاقیوں کی وجہ سے بندر اور خنزیر کی صورت میں تبدیل ہوجائیں گی اور زلزلوں وغیرہ کی شکل میں بعض عذاب بھی نازل ہونگے آج ہم ایسے ہی دور سے گذر رہے ہیں جس میں بداخلاقیوں کا ارتکاب اجتماعاً ہوتا ہے ایسے اعمال کی تعداد تو کافی ہے تاہم ان میں سے جو زیادہ خطرناک اور تباہ کن قسم کے گناہ اور بداخلاقیاں ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) ٹی وی اور اس زمرے کی تمام اشیاء مثلاً سنیما، وی سی آر اور اسٹیج ڈرامہ وغیرہ۔ (۲) کرکٹ اور کھیلوں کی جملہ اقسام جن کا مقصد ورزش نہیں بلکہ دل بہلانا ہوتا ہے۔ (۳) ہڑتال اور اس نوعیت کے

وہ احتجاجی جلسے، جلوس جن میں حقوق کی پامالی اور عام لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے سرکاری و نجی املاک کو نقصان پہنچتا ہے اور دیگر خرابیاں لازم آتی ہیں۔ (۴) مذہب کے نام پر غیر شرعی اور غیر اخلاقی اجتماعات و جلوس وغیرہ جیسے محرم الحرام اور ربیع الاول کے جلوس۔ (۵) علم دین کے بے قدری۔

یہ وہ عنوانات ہیں جن کا مختصر تذکرہ نہایت لازمی ہے کیونکہ یہ ایسے امراض ہیں جن کے اثرات سے معاشرہ مفلوج یا تباہ ہوسکتا ہے مگر عام لوگ ان کے نتائج سے صرف کرتے ہیں۔

فصل دوم

ٹی وی کی تباہ کاریاں:۔

تماثیل اور تصاویر کا عمل قدیم زمانے سے بتدریج ترقی کرتا ہوا اس مرحلے میں داخل ہوگیا ہے جس میں نہ صرف یہ کہ تصویر ذی صورت کے ساتھ مکمل مطابقت رکھتی ہے بلکہ اس کی ہر ادا حرکت و سکون، کلمات اور اشارات تک کی عکاسی کرتی ہے اس پر مستزاد یہ کہ بیک وقت جتنے بھی لوگ اسے دیکھنا چاہیں اور جہاں چاہیں بغیر کسی ازدحام کے اسے دیکھ سکتے ہیں۔

مگر دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ ترقی کسی انسانی خامی کا ازالہ کرنے میں معاون ثابت ہوئی ہے یا اسے بے ہودگی اور بے الفتی کے راستے پر گامزن کر رہی ہے۔

صحیح غور اور مشاہدہ کرنے کے بعد تو یہی حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ جب یہ آلات نہ تھے تو اس وقت انسانی تمدن انسانی خوبیوں سے معمور اور آراستہ تھا گو کہ اس میں ظاہری اور جعلی رونقیں نہیں تھیں مگر جب سے یہ اسباب معرض وجود میں آئے ہیں تو انسان کے حلیہ سمیت اخلاق تبدیل ہوگئے چوری، ڈاکہ، قتل و غارت بے پردگی اور زنا وغیرہ جرائم میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا اور روز افزوں یہ سلسلہ متلاطم موجوں کی طرح بڑھتا جا رہا ہے اگر کسی کا خیال یہ ہو کہ وہ اپنے بچوں سمیت بچ نکلنے میں کامیاب ہوجائے گا تو یہ اس کی خام خیالی ہوگی کیونکہ طوفان نے چاروں طرف سے اس کا احاطہ کیا ہوا ہے الا ان یشاء اللہ۔

پھر دوسرے فتنوں سے بچنا نسبتاً آسان ہے کہ آدمی اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے اندر بیٹھ جائے

مگر یہ خبیث فتنہ تو گھر کے اندر بھی موجود رہتا ہے اس لئے اس کے مضمرات پر جب غور کیا جاتا ہے تو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ بڑے فتنوں میں سے ایک ہے جن کی پیشین گوئیاں آج سے صدیوں قبل کی گئی تھیں۔

علاوہ ازیں ٹی وی وغیرہ کا مقصد صرف تسکین خاطر نہیں بلکہ اس کا اصل ہدف تو لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ کرنا ان کے ذہنوں میں اسلامی لباس' تمدن اور شرعی کردار کی حقارت بٹھانا اس کے برعکس مغربی طرز زندگی سے ان کو روشناس کرانا غیرت ایمانی کو ان کے دلوں سے نکال کر حلاوت ایمانی سے انہیں بے بہرہ کرنا تاکہ وہ ارکان اسلام اور جہاد کے عمل سے خود بخود غافل ہو جائیں اور ان کے بجائے ایسے اعمال کے متلاشی ہوں جن سے دنیاوی لذتوں کی تکمیل تو ہوتی ہو مگر آخرت کے لئے سم قاتل کے مترادف ہوں اور سب سے بڑی بات روشن خیالی اور آزادی نسواں کے بہانے عریانی فحاشی اور بے پردگی کو عام کرنا ہے جو ام الامراض اور شیطان کے تیروں میں سب سے زیادہ تیز اور زہر آلود تیر ہے۔

چنانچہ بہت سارے مخلص مسلمان اس صورت حال سے نہایت پریشان ہیں اور بزبان حال وقال اس کے خطرناک نتائج سے خبردار کرتے رہتے ہیں حتی کہ آزاد ثقافت کے قائل لوگوں نے بھی اس کے کردار پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا اور بہت سارے اخبارات جرائد اور رسائل میں اس کی نشاندہی کی گئی ازاں جملہ ایک جھلک ملحوظ ہو۔

پی ٹی وی کراچی کے پہلے جنرل منیجر ذوالفقار علی بخاری نے پی ٹی وی کے یوم تاسیس پر اس کے اغراض ومقاصد کو ایک خصوصی نشست میں مخصوص فنکاروں ڈرامہ نویسوں اور متوقع پروڈیوسروں کے سامنے اس طرح بیان کیا تھا۔

> ''آپ کا سب سے اہم مقصد یہ ہوگا کہ قوم کو اور سب سے پہلے متوسط طبقہ کو فرسودہ مذہبی تصورات سے آزاد کرائیں اور اس مقصد کو اس خوبی سے سرانجام دیں کہ لوگوں کو شعوری طور پر اس کا پتہ نہ چلے کہ آپ جدید نسلوں کو مذہبی اثرات سے پاک کرنے کی کوئی مہم چلا رہے ہیں اگر آپ نے یہ کام کر لیا تو یاد رکھیئے کہ ہم ہمیشہ کے لئے مذہبی جنونیوں اور ملاؤں سے اپنی معاشرت اور سیاست کو پاک کر دیں گے۔
>
> آپ اس مقصد کو اس طرح پورا کر سکتے ہیں کہ منافقت اور تضاد کردار کے لئے منفی ڈرامہ

کرداروں کو ڈاڑھی لگائیے مضحکہ خیز کرداروں اور افراد کو مشرقی لباس پہنائیے یہ یاد رکھیئے کہ آپ کو اپنے تمام کرداروں اور اناؤنسروں کو وہ لباس پہنانا ہے جو ہمارے ترقی یافتہ معاشرے میں سو سال بعد رائج ہونا ہے اور جو ایک فیصد اوپر کے طبقے میں رائج ہے۔''

(چنانچہ) ٹی وی کے کارپردازوں نے مکروہ عزائم کے حصول کے لئے اطلاعات معلومات تعلیم اور تفریح مہیا کرنے کے بہانے اپنی کوشش شروع کی یہی وجہ ہے کہ کم وبیش دو دہائیوں کے بعد ہماری نسلیں اس ادارے کے توسط سے باخبر اور تعلیم یافتہ ہونے کے بجائے مغرب سے مغلوب ہو کر اخلاق باختہ ہوئیں اور مغربی تہذیب کی نقال بن گئیں۔

بھارت کے سابق وزیراعظم راجیو گاندھی کی بیوی سونیا گاندھی نے بمبئی کے فائیو اسٹار ہوٹل میں ''جدید جنگ اور ہم'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں اپنی (بھارتی) ثقافت متعارف کروا کر ہم نے ایک ایسی جنگ جیتی ہے جو ہتھیاروں سے جیتنا ناممکن تھی اب سرحدوں پر لڑائی نہیں لڑی جاتی بلکہ اب نظریاتی جنگوں کا دور ہے آج پاکستان کا بچہ بچہ بھارتی ثقافت کا دلدادہ ہے اور تو اور اب پاکستان ٹیلی ویژن بھی ہمارے مذہبی رقص بڑے فخر سے دکھا کر ہمارا کام آسان کر رہا ہے۔

(ہفت روزہ تکبیر ۲۱ مارچ سنہ ۱۹۹۶ شمارہ ۱۲)

تو کیا ان بین ثبوت کے بعد بھی ٹی وی کے کردار میں کسی شک وشبہے کی گنجائش باقی رہ سکتی ہے اگر یہ گواہی کافی نہیں تو تجربہ کی نگاہ سے دیکھ کر اس کے کردار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے پس اگر حقیقت یہی ہے کہ ٹی وی کا ہدف مسلمان کے اخلاقی اقدار کو معدوم کرنا ہے تو ہر مسلمان ماں باپ کا فرض بنتا ہے کہ اپنی اولاد کو اس سے دور رکھے کیونکہ یہ ان کا اخلاقی اور شرعی حق بنتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته فالامام الذی علی الناس وهو مسئول عن رعیته والرجل راع علی اهل بیته وهو مسئول عن رعیته والمرأة راعیة علی اهل بیت زوجها وولده وهی مسئولة عنهم وعبدالرجل راع علی مال سیده وهو مسئول عنه الافکلکم راع و کلکم

مسئول عن رعیته۔

(بخاری ج:۲ص:۱۰۵۷ باب قول اللہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کتاب الاحکام ومسلم ج:۲ص:۱۲۲ باب فضیلۃ الامیر العادل الخ کتاب الامارۃ)

''خبردار تم میں سے ہر ایک شخص حاکم ہے اور ہر ایک سے سوال ہوگا اس کی رعیت کا (حاکم سے مراد منتظم، نگران اور محافظ ہے) پھر جو کوئی بادشاہ ہے وہ لوگوں کا حاکم ہے اور اس سے سوال ہوگا اسکی رعیت کا (کہ اس نے اپنی رعیت کے حق ادا کئے ان کی جان ومال کی حفاظت کی یا نہیں) اور آدمی حاکم ہے اپنے گھر والوں کا اس سے سوال ہوگا ان کا اور عورت حاکم ہے اپنے خاوند کے گھر والوں کی اور بچوں کی اس سے ان کا سوال ہوگا اور غلام حاکم ہے اپنے مالک کے مال کا اس سے اس کا سوال ہوگا۔ (غرض یہ ہے کہ) تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور تم میں سے ہر ایک سے سوال ہوگا اس کی رعیت کا۔''

اس حدیث کے تناظر میں ہر آدمی پر اپنے زیر کفالت اور زیر سرپرستی اہل خانہ کی دینی اور اخلاقی تربیت کے تحفظ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جس طرح ان کا نان نفقہ، سکونت علاج اور لباس وغیرہ اس پر واجب ہے اسی طرح ان کی تعلیمی اور اخلاقی پرورش بھی اس پر لازم ہے لہٰذا جب تک ان کے ظاہر وباطن سیرت وصورت اور جسمانی وروحانی ضروریات اور تقاضوں کو پورا نہیں کیا جاتا تو صرف کھلانے، پلانے اور پہنانے سے اس فرض سے سبکدوش نہیں ہوگا اور ارشاد خداوندی ہے ''یاایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً'' اے ایمان والو! اپنے اور اپنے اہل عیال کو آگ سے بچاؤ!

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفیل حاکم یا سردار خاوند ہو یا ماں باپ اگر اپنے زیر نگرانی لوگوں کو گناہ سے باوجود قدرت کے نہیں روکتا یا اس سلسلے میں ان کی مدد کرتا ہے تو ان سب کے گناہوں میں یہ برابر کا شریک ہوگا جب کہ ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں آئے گی اسی طرح اس کے اپنے گناہوں کا بوجھ بھی اس کے کندھوں پر پڑا رہے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

من سن سنة سيئة فعمل بها كان عليه وزرها ووزر من عمل بها لاينقص

من اوزارھم شیئاً۔

(ابن ماجہ ص:۱۸ومسند احمد ص:۳۶۱ ج:۴ فی مسندات جریر رضی اللہ عنہ)

''جس نے کوئی برا طریقہ اور گناہ کا کام ایجاد کیا اور پھر اس پر خود عمل بھی کیا تو اس کو اس کا گناہ بھی ملے گا اور اس شخص کا گناہ بھی جس نے اس پر عمل کیا اور ان کے گناہوں میں کسی چیز کی بھی کمی نہیں آئے گی۔''

ایجاد سے مراد عام ہے حکم مشورہ اور تعاون وغیرہ سب کو شامل ہے۔

ٹی وی کے بڑے بڑے چند نقصانات:۔

(۱) جہاں ٹی وی چل رہا ہو وہ جگہ رحمت کے فرشتوں سے محروم ہو جاتی ہے کیونکہ ملائکہ تصویر والی جگہ میں داخل نہیں ہوتے۔

(۲) تصویر دیکھنے کی وجہ سے آنکھیں مصروف گناہ رہتی ہیں۔

(۳) گانے اور سرود وغیرہ سننے کی بناء پر کان بھی گناہ کے دائرہ میں داخل ہوتے ہیں اس طرح ٹی وی دیکھنے سے آدمی کی آنکھیں اور کان زنا کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

(۴) اس سے مرد کو بطرف عورت اور عورت کو مرد کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔

(۵) اس سے انسان کا قیمتی اثاثہ وقت ضائع ہوتا ہے جس کا تدارک ممکن نہیں۔

(۶) اس میں تبذیر مال بھی ہے کہ محض تکمیل خواہش کی خاطر گناہ کے راستے میں مال خرچ کیا جاتا ہے جو ٹی وی خریدنے اور بجلی صرف ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔

(۷) اس سے بے حیائی پھیلتی ہے جو ایمان کے منافی ہے کیونکہ حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے لہٰذا ٹی وی کی وجہ سے مؤمن اس عظیم نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

(۸) اخلاق کی تباہی تو اس کا اصلی ہدف اور منطقی نتیجہ ہے۔

(۹) بے پردگی کا عام ہونا تو اسکا وہ تلخ ثمرہ ہے جو اظہر من الشمس ہے اور محتاج بیان نہیں بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ بے پردگی اور فحاشی کی اشاعت اس کا اولین فرض ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

(۱۰) ٹی وی دیکھنے سے نظر بھی کمزور ہو جاتی ہے۔

(۱۱) اس سے جنسی جذبات بیدار رہتے ہیں جو صحت کے لئے نقصان دہ ہیں کیونکہ اس کیفیت کے طاری ہونے سے آدمی تکمیل شہوات کا متلاشی رہتا ہے اس طرح اس کے نقصانات کی وادی میں جانا پڑتا ہے۔

(۱۲) اس کے بعض پروگراموں سے شہوت میں اتنا ہیجان پیدا ہوتا ہے کہ آدمی محارم کے متعلق بھی غلط تصورات کا نشانہ بنتا ہے اور بالآخر اس قبیح عمل میں پڑ جاتا ہے جس کے قصے آج کل بکثرت سننے میں آتے ہیں۔

(۱۳) اس سے دل زنگ آلود ہوتا ہے جس کے نتیجے میں ایک تو ہر قسم کے گناہ کا ارتکاب آسان رہتا ہے دوسرے دین سے غفلت اور بے رغبتی پیدا ہوتی ہے بلکہ احکام شرع کے متعلق شکوک اور اوہام دل پر ثبت ہو جاتے ہیں جو پہلے خال خال مالدار اور متکبر قسم کے لوگوں میں پائے جائے تھے اور آج کل ٹی وی کی وجہ سے عام لوگوں میں بھی اس بات کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱۴) گھر کے سربراہ کو مرنے کے بعد بھی ٹی وی کا گناہ ملتا رہتا ہے۔

فصل سوم

کرکٹ:۔

انسان اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے دوسری جاندار مخلوق سے ممتاز ہے اس لئے اس کا نصب العین وہ نہیں ہونا چاہئے جو عام جانوروں کا ہے بلکہ اپنی استعداد کی بدولت اس کا مقصد زندگی ایک ایسا عمل ہونا چاہئے جس میں اس کی خوبیوں کی عکاسی ہوتی ہو محض کھانا پینا اور لہو لعب اور دیگر خواہشات نفس کی تکمیل تو جانوروں کے مشغلے ہیں اگر انسان بھی ان اشیاء کو مقصد بنا کر سرانجام دینے لگے تو اس کے دائرہ حیات اور جانوروں کے عرصہ حیات میں کیا فرق رہے گا؟ تاہم اگر انسان خود اس نصب العین کا تعین نہیں کر سکتا ہے تو اسے اپنے خالق کی طرف انابت اور رجوع کرنا چاہئے کیونکہ اس نے انسان میں

جوخوبیاں ودیعت کررکھی ہیں وہی اس کی ذمہ داریوں سے زیادہ باخبر ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشادفرماکراس کےنصب العین کومتعین فرمایا۔

''وماخلقت الجن والانس الالیعبدون ''اس میں''ما''اور''الا''قصر کےالفاظ ہیں جس کا مطلب ہے کہ انسان کی تخلیق صرف اورصرف عبادت کے لئے ہوئی ہے ہاں البتہ بشری تقاضے بنیاد زندگی اورضرورت کی بناء پر پورے کرنا توضروری ہیں مگران کومقصد بنانا صحیح نہیں۔

لیکن افسوس کہ اکثر لوگ اس فرض منصبی سے ہمیشہ غافل ہوکر زندگی بھرلہو ولعب میں منہمک رہتے ہیں چنانچہ قرآن وسنت اورتاریخ عالم میں ایسےلوگوں کے ایام کا تذکرہ موجود ہے جس سے ہمیں یہی سبق ملتاہے کہ جب انسان اپنے مقصدتخلیق سے لاپرواہ رہتاہےتو اس کا انجام بدآنے والے انسانوں کے لئے درس عبرت بن جاتا ہے۔

آج اقوام عالم فضولیات اورکھیل تماشے میں جس قدرمستغرق ہیں اس کی نظیرآسمان نے کبھی نہیں دیکھی ہے کیونکہ دورحاضر میں جوآلات اوراسباب انسانوں کے لئے موجود ہیں اس سے قبل کبھی وجود میں نہیں آئے اس لئے انسانی عقل متحیر ہوکرآپے سے باہر ہوگئی اورنوبت یہاں تک پہنچ چکی کہ کھیلوں کوفضول اور لایعنی عمل کہنا الٹامنعکس ہوکرخود کہنے والے پرالزام اور بدنماداغ بن جاتا ہے جبکہ کھیلوں میں حصہ لینے والازندہ دل اوراس میں نمایاں کردارادا کرنے والاقوم کا ہیرواورمایہ نازسرمایہ سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ چیز انسان کواورخصوصاً مسلمان کو ہرگززیب نہیں دیتی کہ یہ تودوراندیشی کے منافی ہےاس کا فائدہ وقتی خوشحالی کےسوا کچھ نہیں آخرت ان فضولیات کی وجہ سے تباہ ہوجاتی ہے۔

کرکٹ ہو یا کوئی دوسرا کھیل تماشہ اس میں اتناغلو جیسے کہ آج کل ہورہا ہے تباہی عذاب اور غضب الٰہی کا پیش خیمہ ہے کیونکہ اس سےان تمام حدود کی خلاف ورزی ہوتی ہے جن کوشریعت مطہرہ نے قائم کیاہے۔

حال ہی کا واقعہ اس کی درخشاں مثال ہے جس میں عالمی سطح پر ہونے والے کرکٹ مقابلوں میں بداخلاقیوں کی تمام حدیں توڑ دی گئیں اور بظاہر کسی اصلاح کی امید بھی نظرنہیں آتی بلکہ ظن غالب

یہی ہے کہ آئندہ اس سے بڑھ کر مزید بداخلاقیوں کے مناظر سامنے آئیں گے۔

کرکٹ وغیرہ کھیلوں کے مقابلے تو ویسے بھی کئی منکرات پر مشتمل ہوتے ہیں کہ ان میں گناہ کے راستے میں پیسے لگا کر تبذیر کا لاثانی نمونہ پیش کیا جاتا ہے مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے تصویر کشی کی انتہاء ہوتی ہے نمازیں ضائع ہو جاتی ہیں زور وشور سے ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور وقت بھی ضائع ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ مگر اس دفعہ اس کی آڑ میں بے حیائی کو جو فروغ ملا اس نے اس کی شناعت اور قباحت میں اور اضافہ کر دیا چنانچہ اس بے حیائی کی اشاعت پر اکثر اخبارات اور رسائل میں احتجاجی بیانات اور مراسلات کی بھرمار رہی اور ملک بھر میں احتجاجی اجتماعات ہوئے مگر سرکاری حلقوں میں کہیں اس کا اثر قبول نہیں کیا گیا۔

یہ مقابلے سری لنکا ہندوستان اور پاکستان میں ہوئے اور تو اور مگر پاکستان جس کا قیام اسلامی نظریہ کی بنیاد پر ہوا ہے میں مسلم قوم کا وقار مجروح ہوا غیر ملکی کھلاڑیوں کے استقبال میں دختران وطن کا دستہ پیش کیا گیا کھلاڑی عورتوں سے لطف اندوز رہوتے رہے شراب نوشی اور رقص کی محفلیں قائم کی گئیں اور بہت کچھ ہوا چنانچہ تکبیر کے ادارتی نوٹ میں اس کا جائزہ کچھ یوں لیا گیا ہے۔

> ''مگر اس بار تو اس پر مستزاد یہ بھی ہوا کہ کرکٹ کے کھیل کے ساتھ رقص وسرود اور ہاؤ ہو کو ثقافت کا نام دے کر اس سے منسلک کر دیا گیا مختلف شہروں میں نہ صرف راتوں کے اندھیروں کو ناچ گانوں کی بڑی بڑی مخلوط محفلوں میں برانگیختہ کئے جانے والے جوان جذبوں سے سلگایا گیا بلکہ بے احتیاطی اور بے تکلفی اور بے لگامی کے جھکڑوں سے انہیں دہکایا بھی گیا بھنگڑے ڈالے گئے دوپٹے اچھالے گئے اور یہ سارے مناظر ٹیلی ویژن کی اسکرین پر پوری دنیا کو دکھائے گئے۔''
>
> (ہفتہ روزہ تکبیر شمارہ نمبر ۱۲، ۲۱ مارچ سنہ ۱۹۹۶)

خصوصاً بے تحاشا مالی اخراجات اس کے لئے مستقل وزارت دینا اور پوری قوم کی اس میں اتنی دلچسپی کہ میچ والے دن اپنے کام کاج بلکہ فرض نمازوں کو بالائے طاق رکھ کر اس کو انہماک سے دیکھنے سے اس کی شناعت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

تو کیا ان ساری برائیوں کے بعد بھی کرکٹ کی قباحت میں کسی شک وشبہے کا امکان رہتا ہے؟

اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو مؤمن کی شان کے مطابق اس برائی کو ختم کرنا چاہئے یا کم از کم اس سے اپنی نفرت کا بھرپور اظہار کرنا چاہئے جو ایک ادنی مؤمن کا فرض ہے ورنہ بصورت دیگر اس کا انجام بد دور نہ ہوگا کیونکہ اس کھیل کو روز افزوں جو ترقی اور مقبولیت حاصل ہو رہی ہے یہ اس بات کی غماز ہے کہ آہستہ آہستہ مسلمان بھی اہل مغرب کی طرح اپنے دین سے غافل ہو کر رہ جائیں گے۔

آج کل گلی گلی، وسط شاہراہوں پر اور چھٹی والی رات کو سرکاری بجلی سے ناجائز طور پر حاصل کردہ تیز روشنی میں صبح تک اس کھل کے مناظر بکثرت دیکھنے میں آتے ہیں جو سراسر احکام شرع کی خلاف ورزی ہے کیونکہ چوری چاہے بجلی کی کیوں نہ ہو حرام اور ناجائز ہے اسی طرح راستہ بند کر کے راہ گیروں کو پریشان کرنا قرب وجوار میں رہائش پذیر لوگوں کے آرام میں خلل ڈالنا اور کسی کے گھر میں گیند لینے کے لئے جبری انداز سے داخل ہونا یہ سب بداخلاقی کے اعلیٰ نمونے ہیں جن سے بچنا ادنیٰ ایمان کا تقاضا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

الایمان بضع وسبعون اوبضع وستون شعبة فافضلها قول لااله الااللّٰه وادناهااماطة الاذی عن الطریق ۔

(مسلم ص:۴۷ ج:۱ باب عدد شعب الایمان کتاب الایمان)

''ایمان کے کچھ اوپر ستر یا ساٹھ شعبے ہیں ان میں سب سے بہتر لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے۔''

اور ارشاد ہے۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده ۔

(بخاری ج:۱ ص:۶ باب المسلم من سلم المسلمون الخ کتاب الایمان)

''(حقیقی) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کی اذیت) سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔''

راستوں میں کرکٹ کھیلنے والے ان دو حدیثوں کے تناظر میں خود فیصلہ کریں کہ انہوں نے ارشادات مبارکہ کے مقتضیٰ پر کس حد تک عمل کیا؟

کیا ان کا شور زبان کی اذیت نہیں؟ کیا ان کی گیند اور بلّہ کسی راہ گیر کو لگ جانا ہاتھ کا عمل نہیں؟ اور کیا ان کے اس عمل سے راستہ پر چلنے والوں کو تکلیف نہیں پہنچتی آیا انہوں نے راستہ سے رکاوٹیں صاف کر کے ادنی ایمان کا ثبوت دیا یا اسے مزید دشوار گذار بنا دیا؟

فصل چہارم

ہڑتال:۔

مروجہ جمہوری طرز انتخاب سے جو بھی حکومت منتخب ہوتی ہے اسے قانونی جامہ پہنانے کی خاطر یہی کہا جاتا ہے کہ جمہوری حکومت ہے کلمة حق و ارید بھاالباطل لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آیا عقل اسے تسلیم کرتی ہے یا کچھ الگ رائے رکھتی ہے؟

جب ہم نے ارباب عقل سے اس بارے میں رجوع کیا تو سب اس پر متفق نظر آئے کہ انتخابات کا مروجہ نظام غیر فطری اور غیر عقلی ہے کیونکہ یہ نظام ایسی چند خامیوں پر مشتمل ہے جنکا ازالہ کئے بغیر عادلانہ حکومت کا قیام ناممکن ہے۔

مثلاً اس میں دو سے زائد امیدواروں کو حصہ لینے کی وجہ سے جمہوریت اور اکثریت کا اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی نمائندہ کے خلاف زیادہ ووٹ ڈالے جاتے ہیں مگر پھر بھی وہ منتخب ہوتا ہے مثال کے طور پر تین امیدواروں میں سے دو کو دس دس ہزار ووٹ ملے اور ایک کو گیارہ ہزار اب اس آخری آدمی کو جمہور کا نمائندہ کہا جاتا ہے حالانکہ اس کے خلاف بیس ہزار آدمیوں نے رائے دی ہے۔

دوسرے یہ کہ اس میں ہر کس و ناکس کے ووٹ کی حیثیت وہی ہوتی ہے جو ایک دانا اور عقلمند کے ووٹ کی ہے حالانکہ عقول میں تفاوت ایک بدیہی مسئلہ ہے لہٰذا بنظر عقل اس شخص کی رائے کا زیادہ اعتبار ہونا چاہئے جو صحیح ہو پس اسے کمزور اور ناقص رائے کے برابر قرار دینا زیادتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اس باب میں مہارت رکھنے والوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے اکثر لوگ ووٹ کی

حیثیت اور منتخب نمائندہ کی ذمہ داری سے ناواقف ہوتے ہیں اس لئے وہ اپنا ووٹ معمولی دباؤ کے تحت یا کسی لالچ کی خاطر ضائع کر دیتے ہیں۔اس لئے ان کی کثرت کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے۔

علاوہ ازیں اکثر انتخابی عمل دھاندلی سے خالی نہیں ہوتا کیونکہ اکثر امیدواروں کا مقصد قوم وملت کی خدمت کرنا نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی اس کا جذبہ ہوتا ہے بلکہ اپنے مکروہ اغراض کی تکمیل کی خاطر وہ ہر صورت میں اسمبلی کا ممبر بننا چاہتے ہیں خواہ اس کے لئے رشوت دینا پڑے ووٹ خریدنا پڑے یا دھاندلی اور جبر کرنا پڑے کیونکہ اس کامیابی کے بعد ان کے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے راستہ صاف ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسا طریقۂ کار عوام کی خیر خواہی کا راستہ نہیں ہوسکتا اور ایسی حکومت سے کسی خیر کی توقع بے کار ہے۔

مگر تعجب ہے ان سب باتوں کو تسلیم کرنے کے بعد بھی جب کوئی حزب حکومت تشکیل دیتی ہے تو وہاں ضرور اس کی مخالفت کی جاتی اعتراضات کئے جاتے ہیں اور حکومت کے خلاف پروپیگنڈا مہم چلائی جاتی ہے بلکہ مستقل جنگ کا آغاز ہوتا ہے جس کے نتیجے میں ناحق خون بہایا جاتا ہے اور املاک کو نقصان پہنچایا جاتا ہے اور ان سب اعمال کو جمہوریت کا حصہ قرار دیا جاتا ہے فیاللعجب۔

ان تمام حربوں کی ناکامی کی صورت میں جو آخری حربہ استعمال کیا جاتا ہے وہ ہڑتال کی رسم ہے جس میں حزب اختلاف والے پرامن طور سے اپنی اکثریت کو ثابت کرنے کے بجائے زور آزمائی کر کے حکومت کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس میں جائز وناجائز ہر اس طریقہ کو بروئے کار لایا جاتا ہے جس سے حکومت کو مرعوب کیا جاسکے چنانچہ یہ لوگ املاک کو نقصان پہنچاتے ہیں اور لوگوں کو ہراساں کر کے کاروبار بند کرواتے ہیں اور آج کل تو ان پرانی روایات کو چھوڑ کر گولی اور آگ کی ہڑتالیں بلائی جاتی ہے جن سے بہت زیادہ جانی ومالی نقصان ہوتا ہے حالانکہ اس طرز سیاست کے انجام اخروی پر اگر غور کیا جائے تو وہ تمام لوگ جو اس قسم کی کاروائیوں میں اگر چہ بذات خود تو ملوث نہ بھی ہوں مگر ان کی حمایت اور پشت پناہی کی وجہ سے گناہ میں سب برابر کے شریک ہونگے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انما جزاء الذین یحاربون اللّٰہ ورسولہ ویسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا او یصلبوا اوتقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض۔ ذالك لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم0

''یہی سزا ہے ان کی جولڑتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھائے جاویں یا کاٹے جاویں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا دور کردئے جاویں اس جگہ سے یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔''

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ اور رسول کے ساتھ محاربہ اور زمین میں فساد کا کیا مطلب ہے؟ اور کون لوگ اس کے مصداق ہیں۔ لفظ محاربہ حرب سے ماخوذ ہے اور اس کے اصلی معنی چھین لینے کے ہیں تو معلوم ہوا کہ حرب کا مفہوم بدامنی پھیلانا ہے اور ظاہر ہے کہ اکا دکا چوری یا قتل وغارتگری سے امن عامہ سلب نہیں ہوتا بلکہ یہ صورت جبھی ہوتی ہے جبکہ کوئی طاقتور جماعت رہزنی اور قتل وغارتگری پر کھڑی ہوجائے۔ (تفسیر مظہری ص:۴۵۲ ج:۳)

آیت مذکورہ میں پہلی تین سزاؤں میں مبالغہ کا لفظ اور جمع کا صیغہ استعمال فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ ان کا قتل یا سولی چڑھانا یا ہاتھ پاؤں کاٹنا عام سزاؤں کی طرح نہیں کہ جس فرد پر جرم ثابت ہو صرف اسی فرد پر سزا جاری کی جائے بلکہ یہ جرم جماعت میں سے ایک فرد سے بھی صادر ہوگیا تو پوری جماعت کو قتل یا سولی یا ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔ (معارف القرآن ص:۱۲۸ ج:۳)

آیت کے آخری حصہ میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ سزائے شرعی جو دنیا میں ان پر جاری کی گئی ہے یہ دنیا کی رسوائی ہے اور سزا کا ایک نمونہ ہے اور آخرت کی سزا تو اس سے بھی سخت اور دیرپا ہے۔ (ایضاً ص:۱۳۰ ج:۳)

ہمارے سیاسی لیڈروں کو ان سزاؤں اور وعیدوں کی شدت سے ڈرنا چاہئے کہ ان کی وجہ سے ملک کا جو امن تباہ ہورہا ہے فساد پھیل رہا ہے قتل وغارتگری میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے ان سب کی ذمہ داری انہی پر عائد ہوتی ہے خواہ ان کا تعلق حزب اختلاف سے ہو یا حزب اقتدار سے دونوں گروہ ان

جرائم میں ملوث ہیں اور ایسے لوگوں کے پیروکاروں کو بھی سوچنا چاہئے کہ وہ کس کی خاطر اپنی آخرت برباد کررہے ہیں ایسے لوگوں کی دوستی وقتی خودغرضی پر مبنی ہوتی ہے کبھی اس میں دوام نہیں آسکتا بلکہ انجام کار یہ ہوگا کہ روز قیامت ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ کر ایک دوسرے سے بے زار ہوجائیں گے مگر اس وقت کی حسرت کا پھر کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت کعب رحمہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں داخل ہوئے اور ہم لوگ بھی وہاں موجود تھے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کعب ہمیں ایسی باتیں بتا جو قرآن سے مشابہت رکھتی ہوں حضرت کعب نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ سب لوگوں کو ایک گرم چٹیل میدان میں جمع کردیں گے پھر ہر جماعت کو اپنے پیشوا لیڈر کے ہمراہ حاضر عدالت کیا جائے گا ان میں سے پہلے اس مقتدا اور پیشوا کو بلایا جائے گا جس نے اپنے لوگوں کو ہدایت کی تعلیم دی ہو پس جب وہ پیش ہوگا تو اسے اس کا اعمال نامہ سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا اس میں مندرج نیکیاں لوگوں کو نظر آئیں گی یہ پہلے اپنے سیئات کو پڑھنے لگے گا تاکہ عجب میں واقع نہ ہو اور لوگ اسے خوشخبری دیں گے یہاں تک کہ وہ اپنے ذہن میں یہ سوچے گا کہ میں تو ہلاک ہوگیا لیکن جب اس کے اخیر تک پہنچ جائے گا تو اس میں لکھا ہوا پائے گا کہ میں نے تیرے سارے گناہ معاف کردیئے اور اسی کے ساتھ ایک چمکدار تاج اس کے سر پر رکھ دیا جائے گا پھر اسے کہا جائے گا کہ جاؤ اپنے ساتھیوں کو بھی یہ خوشخبری سنادو پس جب وہ جانے لگے گا تو وادی والوں میں سے ہر ایک کہے گا کہ اے اللہ اسے ہم میں سے بنا' یہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ کر اعلان کرے گا ''ھآؤم اقرء وا کتابیہ'' آیئے میرا نامہ اعمال پڑھیئے میری مغفرت کردی گئی اور تم لوگ بھی خوش ہو کہ آپ کی بھی ہوجائے گی اور جب گمراہ لیڈر کو بلایا جائے گا تو وہ آکر اپنا نامہ اعمال سیدھے ہاتھ سے وصول کرنا چاہے گا مگر اس کا یہ ہاتھ گردن کے ساتھ باندھا جائے گا اور الٹا ہاتھ پیچھے کی طرف کرکے اس میں اعمال نامہ دیا جائے گا اور گردن بھی پیچھے کی طرف موڑ دی جائے گی اس کتاب میں سب سے پہلے نیک اعمال مندرج ہونگے تاکہ وہ یہ نہ کہے کہ اس سے میرے نیک عمل حذف کئے گئے ہیں اور لوگ جو اس کے گناہوں کی فہرست کو دیکھ رہے

ہونگے اس سے کہیں گے کہ تو ہلاک ہوگیا یہاں تک کہ جب پورا پڑھ کر آخر تک پہنچے گا تو اس میں یہی مسطور ہوگا ''وانه حق عليك كلمة العذاب'' تیرے لئے عذاب کا فیصلہ ہو چکا اور اس کے ساتھ اس کا چہرہ رات کی تاریکی کی طرح بالکل سیاہ ہو جائے گا اور آگ کا ایک تاج اس کو پہنایا جائے گا جس سے دھواں اٹھتا رہے گا پھر اس سے کہا جائے گا کہ جاؤ اور اپنے ساتھیوں کو یہ بتاؤ کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے بھی یہی حکم ہے پس جب وہ جانے لگے گا تو وادی والوں میں سے اسے دیکھ کر ہر ایک کہے گا کہ اے اللہ یہ ہمارے پاس نہ آئے اور ہر ایک اس پر لعنت کرے گا بالآخر جب وہ پنے ساتھیوں کے پاس آئے گا تو وہ اس پر لعنت کر کے اس سے بے زاری کا اعلان کریں گے اور یہ بھی ان پر لعنت کرے گا جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا۔

"ثم يوم القيامة يكفر بعضكم ببعض ويلعن بعضكم بعضاً"۔(سورۃ عنکبوت)

''پھر قیامت کے دن منکر ہو جاویں گے ایک سے ایک اور لعنت کرو گے ایک کو ایک''۔

تو یہ (غصہ میں آ کر) ان سے کہے گا خوشخبری سنو کہ تم میں سے ہر ایک کے لئے یہی حکم ہے۔ (تنبیہ الغافلین ص:۱۸۱)

تنبیہ:۔

غیر اسلامی حکومت کے خلاف جدو جہد کرنا اور شرعی حکومت کے لئے راستہ ہموار کرنا ہر عام وخاص پر لازم ہے مگر یہ ذمہ داری سب سے زیادہ علماء پر عائد ہوتی ہے جس کے دو ہی طریقے ہیں اگر حکومت کا رویہ لچکدار ہو اور احکام شرعیہ کی تنفیذ کی امید باقی ہو تو اس صورت میں پرامن طریقے سے لوگوں کی ذہن سازی کی جائے تا کہ وہ قبول احکام کیلئے تیار رہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کی اصلاح کی بھی کوشش کی جائے لیکن اگر حالات اتنے بگڑ جائیں کہ مذکورہ امید ختم ہو جائے اور حکومت کا کردار طاغوتیت کی عکاسی کرتا ہو تو ایسی صورتحال کے مقابلہ کرنے کے لئے کبار علماء وقت کی مناسبت سے جو بھی متفقہ لائحہ عمل وضع کریں ان کا ساتھ دینا عوام کا فرض ہے تاہم ان دونوں پہلوؤں میں نیت اور جذبہ قوم کی خدمت اور دین کی اشاعت کا ہونا چاہیے خود غرضی کی کوئی آمیزش اس میں نہیں ہونی چاہیے۔

فصل پنجم

مذہب کے نام پر رسمی اجتماعات:۔

اسلام ہمیشہ امن وسلامتی کا درس دیتا ہے اس کا کوئی ضابطہ اور قانون ایسا نہیں جس سے کسی امن پسند انسان کو تکلیف پہنچے مگر افسوس ہے کہ اسلام دشمن عناصر نے اسلام کے نام پر اس میں اپنی طرف سے کچھ ایسی رسومات کا اضافہ کیا ہے جس سے مسلمانوں میں تقسیم کا عمل جاری ہوا نفرتیں پیدا ہوئیں اور بدامنی پھیل جانے سے اسلام بدنام ہوا اور وہ لوگ اس فریب کاری میں بلاریب کامیاب رہے کیونکہ جو سلامتی فرداً اور اجتماعاً اسلام میں مطلوب تھی آج جنگ وجدال میں تبدیل ہوئی تاہم آج بھی اگر اس مذہب کی دیواروں کو ان بنیادوں پر قائم کیا جائے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا ہے تو یہ پھر سے ایک ہی عمارت بن کر سب کو ایک ساتھ بسانے میں کامیاب ہوسکتا ہے لیکن بظاہر ایسا ہونے کی امید نہیں کیونکہ اسلام دشمنی پر مبنی تفریق بین المسلمین کا یہ طریقہ جتنا کامیاب رہا ہے دشمنان اسلام کبھی اس سے دستبردار نہیں ہونگے اور نہ ہی اکثر مسلمانوں میں اتنا خلوص باقی رہا کہ اس مکاری اور عیاری کو سمجھنے یا سمجھانے کے بعد اس سے باز رہیں گے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ مذہب کے نام پر ایسی رسومات اور اجتماعات کو جن سے امت مسلمہ میں تفریق پڑسکتی ہے حیرت انگیز ترقی مل رہی ہے۔

ان بے بنیاد رسومات اور اجتماعات میں میلادی اور ماتمی جلوس قابل ذکر ہیں جو ربیع الاول اور محرم میں نکالے جاتے ہیں۔

چونکہ خیر القرون میں ان جلوسوں کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق یہ بدعت گمراہی اور جہنم میں لے جانے والا عمل ہے جس سے ہر ذی عقل مسلمان کے لئے بچنا لازمی ہے کیونکہ ایسے اعمال میں فائدہ کے بجائے الٹا نقصان ہوتا ہے خصوصاً ان جلوسوں کا تلخ ثمرہ تو اظہر من الشمس ہے کہ ان میں تبذیر مال کے علاوہ فساد پھیلنے کا قوی اندیشہ موجود ہے مسلمانوں کی وحدت کو دھچکا لگتا ہے اور دشمنان اسلام کو خوشی کا موقع ملتا ہے لہٰذا ایسا کام جس میں کوئی

ثواب نہ ہو بلکہ الٹا گناہ اور فساد کا موجب ہو شان عاقل سے مناسبت نہیں رکھتا۔

میلاد کے جلوس کی شرعی حیثیت:۔

ربیع الاول کی رسومات اور جلوس کے متعلق حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

''اس میں شک وشبہ کی ادنی گنجائش بھی نہیں ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت اور محبت عین ایمان ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر وفات تک زندگی کے ہر شعبہ کے صحیح حالات وواقعات اور آپ کے اقوال وافعال کو پیش کرنا باعث نزول رحمت خداوندی ہے۔ اور ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ آپ کی زندگی کے حالات کو معلوم کرے اور ان کو مشعل راہ بنائے سال کے ہر مہینے میں اور مہینے کے ہر ہفتے میں اور ہفتے کے ہر دن میں اور دن کے ہر گھنٹہ اور منٹ میں کوئی وقت ایسا نہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات بیان کرنے اور سننے ممنوع ہوں۔ یہ بات محل نزاع نہیں ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو مقرر کر کے اس میں میلاد منانا محفل اور مجلس مقرر کرنا جلوس نکالنا یا اسی دن کو مخصوص کر کے فقراء اور مساکین کو کھانا کھلانا وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل خیر القرون سے ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو کسی مسلمان کو اس میں پس وپیش کرنے کا ہرگز حق حاصل نہیں ہے کیونکہ جو کچھ انہوں نے فعلاً یا ترکاً کیا وہی دین ہے اور اس کی مخالفت بے دینی ہے تیئیس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعد از نبوت قوم میں زندہ رہے اور پھر تیس سال خلافت راشدہ کے گذرے ہیں اور پھر ایک سو دس ہجری تک حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور رہا۔ کم وبیش دوسو بیس برس تک اتباع تابعین کا زمانہ تھا عشق ان میں کامل تھا محبت ان میں زیادہ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اور تعظیم ان سے بڑھ کر کون کرسکتا ہے؟ اگر فریق مخالف ہمت کر کے ان سے یہ ثابت کردے تو چشم ما روشن دل ما شاد کسی مسلمان کو اس سے سرمو اختلاف نہیں ہوسکتا۔

لیکن اگر فریق مخالف خیر القرون سے اس کا ثبوت نہ پیش کر سکے اور تا قیامت نہیں کر سکے گا تو

سوال یہ ہے کہ باوجود محرک اور سبب کے یہ مبارک کام اور کارثواب اس وقت کیوں نہ ہوا؟ اور آج یہ کیسے کارثواب اور مبارک ہوگیا؟ بس صرف اسی ایک نقطہ پر نگاہ جما کر دوٹوک فیصلہ کرنا چاہئے وہ تمام فوائد وبرکات اور منافع اس وقت بھی تھے جن کو آج اہل بدعت حضرات بیان کرتے ہیں اور خان صاحب بریلوی، مولوی نعیم الدین صاحب مرادآبادی، مولوی عبدالسمیع صاحب، مولوی محمد صالح صاحب، مولوی یاراحمد خان صاحب، اور مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ نے اس کے اثبات پر جو دوراز کار بے فائدہ اور لایعنی دلائل پیش کر کے صفحات کے صفحات سیاہ کردئے ہیں ان کو صرف اور صرف اس مرکزی نقطہ پر نگاہ جمانی چاہئے تھی کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اہل خیر القرون نے کہا اور کیا وہی دین ہے وبس ۔

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

یہ یادرہے کہ محفل میلاد ومجلس میلاد اور چیز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس ذکر ولادت باسعادت اور شے ہے، اول بدعت ہے اور ثانی مندوب ومستحب ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (المتوفی سنہ ۱۳۲۳ھ) تحریر فرماتے ہیں نفس ذکر ولادت مندوب ہے اور اس میں کراہت قیود کے سبب آئی ہے۔

(فتاوی رشیدیہ ج:۱ص:۱۰۲)

نیز لکھتے ہیں۔

نفس ذکر ولادت فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مندوب ہے مگر بسبب انضمام ان قیود کے یہ مجلس ممنوع ہوگئی۔'' (ص:۱۱۰ج:۱)

اگر کسی عالی فہم کو نفس ذکر ولادت اور عقدِ مجلس اور محفل میلاد کا فرق سمجھ نہ آئے تو اس میں بھلا ہمارے پاس کیا علاج ہے؟

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

محفلِ میلاد کی تاریخ:۔

پوری چھ صدیاں گذر چکی تھیں کہ اس بدعت کا کہیں مسلمانوں میں رواج نہ تھا یہ نہ تو کسی صحابیؓ کو سوجھی نہ تابعی کو نہ کسی محدث کو اور نہ فقیہ کو نہ کسی بزرگ کو اور نہ ولی کو یہ بدعت اگر سوجھی تو ایک مسرف بادشاہ کو اور اس کے ایک رفیق دنیا پرست مولوی کو یہ بدعت سنہ ۶۰۴ ہج میں موصل کے شہر میں مظفر الدین کوکری بن اربل المتوفی سنہ ۶۳۰ ہج کے حکم سے ایجاد ہوئی جو ایک مسرف اور دین سے بے پرواہ بادشاہ تھا دیکھئے ابن خلکان وغیرہ اور امام احمد بن محمد مصری مالکی المتوفی سنہ لکھتے ہیں کہ:

كان ملكامسرفاً يامر علماء زمانه ان يعلموا باستنباطهم واجتهادهم وان لايتبعوا لمذهب غير هم حتى مالت اليه جماعة من العلماء وطائفة من الفضلاء ويحتفل لمولد النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فى الربيع الاول وهو اول من احدث من الملوك هذالعمل۔

(القول المعتمد فی عمل المولد)

''وہ ایک مسرف بادشاہ تھا علماء زمانہ سے کہا کرتا تھا کہ وہ اپنے استنباط و اجتہاد پر عمل کریں اور غیر کے مذہب کی پیروی نہ کریں حتی کہ دنیا پرست علماء کی ایک جماعت اس کی طرف مائل ہوگئی اور وہ ربیع الاول میں میلاد منعقد کیا کرتا تھا بادشاہوں میں وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ بدعت گھڑی ہے۔''

اور یہ مسرف بادشاہ بیت المال اور رعایا کی لاکھوں کی رقم اس بدعت اور جشن پر صرف کر دیتا تھا اور اس طرح اس نے رعیت کے قلوب کو اپنی طرف مائل کرنے کا ایک دینی ڈھونگ رچا رکھا تھا اور بے دریغ ملک اور قوم کی رقم کو اس طرح برباد کر دیا کرتا تھا چنانچہ علامہ ذہبی المتوفی سنہ ۷۴۸ ہج نقل کرتے ہیں کہ:

كان ينفق كل سنة على مولد النبى صلى اللّٰه عليه وسلم نحو ثلث مائة الف۔ (دول الاسلام ص:۱۰۳ ج:۲)

''وہ ہر سال میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریباً تین لاکھ روپیہ خرچ کیا کرتا تھا۔''

اور جس دنیا پرست مولوی نے اس جشن کے دلدادہ بادشاہ کے لئے محفل میلاد کے جواز پر مواد اکٹھا کر دیا تھا اس کا نام عمر بن دحیہ ابوالخطاب (المتوفی سنہ ۶۳۳ ہج) تھا جس کو اس کتاب کے صلے میں صاحب اربل اور مسرف بادشاہ نے ایک ہزار پونڈ انعام دیا تھا (دول الاسلام ص:۱۰۴)

اب ذرا اس مولوی کی تعریف بھی ملاحظہ کر لیجئے کہ وہ حضرت کیسے تھے؟ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نقل کرتے ہیں کہ:

کثیر الوقیقیة فی الائمة وفی السلف من العلماء خبیث اللسان احمق شدید الکبر قلیل النظر فی امور الدین متهاوناً ۔ (لسان المیزان ص:۲۹۶ ج:۴)

''ائمہ دین اور سلف کی شان میں بہت ہی گستاخی کیا کرتا تھا بڑا احمق اور متکبر تھا دین کے کاموں میں بڑا بے پرواہ اور سست تھا۔''

نیز حافظ موصوف لکھتے ہیں۔

قال ابن النجار رایت الناس مجتمعین علی کذبه وضعفه۔ (لسان المیزان ص:۲۹۵ ج:۴)

''علامہ ابن النجار فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو اسکے جھوٹ اور ضعف پر متفق پایا۔''

حضرات آپ نے دیکھا کہ مجلس میلاد کو رائج کرنے والا ایک فریب خوردہ اور مسرف بادشاہ تھا جو علماء کو بجائے سلف صالحین کے مذہب کی اتباع کرنے کے اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لینے کا حکم دیا کرتا تھا اور عایا کی سادگی اور مذہبی شوق سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس نے اپنی ملکی سیاست کو محفوظ کیا ہے اور حظ نفس کے لئے راستہ ہموار کیا ہے اور جواز میلاد پر کتاب لکھنے والا وہ دنیا پرست مولوی اس کو مل گیا جس کی گندی اور ناپاک زبان سے سلف صالحین بھی نہ چھوٹے اور وہ احمق اور متکبر ہونے کے ساتھ ساتھ دین کے معاملات میں بھی بہت بے پرواہ اور سست تھا۔ اور اس چالاک بادشاہ اور مکار مولوی کے ساتھ وہ بے چارے پیر اور صوفی بھی شامل ہو گئے جو دین کی تہہ تک نہیں پہنچ سکے تھے اور جو سادہ ہونے کی وجہ سے ہر چھلکے، پوست کو مغز سمجھ لیتے ہیں پھر جب بادشاہ اور ماہر نفسیات مولوی اور سادہ قسم کے صوفیاء اس کام کو دین کا کام بتا کر عوام سے اپیل کریں تو عوام بے چارے اس میں کیوں نہ پھنسیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک (المتوفی سنہ ہج) نے کیا خوب فرمایا ہے۔

وهل افسد الدين الا الملوك واحبار السوء ورهبانها۔

''یعنی دین کو تو بادشاہوں علماء سوء اور پیروں نے ہی خراب کر دیا۔''

اب جس کی مرضی ہے کہ وہ خیر القرون کی اتباع کرتا ہے یا نفس پرست بادشاہ اور زر پرست مولوی کی؟ ہم تو خیر القرون کے خیر الناس کی اقتداء کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسی کی توفیق دے۔

(راہ سنت ص: ۱۶۰ تا ۱۶۴ ابلفظہٖ)

ماتمی اجتماعات کی شرعی حیثیت:۔

حدیث اور فقہ کی عبارات اس پر شاہد ہیں کہ جب کسی کی وفات ہو جائے تو اس کے جنازہ اور تجہیز و تکفین میں شمولیت کے لئے لوگ جمع ہوں تاہم جو نماز جنازہ میں شریک نہ ہوسکا وہ بعد ازاں بھی تعزیت کرسکتا ہے۔ لیکن بہتر طریقہ یہ ہے کہ اُسے صرف پہلے دن تک محدود رکھا جائے اور حتی الامکان دوسرے اور تیسرے دن کی تعزیت سے گریز کیا جائے البتہ جو لوگ دور رہتے ہیں یا انہیں بروقت اطلاع نہ پہنچ سکے ان کے لئے دوسرے اور تیسرے دن بھی تعزیت کرنے کی اجازت اور رخصت ہے بشرطیکہ اس میں کوئی آدمی دوبارہ حاضر نہ ہو۔ (کذافی الشامی ج:۲ ص:۲۴۱)

نیز چونکہ میت کے گھر والے صدمہ میں مبتلا ہوتے ہیں اس لئے اہل محلّہ اور رشتہ دار اہل میت کا کھانا تیار کریں وبس۔ البتہ اگر میت والے ایصال ثواب کی نیت سے فقراء کو ایام سوگ کے بعد تعیین وقت کے بغیر کھانا کھلائیں یا پیسے دیں جو زیادہ بہتر ہے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے بشرطیکہ وہ صدقہ یتیم و نابالغ اور غائب کے مال سے نہ ہو اس کے علاوہ کسی کی موت پر خواہ کسی بھی حادثہ کی وجہ سے ہو ہر قسم کا اجتماع ممنوع ہے کہ شریعت مطہرہ میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا بلکہ یہ اسلام کی روح اور مزاج کے خلاف ہے۔

لہٰذا اس سلسلہ میں جو کچھ اجتماعات اور ماتمی محفلیں مروج ہیں یہ سب ہندوؤں کی رسومات ہیں جن پر جہالت اور لاپرواہی کی بنا پر اہل بدع مسلمان کاربند ہیں۔

شرعی ضابطے کے مطابق تین دن کے بعد سوائے بیوہ کے کسی مسلمان کے لئے ماتم کرنا اور اس

کی علامات کو برقرار رکھنا جائز نہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لایحل لامرة تومن باللّٰہ والیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلاث الا علی زوج فانها تحد علیه اربعة اشهر وعشراً

''جائز نہیں کسی عورت کے لئے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہو کہ کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ تک ماتم کرے سوائے بیوی کے کہ وہ چار مہینے اور دس دن تک زینت نہیں کرے گی۔''

(بخاری ص:۱۷۱ ج:۱ باب المراۃ علی غیر زوجہا کتاب الجنائز وج:۱ص:۴۵ باب الطیب للمراۃ عند غسلہا من المحیض کتاب الحیض وج:۲ص:۸۰۳ باب تحد المتوفی عنہا اربعۃ اشہر وعشراً کتاب الطلاق وج:۲ص:۸۰۴ باب والذین یتوفون منکم الخ کتاب الطلاق)

ومسلم فی آخر کتاب الطلاق باسانید متعددۃ ص:۴۸۶ وص:۴۸۷ وص:۴۸۸ وابوداؤد ج:۱ ص:۳۱۴ باب احداد المتوفی عنہا زوجہا کتاب الطلاق والترمذی ج:۱ص:۲۲۷ باب ماجاء فی عدۃ المتوفی عنہا زوجہا ابواب الطلاق واللعان والنسائی ج:۲ص:۹۹ باب الاحداد کتاب الطلاق وابن ماجہ ص:۱۵۲ باب ہل تحد المراۃ علی غیر زوجہا ابواب الطلاق ومؤطا مالک ص:۵۳۳ باب ماجاء فی الاحداد آخر کتاب الطلاق۔)

اس حدیث کے مطابق تین دن کے بعد کسی بھی عورت کے لئے سوائے بیوہ کے ماتم اور ترک زینت کی اجازت نہیں بلکہ اسے چاہیئے کہ ایام سوگ کے بعد اپنے معمول کی زندگی کے مطابق لباس پہنے اور زیب وزینت کو بحال کرے تاکہ عقیدے کے مطابق عمل سے بھی یہ آشکارا ہو کہ موت ہمارے (مسلمانوں) کے لئے کوئی بری چیز اور مصیبت نہیں بلکہ یہ تو آخرت کی نعمتوں کی طرف پہلا قدم ہے جس پر سوگوار ہونے کی چنداں ضرورت نہیں تاہم فراق کی وجہ سے جو طبعی صدمہ لواحقین کو پہنچتا ہے اسکا شریعت نے پورا پورا خیال رکھا ہے کہ اعزہ واقارب کو تعزیت اور تسلی کی اجازت دی ہے۔

چونکہ عورت ایک نازک صنف ہے اس پر تکلیف کا اثر بہت زیادہ پڑتا ہے کیونکہ اس میں اتنی قوت برداشت نہیں ہوتی ہے کہ مرد کی طرح وہ نامساعد حالات کا مقابلہ آسانی سے کر سکے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ اس حکم کو عورت کے مزاج کو دیکھ کر حکیمانہ اور مشفقانہ انداز میں بیان فرمایا کہ جس میں عورت کی فطری نزاکت کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے اور عقیدہ اسلام کو بھی لہٰذا

جب عورت کے لئے یہ حکم ہوا کہ وہ تین دن سے زیادہ ماتم کو جاری نہیں رکھ سکتی ہے تو مرد کے لئے تو بطریق اولیٰ اس کی ممانعت ہوگی کیوں کہ اس کا صبر اور حوصلہ عورت سے بہر حال بلند ہوتا ہے علاوہ ازیں عورت اور مرد کے ماتم میں فرق ہے وہ یہ کہ مرد کے لباس میں ایام سوگ میں بھی کوئی خاص فرق نہیں آتا ہے کہ جو لباس اس کا پہلے زیب تن رہتا تھا غم کے ایام میں بھی وہی رہتا ہے اس کے برعکس عورت تو لباس اور صفائی وستھرائی کے علاوہ زینت بھی کرتی تھی مگر اس صورت حال میں وہ اس معمول کو پورا کرنے سے طبعاً قاصر ہوگئی ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے اس کو حکم دیا ہے کہ وہ اس احداد میں تین دن سے زیادہ کی مجاز نہیں بلکہ ایام ماتم کے ختم ہونے کے بعد وہ اپنے معمولات کو بحال کردے۔ رہا مرد تو چونکہ اس کا ترک زینت کے حکم سے تعلق نہیں تھا اس لئے اس حکم میں شامل نہیں کیا گیا۔

پس معلوم ہوا کہ کسی بھی مرد یا عورت کے لئے تین دن کے بعد کسی بھی ماتمی محفل منعقد کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ یہ چیز غم کی یاد دلاتی ہے اور یہ شریعت کے مذکورہ حکم اور مزاج کے خلاف ہے۔

مگر افسوس ہے کہ امت مسلمہ کے بعض جاہل لوگوں پر ہندوؤں کا اثر اتنا غالب رہتا ہے کہ وہ خوشی اور غمی میں اسلامی روایات سے ہٹ کر ہندوانہ رسومات پر عمل پیرا رہتے ہیں ایسی رسومات کی فہرست تو کافی لمبی ہے مگر ان میں زیادہ قابل ذکر اور موضوع بحث سے متعلق رسم ماتمی جلوس ہے جو محرم کی ۱۰ تاریخ کو یوم شہادت حسین (رضی اللہ عنہ) کے موقع پر نکالا جاتا ہے۔

اس میں نہ صرف یہ کہ ماتمی لباس پہنا جاتا ہے بلکہ بہت سارے محرمات اور منکرات کا ارتکاب بھی کیا جاتا ہے جن سے بچنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

تعزیہ کے جلوس کے نقصانات:۔

تعزیہ اور چہلم وغیرہ جلوس کی شرعی حیثیت تو اوپر کی بحث سے معلوم ہوگئی کہ یہ محض ایک رسم اور بدعت ہے سلف صالحین میں کہیں ان چیزوں کی مثال نہیں ملتی اس کے علاوہ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جو گناہ ہونے کے سوا فساد اور فتنے کو مستلزم ہوتے ہیں ان جلوسوں کا حال بھی ایسا ہی ہے کہ ان سے بعض ناواقف اور سادہ لوح مسلمان متاثر ہوکر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق بدگمانیوں کا شکار ہوجاتے ہیں

حالانکہ تمام اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت رکھنا اوران کے آپس میں جو واقعات پیش آئے ہیں ان کو لکھنے پڑھنے' پڑھانے' سننے اور سنانے سے احتراز کرنا اوران کے محاسن کا ذکر ان سے رضامندی کا اظہار ان سے محبت رکھنا اوران پر اعتراض سے بچنا فرض ہے۔ (احسن الفتاوی ص:۳۲۷ ج:۱ بحوالہ شرع عقیدہ سفارینی ص:۳۸۶ ج:۲) مزید تفصیل کے لئے حوالہ مذکورہ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جلوس کے اکثر شرکاء عموماً عقائد اسلام سے بے خبر اور غیر ذمہ دار لوگ ہوتے ہیں جو بسا اوقات ایسے اشتعال انگیز نعرے لگاتے ہیں جن کو اہل حق کے لئے برداشت کرنا ناممکن ہوتا ہے اس لئے دونوں فریق مشتعل ہوکر باہم دست وگریباں ہوجاتے ہیں اور نتیجۃً یہ جلوس کسی تباہی اور تخریب کاری پر جاکر ختم ہوجاتا ہے۔

علاوہ ازیں اس سے فرقہ واریت کو تقویت ملتی ہے مذہب مشکوک ہوجاتا ہے اور دشمنان اسلام کو اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع میسر آتا ہے۔

نیز اگر ان تمام اجتماعات کو ترک کیا جائے جو خیر القرون میں موجود اور مروج نہ تھے تو اس کا عظیم فائدہ سامنے آسکتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان واقع خلیج میں کافی کمی آجائے گی کیونکہ مذہب کے نام پر ان اجتماعات اور جلوسوں کی وجہ سے ان کے آپس میں فاصلے بڑھتے جارہے ہیں اور نفرتوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

لہٰذا جب تک ان فرقہ وارانہ شعاری جلوسوں کو ختم نہیں کیا جاتا تو کوئی امکان نہیں کہ مسلمان یک جان اور یک تن بن جائیں۔

فصل ششم

علم دین کی طرف حقارت کی نگاہ سے دیکھنا:۔

انسان کو چاہئے کہ وہ عالی اخلاق کی دولت سے آراستہ ہونے کی کوشش کرے کہ یہ ایک ایسا کیمیا ہے جو انسانی بدن کو ظاہری و باطنی خوبیوں سے مزین کر دیتا ہے اور جز لاینفک کی طرح انسانی جسم میں سرایت کر کے اتصال قائم رکھتا ہے جس کے نہ چھینے جانے کا خطرہ رہتا ہے اور نہ چوری اور گم ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے اور اسی کی بناء پر انسان مقبول بارگاہ خلاق العلیم بنتا ہے۔

پس جو آدمی اخلاق خداوندی کے ذرا برابر حصے سے سیر یاب ہو تو یہ اس کے لئے دنیا و مافیہا سے بدرجہا بہتر ہے کیونکہ دنیا کی دولت اور کھیل تماشوں کی وجہ سے اکثر لوگ قرب الٰہی سے محروم ہو جاتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو انسان کے پاس ہمیشہ کے لئے رہے یا اسے دائمی فائدہ پہنچائے الا یہ کہ اسے عمدہ اخلاق کا ذریعہ بنایا جائے مگر ایسا کم ہوتا ہے۔

چونکہ اخلاق حسنہ کا منبع اور سرچشمہ علم ہے کہ اس کے ذریعے صحیح اور غلط کی تمیز ہوتی ہے اور اسی کی کی روشنی میں بھولے ہوئے راہی منزل کا صحیح راستہ دیکھ لیتے ہیں اس لئے شریعت مطہرہ نے اس کو عالی مقام دیکر اس کے حصول پر زور دیا ہے۔

علم کے معنی ہیں کسی شی کی حقیقت کا ادراک کرنا یعنی اسے جاننا یہ مفہوم اگر چہ عام ہے اور دنیاوی امور کے متعلق جملہ مہارتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے تاہم فضیلت کا دارومدار صرف اسی علم پر ہے جو انسان کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور ظاہر ہے کہ یہ خوبی صرف شرع کے علم میں منحصر ہے کہ اسی کی بدولت انسان کا اپنے خالق اور رب سے تعلق قائم رہتا ہے اور اسی کی بناء پر شریعت مطہرہ کے قوانین اور آداب کو سمجھا جاتا ہے اس طرح انسان کی زندگی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق گذرتی ہے۔

اس کے برعکس دنیاوی علوم کا فائدہ چندروزہ ہوتا ہے موت کے بعد ان کے ثمر شیریں کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے اور نہ ہی ان سے انسان کے نصب العین کی تکمیل ممکن ہے لہٰذا یہ علوم انسان کو اعلیٰ معیار

پر فائز کرنے سے قاصر ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دنیاوی علوم انسان کی ضرورت ہیں لہٰذا ان کا مقام وہی ہونا چاہئے جو دنیا کا ہے اور شرعی علم سے چونکہ انسان کی آخرت استوار ہوسکتی ہے اس لئے اس کا درجہ دوسرے علوم سے بلند ہونا چاہئے کیونکہ ذریعہ کی حقارت اور قدر و قیمت کا دارومدار اس کے نتیجہ پر ہوتا ہے۔

مگر انسانی عقل اور مزاج میں انقلاب کا یہ حال ہوگیا کہ مذکورہ حقیقت کے باجود عارضی اور دنیاوی علوم کو مقصود بنایا گیا اور اصلی اور دوررس نتائج کا حامل علم بے سود سمجھا گیا جس کی دلیل یہ ہے کہ آج اکثر مسلمان علم دین کو بے کار سمجھ کر اسے پائے حقارت سے ٹھکراتے ہیں بلکہ اگر کوئی اس میں دلچسپی لیتا ہو یا اس کے حصول میں وقت لگاتا ہو تو یہ اسے بھی معاف نہیں کرتے بلکہ اسے مختلف مذمتوں کا نشانہ بناتے ہیں حالانکہ ان کا یہ طرز عمل اور علم کے متعلق یہ نظریہ نصوص قطعیہ اور تقاضائے عقلیہ کے خلاف ہے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے اس ردعمل پر نادم تو کجا دلائل بھی پیش کرتے ہیں مثلاً علم شرع اس لئے قابل التفات نہیں کہ اس کے حصول کے بعد آدمی معاشی طور پر محتاج غیر رہتا ہے دوم یہ کہ اس میں عزت نہیں کیونکہ آج مولویوں کی کوئی قدر نہیں کرتا سوم اب دنیا تبدیل ہوگئی ہے لہٰذا اب جدید علوم کی ضرورت اس سے زیادہ ہے چہارم چونکہ علوم شرعیہ کی بنیاد زیادہ تر عربی پر ہے اور موجودہ دور عربی کا نہیں بلکہ انگریزی کا ہے علاوہ ازیں اہل زیغ حکمرانوں کو شبہ یہ ہے کہ اہل علم طبقہ آج معاشرے پر ایک وزنی بوجھ ہے جس سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے اور ان تمام شبہوں کے علاوہ مغربی پروپیگنڈا یہ ہے کہ یہ لوگ شدت پسند اور دہشت گرد ہیں لہٰذا دنیا کے اصلاحی پروگراموں کا سب سے بڑا ہدف ان لوگوں کا خاتمہ ہونا چاہئے۔

یہ وہ شبہات ہیں جنکی وجہ سے اکثر سادہ لوح مسلمان غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں کہ باد مخالف کا مقابلہ کرنا ہر طائر کا کام نہیں کیونکہ ہر ایک میں اسکی تاب نہیں ہوتی ہے اس لئے ان کی پرواز کا رخ بسا اوقات ہواؤں کے موافق ہوتا ہے یہ تو عقاب ہے جو باد مخالف سے ٹکرا کر بلند پرواز کرتا ہے۔

ان میں سے اول الذکر شبہات کا دارومدار زیادہ تر بے پرواہی اور علم کے مقصد سے لاعلمی پر

ہے کہ ان کے خیال میں اس کا فائدہ بھی وہی ہونا چاہئے جو کسی دنیاوی تعلیم کا ہوتا ہے کہ آدمی اس کی سند لینے کے بعد آسانی زیادہ دولت کما سکتا ہے لوگوں کی نگاہوں میں اس کی وقعت بھی ہوتی ہے معاشرے میں اعلیٰ مقام پر فائز ہوتا ہے اور ہر طرح کی آسائشوں سے وہ خود بھی لطف اندوز ہوتا رہتا ہے اور اولاد بھی اور علماء چونکہ ان سہولتوں سے اکثر محروم رہتے ہیں اس لئے ایسی تعلیم کا کیا فائدہ جو زندگی بھر تکالیف اور احساس کمتری کا باعث ہو؟

یہ شبہ وزنی ہوتا مگر اس وقت کہ اگر علم دین پڑھنے کا مقصد صرف دنیوی فوائد میں منحصر ہوتا جو اوپر ذکر ہوئے ہیں حالانکہ ان میں سے کوئی بات طالب علم کا ہدف نہیں اگر کوئی ان اغراض کی خاطر علم حاصل کر رہا ہو تو وہ غلطی پر ہے اور اسے چاہئے کہ اس کے بجائے کوئی دنیاوی علم و ہنر حاصل کرے جس سے اسکے مذکورہ اغراض پورے ہوں ایسے شخص کی نسبت یقیناً مذکورہ شبہات صحیح ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ علوم شرعیہ میں مہارت کا مقصد اصلی شریعت مطہرہ کے احکامات کے مطابق زندگی گذارنا اور اس سلسلہ میں لوگوں کی راہنمائی کرنا اور بارگاہ خدائے تعالیٰ میں مقام قرب حاصل کرنا ہے گویا علم دنیاوی کے ثمرات دنیا میں اور علوم شرعیہ کے آخرت میں ملتے ہیں۔

ہاں البتہ دنیا میں مقام حاصل ہونا چونکہ اس کے منافی نہیں اس لئے کبھی کبھی اس کی برکات کا مشاہدہ دنیا میں بھی کیا جاتا ہے بالفاظ دیگر جس طرح کہ نماز روزہ اور حج وغیرہ کے نتائج دنیا میں سامنے نہیں آتے اس طرح علم بھی ہے۔

علاوہ ازیں مذکورہ بحث موجودہ حالات کے تناظر میں کی گئی ہے ورنہ جب اہل علم عوام الناس کی دینی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں اور ان کی طرف سے ایک اہم فریضہ ادا کرتے رہتے ہیں تو ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ علماء کے حوائج پورے کریں اور اس ذمہ داری میں حکمران سرفہرست ہونے چاہئیں جیسا کہ اسلامی حکومتوں کا فرض بنتا ہے تاہم جب ایسا نہیں ہوتا تو علماء کو اپنی ذمہ داری میں کوئی غفلت نہیں برتنی چاہئے۔

رضینا قسمۃ الجبار فینا
لنا العلم وللجہال مال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب علم کا چراغ روشن فرمایا تو انہوں نے اس بات کی پرواہ ہرگز نہ کی تھی کہ اس سے مجھے کتنی عزت ملے گی اور کتنی دولت بلکہ ہمہ وقت اس روشنی سے جہل کے ظلمات کو مٹاتے رہے اور ان کی یہ محنت اس طرح بارآور ثابت ہوئی جس کو آج سب دنیا دیکھ رہی ہے اور یہ ان کے لئے بلا مبالغہ ہر دولت سے بہتر ہے اس کے برعکس جن لوگوں نے دولت کے تو انبار لگا دیئے اور وقتی عزت سے خوب لذت اندوز ہوئے مگر آج ان کا نام لینے والا کوئی نہیں ملتا اور نہ ہی ان کے نام کے ساتھ کوئی لفظ ادب استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سے علم کے رتبے کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ البتہ ان شبہات کو تقویت دینے میں بعض رسمی علماء کا بڑا دخل ہے جنہوں نے اخلاق نبوی سے انحراف کی بناء پر اپنا مقام بھی ختم کر دیا اور ساتھ ساتھ ان عظیم الرتبہ شخصیات کا بھی جن کے دیدار کے لئے آنکھیں تڑپتی ہیں علم کی کمی حرص اور لالچ اور اغنیاء کی چاپلوسی وغیرہ یہ ایسے محرکات ہیں جن سے وقار تباہ ہو جاتا ہے اللہ ان کو قلبی استغناء کی دولت سے سرفراز فرمائے تاکہ وہ ان بے وقعت حرکات سے باز آ جائیں۔

اور جہاں تک ان شبہات کا تعلق ہے جن کے مطابق علم دین کے ساتھ انگریزی کو لازماً سیکھنا چاہئے کہ آج اس کی بڑی ضرورت ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج اکثر طلباء وعلماء اس سے متاثر ہو کر دونوں کشتیوں پر سوار ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ شبہ گو کہ سابقہ وجوہات سے نسبتاً بہتر معلوم ہوتا ہے مگر بشری قدرت ماحول کی تاثیر اور دونوں قسم کی تعلیمات میں تضاد عمل و کردار کا جائزہ لینے کے بعد یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس شبہے کا دارومدار بادی النظر اور سطحی رائے پر ہے۔

کیونکہ چند مثالوں کے علاوہ اکثریت کا حال یہ ہے کہ انگریزی میں دلچسپی لینے کے بعد جب طلباء اس کے ماحول میں جاتے ہیں تو ان میں استقامت علی الدین کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے اور بجائے متقی بننے کے وہ ملحدانہ نظریات کے حامل ہو کر عمل صالح سے محروم ہو جاتے ہیں گویا انگریزی بدعملی اور بداخلاقی کا افسوں ہے۔ بعبارت دیگر یوں سمجھنا چاہئے کہ علوم عصریہ اور علوم شرعیہ کے درمیان وہی نسبت قائم ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان ہے۔ کہ دنیا فی نفسہا خراب چیز تو نہیں ہے مگر اس میں دلچسپی لینے کے بعد آدمی اس کا بن جاتا ہے اور آخرت کو بھول جاتا ہے اس لئے حتی الوسع اس سے

گریز کرنا چاہئے کیونکہ ہر ایک اس کے فریب سے نہیں بچ سکتا۔

علاوہ ازیں انگریزی پڑھنے والے آج اتنی تعداد میں موجود ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے انگریزی کسی بحران کا شکار نہیں ہوگی جبکہ علم کی طرف مکمل توجہ اور وقت دیئے بغیر اس کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ موجود ہے۔

نیز دنیا میں کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جو ہر چیز میں خود کفیل ہو بلکہ ہر ایک کا حال یہ ہے کہ اگر ایک فن میں مہارت رکھتا ہو تو دوسرے سے بالکل بے خبر اور جاہل رہتا ہے جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ آج تک کوئی ایسا انسان پیدا نہیں ہوا جو بیک وقت سب چیزیں جانتا ہو کہ وہ ماہر ڈاکٹر بھی ہو اور انجینئر بھی ہو ' پائلٹ بھی ہو اور زراعت پیشہ بھی اور عالم بھی ہو اور صناع وغیرہ بھی۔ حاصل یہ کہ یہ سب کچھ بننا ایک خیال محال الوقوع ہے یعنی امکان ذاتی تو ہے مگر وقوعی نہیں۔

لہٰذا جب ہر شخص دوسرے کا محتاج ہے تو اگر عالم انگریزی میں کسی کی ترجمانی کا محتاج ہو گیا تو اس میں عقلاً کونسی قباحت ہے؟

رہے آخر الذکر شبہات تو یہ محض اسلام دشمنی پر مبنی ہیں تا کہ ان کے ذریعے عوام الناس کو علم اور علماء سے متنفر کیا جا سکے اور اس طرح اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کر سکے۔

چونکہ ان شبہات میں خیر خواہی کی کوئی آمیزش نہیں اس لئے ان کی طرف توجہ بھی نہیں کرنی چاہئے اور اگر کوئی ان کا جواب دینا چاہے تو سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ وہ خود بھی اپنا کردار درست کرے اور دیگر مسلمانوں کو اس کے لئے تیار کرے۔ یہ عملی جواب اتنا مفید اور مؤثر رہے گا کہ دشمن خود ہمارے فضل وکمال کا قائل ہو جائے گا۔

تیسرا باب

حقوق اور عمدہ اخلاق کے بیان میں

فصل اول

ماں باپ کے حقوق:۔

وقضی ربك الاتعبدوا الاایاہ وبالوالدین احساناً اما یبلغن عندك الکبر احدھما او کلاھما فلاتقل لھما اف ولاتنھرھما وقل لھما قولاً کریماً 0واخفض لھما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمھما کماربیانی صغیراً0

''اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو اس کے سوائے اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک ان میں یا دونوں تو نہ کہہ ان کو ہوں اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان سے بات ادب کی اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کر کے نیازمندی سے اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا۔''

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے والدین کے ادب واحترام اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر واجب فرمایا ہے جیسا کہ سورہ لقمان میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملا کر لازم فرمایا ہے''ان اشکر لی ولوالدیك''یعنی میرا شکر ادا کر اور والدین کا بھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ کی عبادت کے بعد والدین کی اطاعت سب سے اہم اور اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرح والدین کا شکر گذار ہونا واجب ہے۔

صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی اس پر شاہد ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز اپنے وقت مستحب میں اس نے پھر دریافت کیا کہ اس کے بعد کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا والدین کے ساتھ اچھا سلوک۔ (بخاری ج:۲ص:۸۸۲ کتاب الادب)

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق اسلام کے سب سے بڑے ستون نماز کے بعد افضل ترین عبادت ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ (قرطبی ج:۶ص:۳۸۵۴)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضرت اولاد پر ماں باپ کا کتنا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''هما جنتك و نارك'' کہ وہ تمہاری جنت اور دوزخ ہیں۔

(ابن ماجہ ص:۲۶۹ باب برالوالدین ابواب الادب کا پہلا باب)

مطلب یہ ہے کہ انکی اطاعت فرماں برداری اور خدمت سے جنت ملتی ہے اور اس کے برعکس نافرمانی ایذاء رسانی اور بے ادبی کرنے والے شخص کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کے ماں باپ ہیں اور وہ صبح کو ان کی خیریت دریافت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھول دیتا ہے اور اگر والدین میں سے ایک ہی ہے تو ایک دروازہ اور اگر اس نے والدین میں سے کسی کو ناراض کر دیا تو اللہ اس شخص سے اس وقت تک راضی نہ ہوگا جب تک کہ وہ راضی نہ ہو جائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ اگر ماں باپ ظلم کریں جب بھی؟ کہا ظلم کریں جب بھی۔

(الادب المفرد باب بروالدیہ وان ظلما باب نمبر۴ حدیث نمبر۷ ص:۱۹)

مطلب یہ ہے کہ اولاد کو ماں باپ سے ظلم کا بدلہ لینے کا حق نہیں کہ انہوں نے ظلم کیا تو یہ بھی خدمت سے ہاتھ کھینچ لیں بلکہ ان کو بہر حال ان کی خدمت واطاعت کرنی چاہئے۔

اور حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے ''واخفض لهما جناح الذل من الرحمة'' کی تفسیر میں منقول ہے کہ ماں باپ کو اگر کوئی چیز پسند ہو تو اس سے دریغ نہ کرو۔

(الادب المفرد ص:۲۰ باب نمبر۵ لین الکلام لوالدیہ حدیث نمبر۹)

ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے؟

ویسے تو والدین دونوں قابل قدر اور واجب صد احترام ہیں مگر بظاہر والدہ بہ نسبت والد کے زیادہ اس قابل اور مستحق ہے کہ اسکی زیادہ سے زیادہ خدمت کی جائے گو کہ اکرام باپ کا زیادہ کرنا چاہیے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھ پر خدمت اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''امك ثم امك ثم امك ثم اباك ثم ادناك'' یعنی تیری ماں میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں اس کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے اس کے بعد جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں پھر جو ان کے بعد قریبی رشتہ دار ہوں۔ (بخاری ص:۸۸۳ ج:۲ باب من احق الناس بحسن الصحبۃ ومسلم ج:۱ ص:۳۱۲ اول باب کتاب البر والصلۃ واللفظ لہ)

چونکہ ماں باپ سے زیادہ صعوبتیں اٹھاتی ہے خصوصاً حمل، زچگی اور رضاعت کے دوران جن میں باپ کا کسی بھی تکلیف سے واسطہ نہیں پڑتا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کے حقوق کی ادائیگی زیادہ مؤکد فرمائی۔

ماں باپ کے مختلف حقوق:۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک صرف یہ ہی نہیں ہے کہ ان کی خدمت اور اطاعت کی جائے بلکہ اس میں یہ بھی داخل ہے کہ جن لوگوں سے والدین کی قرابت یا دوستی ہو ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کرے خصوصاً ان کی وفات کے بعد، صحیح بخاری میں بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باپ کے ساتھ بڑا سلوک یہ ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

اور حضرت ابو اسید بدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا تھا ایک انصاری شخص آیا اور سوال کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی ان کا

کوئی حق میرے ذمہ باقی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ان کے لئے دعا اور استغفار کرنا اور جو عہد انہوں نے کسی سے کیا تھا اس کو پورا کرنا اور ان کے دوستوں کا اکرام کرنا اور ان کے ایسے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرنا جن کا رشتہ قرابت صرف انہیں کے واسطے سے ہے والدین کے یہ حقوق ہیں جو مرنے کے بعد بھی تمہارے ذمہ باقی ہیں۔ (الادب المفرد ص:۳۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ حضرت خدیجہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کی سہیلیوں کے پاس ہدیہ بھیجا کرتے تھے جس سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حق ادا کرنا مقصود تھا جب بیوی کے حقوق کی پاسداری کا یہ حال ہے تو ماں باپ کے حقوق کا کیا حال ہوگا؟

(تفسیر قرطبی ص:۳۸۵۷ ج:۶)

ایک دفعہ ایک اعرابی بدوی عرب سفر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ملا اس اعرابی کا باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوست تھا اعرابی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تم عمر کے بیٹے نہیں ہو؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں اس کے بعد انہوں نے اعرابی کو ایک گدھا دیا جسے وہ ساتھ لائے تھے اور اپنے سر سے عمامہ اتار کر دیدیا ان کے بعض ساتھیوں نے کہا اس اعرابی کے لئے تو دو درہم بہت تھے اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنے باپ کی دوستی کو نبھاؤ اسے ختم نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارا نور بجھا دے گا۔ (الادب المفرد باب نمبر ۲۰ برمن کان یصلہ ابوہ حدیث نمبر:۴۰ ص:۳۱۔ ومسلم ج:۲ ''باب فضل صلۃ اصدقاء الاب'')

والدین کے ادب کی رعایت خصوصاً بڑھاپے میں:۔

والدین کی خدمت واطاعت والدین ہونے کی حیثیت سے کسی زمانے اور کسی عمر کے ساتھ مقید نہیں ہر حال اور ہر عمر میں والدین کے ساتھ اچھا سلوک واجب ہے لیکن واجبات وفرائض کی ادائیگی میں جو حالات عادۃً رکاوٹ بنا کرتے ہیں ان حالات میں قرآن حکیم کا عام اسلوب یہ ہے کہ احکام پر عمل کو آسان کرنے کے لئے مختلف پہلوؤں سے ذہنوں کی تربیت بھی کرتا ہے اور ایسے حالات میں تعمیل احکام کے پابندی کی مزید تاکید بھی۔

والدین کے بڑھاپے کا زمانہ جبکہ وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہوجائیں ان کی زندگی اولاد کے رحم وکرم پر رہ جائے اس وقت اگر اولاد کی طرف سے ذرا سی بے رخی بھی محسوس ہوتو وہ ان کے دل کا زخم بن جاتی ہے دوسری طرف بڑھاپے کے عوارض طبعی طور پر انسان کو چڑچڑا بنادیتے ہیں تیسرے بڑھاپے کے آخری دور میں جب عقل وفہم بھی جواب دینے لگتی ہے تو ان کی خواہشات ومطالبات کچھ ایسے بھی ہوجاتے ہیں جن کا پورا کرنا اولاد کے لئے مشکل ہوتا ہے قرآن حکیم نے ان حالات میں والدین کی دلجوئی اور راحت رسانی کے احکام دینے کے ساتھ انسان کو اس کا زمانہ کفولیت یاددلایا کہ کسی وقت تم بھی اپنے والدین کے اس سے زیادہ محتاج تھے جس قدر آج وہ تمہارے محتاج ہیں تو جس طرح انہوں نے اپنی راحت وخواہشات کو اس وقت تم پر قربان کیا اور تمہاری بے عقلی کی باتوں کو پیار کے ساتھ برداشت کیا اب جبکہ ان پر محتاجی کا یہ وقت آیا تو عقل وشرافت کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے اس سابق احسان کا بدلہ ادا کرو آیت میں کمار بیانی صغیراً سے اسی طرف اشارہ کیا گیا اور آیات مذکورہ میں والدین کے بڑھاپے کے حالات کو پہنچنے کے وقت چند تاکیدی احکام دیئے گئے ہیں جن کا حاصل یہ کہ ان کی ہر قسم کی ایذاء رسانی سے گریز کیا جائے مثلاً یہ ہے کہ ان کو اف بھی نہ کہے لفظ اف سے مراد ہر ایسا کلمہ ہے جس سے اپنی ناگواری کا اظہار ہو یہاں تک کہ ان کی بات سن کر اس طرح لمبا سانس لینا جس سے ان پر ناگواری کا اظہار ہو وہ بھی اس کلمہ اف میں داخل ہے ایک حدیث میں بروایت علی کرم اللہ وجہہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایذاء رسانی میں اف کہنے سے بھی کم کوئی درجہ ہوتا تو یقیناً وہ بھی ذکر کیا جاتا۔ حاصل یہ ہے کہ جس چیز سے ماں باپ کو کم سے کم بھی اذیت پہنچے وہ بھی ممنوع ہے۔ (معارف القرآن ج:۵ ص:۴۵۴)

بوڑھے ماں باپ کی خدمت میں کوتاہی جنت سے محرومی کا سبب ہے:۔

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم رغم انفه ثم رغم انفه ثم رغم انفه قیل من یارسول الله قال من ادرك والدیه عنده الکبر احدهما او کلاهما ثم لم یدخل الجنة۔

(مسلم ص:۳۱۴ ج:۲ باب فضل صلۃ اصدقاء الاب)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ آدمی ذلیل ہو اور پھر ذلیل ہو اور پھر ذلیل ہو عرض کیا گیا یا رسول اللہ کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ (بدنصیب) جو ماں باپ میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پائے اور پھر (ان کی خدمت وغیرہ سے) جنت میں نہ جائے۔''

ماں باپ کی خدمت بعض اوقات جہاد سے افضل ہوتی ہے:۔

عن عبداللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال قال رجل للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اجاھد قال لك ابوان؟ قال نعم قال ففیھما فجاھد ۔

(بخاری ص:۸۸۳ ج:۲ باب لا یجاہد الا باذن الابوین ومسلم ص:۳۱۳ ج:۲ باب برالوالدین)

''حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں آپ نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟ اس نے کہا ہاں ہیں آپ نے فرمایا تو پھر انہی کی خدمت میں جدوجہد کرو۔''

مسئلہ:۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب کوئی چیز فرض عین یا واجب علی العین نہ ہو کفایہ کے درجہ میں ہو تو اولاد کے لئے وہ کام بغیر ماں باپ کی اجازت کے جائز نہیں اس میں مکمل علم دین حاصل کرنا اور تبلیغ دین کے لئے سفر کرنے کا حکم بھی شامل ہے کہ بقدر فرض علم دین جس کو حاصل ہو وہ عالم (متبحر) بننے کے لئے سفر کرے یا لوگوں کو تبلیغ و دعوت دینے کے لئے سفر کرے تو بغیر اجازت والدین کے جائز نہیں۔ (معارف القرآن ص:۴۵۳ ج:۵)

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس کسی کے ماں باپ ہوں وہ جہاد اور دین کی کسی خدمت کے لئے کبھی گھر سے باہر نہ نکلے اور صرف وہی لوگ جہاد میں اور دین کی خدمت میں لگیں جن کے ماں باپ نہ ہوں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جہاد کرتے تھے ان میں بڑی تعداد انہی کی ہوتی تھی جن کے ماں باپ زندہ ہوتے تھے۔

بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس کے ماں باپ اس کی خدمت کے محتاج ہوں اور یہ ان کو بے سہارا

چھوڑ کر ان کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے جائے اور اس جہاد کو اس کی ضرورت بھی نہ ہو کیونکہ اس میں بہت سارے لوگ حصہ لے رہے ہوں اور ہر ایک پر فرض عین نہ ہو تو ایسی صورت میں والدین کی خدمت افضل ہے اور ان کی اجازت کے بغیر جہاد وغیرہ میں جانا صحیح نہیں۔ غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات کسی طرح منکشف ہوگئی تھی اس لئے آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ گھر جا کر ماں باپ کی خدمت کرے کیونکہ ایسی حالت میں اسکے لئے ماں باپ کی خدمت مقدم ہے البتہ جب مجاہدین کی تعداد دشمن سے مقابلہ کرنے کے ناکافی ہو جائے اور امام (حکومت اسلامی کی) طرف سے نفیر عام ہو اور ہر ایک آدمی کو دعوت دی جارہی ہو تو اس صورت میں والدین کی اجازت ضروری نہیں۔

ماں باپ کے ساتھ سلوک کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے:۔

مختلف احادیث سے یہ مضمون ثابت ہے کہ ماں باپ کے ساتھ معاملہ کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور مشاہدہ اور تجربہ بھی اس کا درس دیتا ہے۔

پس جس نے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو آخرت میں اس کے لئے بڑے بڑے انعامات تو ہیں ہی مگر دنیا میں بھی وہ شخص اس کا شیرین ثمرہ دیکھے گا۔

چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ جس نے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کیا اسے خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر بڑھا دیتا ہے۔ (الادب المفرد باب نمبر ۱ امن بر والدیہ زاد اللہ فی عمرہ حدیث نمبر ۲۲ صفحہ نمبر ۲۴)

بروا آباء کم یبر ابناء کم واعفوا تعف نساء کم۔

(معارف الحدیث ص:۵۹ ج:۶ بحوالہ معجم اوسط للطبرانی)

''اپنے ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرو تمہاری اولاد تمہاری فرمانبردار اور خدمت گذار ہوگی اور تم پاکدامنی کے ساتھ رہو تمہاری عورتیں بھی پاکدامن رہیں گی۔''

اس کے برعکس جو آدمی اپنے والدین کا نافرمان ہوتا ہے وہ اخروی وبال کے ساتھ دنیا میں بھی اللہ کے غضب کا نشانہ بنتا ہے اور ان برکات وثمرات سے محروم رہتا ہے جو ماں باپ کی خدمت اور اطاعت کے صلہ میں ملتے ہیں مثلاً عمر میں کمی مال میں کمی یعنی ان کا برکت سے خالی ہونا لوگوں اور معاشرہ

میں رسوائی وغیرہ یہ سب ماں باپ کی نافرمانی کے تلخ ثمرات اور نتائج ہیں اس کے علاوہ اس کی اولاد بھی کل اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے گی جیسا کہ اس نے اپنے والدین کے ساتھ کیا تھا۔

باپ کا نام لینا اس سے پہلے بیٹھنا اور اس کے آگے چلنا خلاف ادب ہے:۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو آدمیوں کو دیکھا اور پوچھا ایک سے کہ یہ تمہارے کیا ہوتے ہیں اس نے جواب دیا یہ میرے والد ہیں اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ان کا نام نہ لو ان سے آگے نہ چلو اور نہ ان سے پہلے بیٹھو۔

(الادب المفرد باب نمبر ۲۳ حدیث نمبر ۴۴ ص:۳۲)

دس باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:۔

ماں باپ کی کامل اطاعت وفرمانبرداری کے لئے ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل دس باتوں کا اہتمام کیا جائے۔

اول:۔ جب والدین کو بھوک لگے تو ان کو کھانا کھلائے۔

دوم:۔ کپڑوں وغیرہ کی ضرورت پیش آئے تو حسب قدرت لباس پہنائے۔

سوم:۔ اگر کسی خدمت کی استدعاء کریں یا بیٹا محسوس کرے کہ خدمت کا موقع ہے تو ان کی خدمت کرے۔

چہارم:۔ جب بھی وہ بلائیں تو حاضر ہو۔

پنجم:۔ جب وہ کسی کام کا حکم دیں تو اسے انجام دے بشرطیکہ وہ کام گناہ کا نہ ہو۔

ششم:۔ نرم زبان اور دھیمی آواز میں ان سے بات کرے اور سخت لہجے سے گریز کرے۔

ہفتم:۔ ان کا نام نہ لے۔

ہشتم:۔ ان کے آگے نہ چلے اور ان سے پہلے نہ بیٹھے۔

نہم:۔ ان کے لئے وہ چیز پسند کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

دہم:۔اور یہ کہ ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہے یعنی جب بھی وہ اپنے لئے دعا کرے تو والدین کو اس میں یاد کرے اور ان کے لئے دعائے مغفرت صرف ان کی حیات تک محدود نہیں بلکہ ان کی موت کے بعد بھی اولاد پر حق ہے اور بعض تابعین سے منقول ہے کہ دن میں کم از کم پانچ مرتبہ والدین کا شکر ادا کرنا والدین کا حق ہے۔(تنبیہ الغافلین ص:۴۶۔۴۷)

فصل دوم

اولاد کے حقوق:۔

جس طرح ماں باپ کے اولاد پر حقوق ہیں اور اولاد پر ان حقوق کی ادائیگی فرض ہے اسی طرح شریعت مطہرہ نے ماں باپ پر بھی اولاد کے کچھ حقوق لازم کر دیئے ہیں جن کی انجام دہی والدین کے لئے ضروری ہے لہٰذا یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ حقوق صرف ایک جانب سے ہیں اور ماں باپ پر اولاد کا کوئی حق واجب الادا نہیں۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اولاد کی فرض شناسی اور فرض منصبی کی ادائیگی کا سارا دارومدار والدین کے کردار پر ہے پس اگر ماں باپ نے اپنی ان ذمہ داریوں کو پورا کیا جن کو شریعت نے ان پر عائد کیا ہے تو اولاد مستقبل میں اپنے فرائض پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دیگی۔اس کے برعکس اگر والدین نے بچے کے حقوق کو پامال کیا تو وہی بچہ کل ان کے لئے دردسر بن کر رہے گا۔

چونکہ بچوں کی پرورش تعلیم وتہذیب اور تادیب میں زیادہ تر کردار باپ کا ہوتا ہے اس لئے یہ ذمہ داری سب سے پہلے باپ پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی شائستگی اور تہذیب اخلاق کی حتی المقدور کوشش اور سعی کرے اور ان تمام محرکات کو بروئے کار لائے جن سے بچے کے اخلاق اور تربیت پر اچھا اثر پڑ سکتا ہے نیز ان تمام اسباب کو روبہ عمل لانے سے گریز کرے جو بچے کے اخلاق کو تباہ کر سکتے ہیں۔

مثلاً اولاً اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ نیک صالح اور باکردار اولاد کے لئے وہ ایک ایسی ماں کا

انتخاب کرے جو خود بھی کریم النفس اور شریف النسب ہو اور بچوں کی صحیح تربیت کی بھی صلاحیت رکھتی ہو کیونکہ یہ اوصاف اگر عورت کے اندر موجود نہ ہوں تو اولاد میں اعلیٰ ظرفی، عمدہ اخلاق، سلیقہ مندی او ربہترین کردار کا فقدان رہے گا۔ لہٰذا بے عیب اولاد کے لئے ماں باپ کا عیب سے پاک ہونا ضروری ہے۔ بصورت دیگر اولاد سے کسی بڑی خیر کی توقع نہیں کی جانی چاہئے۔ الا ماشاء اللّٰہ فانہ قادر علی ان یخرج الحی من المیت۔

دوم جب بچہ پیدا ہو تو اس کے داہنے کان میں اذان دے اور بائیں میں اقامت پڑھے۔ کیونکہ ایک تو اس سے بچہ ام النسیان کے ضرر سے محفوظ رہتا ہے جو شیطانی اثرات سے ہوتا ہے دوسرے اس عمل کے ذریعے اس کے دل و دماغ کو اللہ کے بابرکت نام اور اس کی توحید اور ایمان و نماز کی دعوت و پکار سے آشنا کرنا ہے گویا اس جامع دعوت سے مراد بچے کو دنیا میں آنے کے مقصد سے آگاہ کرنا اور عہدِ اَلَسْتُ کی یاددہانی ہے اور یہ کہ بچے کی آئندہ زندگی ان جامع کلمات کے مطالب و مقاصد کے مطابق بنے چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں۔

بچہ اگرچہ نہ ان کلمات کے معنی سمجھتا ہے نہ اس کو بڑا ہونے کے بعد یاد رہتا ہے کے میرے کان میں کیا الفاظ کہے گئے تھے مگر اسکی حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اس اقرار ازلی کو قوت پہنچا کر کانوں کی راہ سے دل و دماغ میں ایمان کی تخم ریزی کی جاتی ہے اور اس کا یہ اثر مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ بڑا ہونے کے بعد اگرچہ یہ اسلام اور اسلامیات سے کتنا ہی دور ہو جائے مگر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اور مسلمان کی فہرست سے الگ ہونے کو انتہائی برا سمجھتا ہے۔

(معارف القرآن ص:۱۱۶ ج:۴)

سوم یہ کہ اس کا کوئی اچھا نام رکھا جائے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حق الولد علی الوالد ان یحسن اسمہ و یحسن ادبہ۔

''باپ پر بچے کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو حسن ادب سے آراستہ کرے۔''

(معارف الحدیث ص:۲۹ ج:۶ بحوالہ شعب الایمان للبیہقی)

اور اچھے ناموں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تمہارے ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

(مسلم ص:۲۰۶ ج:۲ اول کتاب الادب)

ان دونوں حدیثوں کو باہم ملا کر یہی بات عیاں ہوتی ہے کہ کوئی ایسا نام رکھا جائے جس سے بندے کی عبدیت اور غلامی ظاہر ہو اور اسے اپنی حقیقت اور مقصد تخلیق کا ہر وقت احساس رہے کہ جب بھی اسے اس نام سے بلایا اور پکارا جائے گا تو اسے اپنے نصب العین کی یاد آجائے گی۔

چونکہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے اولیاء اللہ اور صلحاء کے ناموں میں بھی یہی راز موجود ہے اس لئے ان کا شمار بھی بہترین ناموں میں ہوتا ہے۔

چہارم حسن ادب اور تعلیم کا مرحلہ ہے اور یہ ذمہ داری تمام فرائض میں سب سے اہم ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ جس طرح کسی سایہ دار اور پھل دار درخت کے لئے پہلے موزوں محل وقوع مناسب مٹی اور عمدہ پودے کے انتخاب کے علاوہ اس کی دیکھ بھال تہذیب بروقت پانی دینا اور نامساعد ہواؤں اور مہلک بیماریوں سے محفوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے اسی طرح حال بچے کا ہے کہ والدین پر اس کی صحت جسمانی توانائی کے علاوہ حسن ادب اور اسلامی تعلیمات کے زیور سے آراستہ کرنا بھی فرض ہے تاکہ وہ بڑوں کا ادب سیکھے علم دین سے روشناس ہو کر والدین کے حقوق پہچانے مجلس و برخاست کے طریقے سے واقف ہو اور معاشرتی زندگی کے تمام شعبہائے احکام و آداب سے اچھی طرح باخبر ہو کر والدین کے لئے سایہ اور ثمر شیریں بنے۔ جس میں بیٹے کا بھی دینی و دنیوی فائدہ ہے اور والدین کا بھی نیز ایسے ماں باپ کا اپنی اولاد پر اتنا عظیم احسان ہوتا ہے کہ جس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

مانحل والد ولداً من نحل افضل من ادب حسن۔

''کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسن ادب اور اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا۔

(ترمذی ص:۱۶ ج:۲ باب ماجاء فی ادب الولد)

یعنی باپ کی طرف سے اولاد کے لئے سب سے اعلیٰ اور بیش بہا تحفہ یہی ہے کہ ان کی ایسی

تربیت کرے کہ وہ شائستگی اور اچھے اخلاق وسیرت کے حامل ہوں۔

پنجم نکاح اور شادی کی ذمہ داری ہے یعنی جب بچہ یا بچی نکاح کے قابل ہوجائے تو اس کے نکاح کا بندوبست کیا جائے کیونکہ یہ زمانہ حرارت غریزہ کے بیدار ہونے کا ہوتا ہے پس اگر اس میں اس کے ان فطری تقاضوں کو پورا نہ کیا جائے تو عین ممکن ہے کہ وہ جوانی کے نشہ میں آوارہ گردی کا شکار ہوکر اپنے اصل مقصد سے غافل ہوجائے۔جس کے گناہ میں ماں باپ بھی شریک ہوتے ہیں۔چنانچہ حضرت ابوسعید خدری اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا۔

من ولد له فليحسن اسمه وادبه فاذابلغ فليزوجه فان بلغ ولم يزوجه وصاب اثماً فانما اثمه على ابيه ۔

(معارف الحدیث ص:۴۲ ج:۶ بحوالہ شعب الایمان للبیہقی)

''جسکواللہ تعالیٰ اولاد دے تو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو اچھی تربیت دے اور سلیقہ سکھائے پھر جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو اس کے نکاح کا بندوبست کرے کیونکہ اگر وہ بالغ ہوگیا اور اس نے اس کی شادی کا بندوبست نہیں کیا اور وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوگیا تو اس کا باپ (بھی) اس گناہ کا ذمہ دار ہوگا۔''

یہ تو ہوا ماں باپ پر اولاد کے حقوق کا مختصر تذکرہ، مگر افسوس ہے کہ آج اکثر والدین ان حقوق سے غافل ہیں ان کو حق اذان کے علاوہ باقی ذمہ داریوں کی ہرگز پروانہیں رہتی کہ ہمارا بیٹا کیسا بنے گا ہاں یہ فکر تو ضرور دامن گیر رہتی ہے کہ کیا بنے گا بالفاظ دیگر یہ اس کے متعلق یہ تو نہیں سوچتے کہ کیسے بنے گا دیندار ہوگا یا بے دین بلکہ یہی سوچتے اور کوشاں رہتے ہیں کہ کوئی مالدار اور دنیادار شخص بن جائے اس لئے وہ شروع سے ہی اسکا ایسا نام یا لقب تجویز کرتے ہیں کہ جس سے اس کی منزل کی نشاندہی ہوتی ہو اور پھر تربیت بھی ان ہی اصولوں کے مطابق کرتے ہیں۔اور آج کل تو عام مشاہدہ ہے کہ اکثر لوگ اپنے بچے کے لئے کسی انگریز یا اداکار اور کھلاڑی کا نام تجویز کرتے ہیں اور اسے بے شعوری اور طفولیت کے زمانے میں ایسی تربیت دیتے ہیں کہ وہ اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ ہوکر ایک انگریز کا مکمل نمونہ بن جاتا ہے

گویا مغربی طرز تربیت اور قرآنی تعلیمات سے تغافل ایک فیشن بنا ہوا ہے جس پر آج اکثر مسلمانوں کو بھی فخر اور ناز رہتا ہے حالانکہ دین اور مذہب سے دوری اخروی فلاح اور سرخ روئی کا سبب ہرگز نہیں بن سکتی۔

مزید بریں جب بچہ یا بچی بالغ ہو جائے تو ضرورت تو اس بات کی ہے کہ اس کے نکاح کا بندوبست کیا جائے تاکہ اسے آوارہ گردی اور گناہ میں مبتلا ہونے سے بچایا جا سکے مگر عام طور سے اس ذمہ داری کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور بڑا ہو جانے کے بعد بھی اسے بڑوں کی صف میں شامل نہیں کیا جاتا اور یہ سلوک لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جس کی وجہ لاپرواہی کے علاوہ یہ بھی ہے کہ شادیوں کو اتنا مشکل بنا دیا گیا ہے کہ اس میں خواہی نخواہی تاخیر ہو جاتی ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ نکاح کو بجائے عبادت کے تجارتی اور کاروباری شکل دے دی گئی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

پھر نکاح میں تاخیر ویسے بھی ناپسندیدہ اور غیر فطری عمل ہے لیکن آزادی نسواں اور مخلوط تعلیم اور بے پردگی وغیرہ نے اس کی شناعت اور قباحت میں اور اضافہ کر دیا ہے خصوصاً ان گھرانوں کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے جہاں ایک طرف ٹوٹی وی جیسے آلات موجود ہوں اور دوسری طرف چادر اور چار دیواری غیر محفوظ ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ماں باپ جب خود اولاد کے حقوق کو پامال کریں تو پھر وہ اولاد سے کسی زیادہ خیر کی امید نہ رکھیں۔

چنانچہ ایک شخص اپنے بیٹے کے ہمراہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں حاضر ہو کر اپنے بیٹے کی نافرمانی کے متعلق شکایت کرنے لگا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس لڑکے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم باپ کی نافرمانی کرتے ہوئے اللہ سے نہیں ڈرتے ہو کہ باپ کا تو بیٹے پر فلاں فلاں حق ہوتا ہے اس پر لڑکے نے کہا امیر المؤمنین کیا بیٹے کا باپ پر کوئی حق نہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں بیٹے کا باپ پر یہ حق ہے کہ اولاد کی خاطر وہ کسی با اخلاق و با کردار اور شریف عورت سے نکاح کرے اور اس عورت کے ساتھ نکاح نہ کرے جو خاندانی اور اخلاقی اعتبار سے کل بچوں کے عار کا سبب بنے اور یہ کہ وہ

بچے کا اچھا نام رکھے اور اسے قرآن کی تعلیم دے یہ سن کر لڑکے نے کہا کہ خدا کی قسم اس نے نہ تو کسی اچھی عورت کا انتخاب کیا ہے اور نہ ہی میرا کوئی اچھا نام رکھا ہے بلکہ میری ماں ایک باندی ہے جو اس نے چار سو روپیہ کے عوض خریدی تھی اور نام میرا اجعل (چمگادڑ کا آلہ تناسل) رکھا ہے اور قرآن کی ایک آیت کی تعلیم بھی مجھے نہیں دی ہے۔

حقیقت حال کے منکشف ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے باپ کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے تم نے پہلے اپنے بیٹے کی حق تلفی بھی کی ہے اور اب اس کی شکایت کرنے بھی آئے ہو چلے جاؤ یہاں سے۔ (تنبیہ الغافلین ص: ۴۷)

فصل سوم

صلہ رحمی:۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر ایک جنس اپنے تمام افراد و انواع کے درمیان بطور قدر مشترک کے موجود رہتی ہے گو کہ وہ افراد احاطہ عدد سے خارج ہوں اور یہ افراد اس جنس کی بدولت ایک دوسرے سے منسلک رہتے ہوں اور فطری عمل کے مطابق دائرہ جنس کے اندر اس قدر مشترک کے محور کے گرد گھومتے رہتے ہیں۔ تاہم ان کے آپس میں اختیاری تعلق رکھنے کا دارومدار ان کی نوعی و شخصی صلاحیتوں پر ہے کہ اس صلاحیت کو روبہ عمل لا کر ایک دوسرے کے ساتھ کس حد تک مربوط رہتے ہیں یہ ان کے اختیار پر مبنی ہے۔

چونکہ عالم بالا کے علاوہ باقی مخلوقات میں باہمی ارتباط کی استعداد سب سے زیادہ انسان میں پائی جاتی ہے اس لئے اس سے ہمہ وقت مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اپنی استعداد کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کے تقاضوں کی تکمیل کرو تا کہ اختیاری عمل بھی فطرت کے عین مطابق بنے اسی عمل کا نام ہے صلہ رحمی۔

اس مطالبہ کے دو پہلو ہیں منفی اور مثبت اول جرم اور شدید گناہ ہے جب کہ دوسرا کار خیر اور باعث ثواب اور موجب برکات ہے۔

منفی پہلو یعنی صلہ رحمی کو نظر انداز کرنا توڑنا اور اقرباء کے حقوق سے پہلو تہی کرنا اپنی خاصیت کی بناء پر جنت سے محروم ہونے کا سبب ہے۔ چنانچہ نذیر اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

"لایدخل الجنة قاطع" قطع رحمی کرنے ولا جنت میں نہیں جائے گا۔ (بخاری ص:۸۸۵ باب اثم القاطع (کتاب الادب) ومسلم ص:۳۱۵ ج:۲ باب صلۃ الرحم وتحریم قطعیتہا (کتاب البر والصلۃ) والترمذی ص:۱۳ ج:۲ باب ماجاء فی صلۃ الرحم ابواب البر والصلۃ)

اس کے برعکس مثبت پہلو یعنی رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی پر بڑے بڑے انعامات مقرر ہیں چنانچہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ کوئی ایسا عمل مجھے بتادیجئے جو مجھے جنت میں داخل کردے تو لوگوں نے کہا اس کو کیا ہوا (کیونکہ انہیں اس طرز سوال پر تعجب ہوا کہ آپ اونٹنی پر سوار ہیں اور یہ شخص سوالات کر کے حائل سفر بننا چاہتا ہے) لیکن آپ نے اس کی تصویب فرمائی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ نماز ادا کرتے رہو زکوٰۃ دیتے رہو اور رحم کو جوڑتے رہو (یعنی صلہ رحمی کرتے رہو) اور اب اونٹنی کو چھوڑ دو۔ (بخاری ص:۸۸۵ ج:۲ باب فضل صلۃ الرحم کتاب الادب)

صلہ رحمی کے دنیاوی فوائد و برکات:۔

صلہ رحمی کا اثر صرف یہ ہی نہیں کہ اس پر آخرت میں اجر وثواب ملتا ہے اور اللہ راضی ہوتا ہے بلکہ اس کا ثمرہ شیریں یہ بھی ہے کہ اس کی بدولت رشتہ داروں اور برادری والوں کے باہمی تعلق اور محبت میں اضافہ ہوتا ہے قوت متحد ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا راستہ ہموار رہتا ہے تاہم صلہ رحمی کا زیادہ تر مدار چونکہ تحائف دینے پر ہے جس سے کسی کے دل میں یہ بات آسکتی ہے کہ اس سے میرے مال میں کمی آجائے گی اس لئے اللہ عزوجل نے اس کا بھی بندوبست فرمایا کہ جو شخص اقربہ کے ساتھ جتنا تعاون کرے گا اور صلہ رحمی کو توڑنے نہیں دے گا تو اس کو خرچ کئے ہوئے حصے سے زیادہ دیا جائے گا لہٰذا محض اس خیال کے ڈر سے کہ کہیں مال میں کمی واقع نہ ہو صلہ رحمی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے کہ اس سے تو مال مزید بڑھ جاتا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان

پاک ہے۔

من سرہ ان یبسط لہ فی رزقہ وان ینساء لہ فی اثرہ فلیصل رحمہ۔

''جس کو خوشی ہو اس بات کی کہ اسکے رزق میں فراخی اور کشادگی ہو اور دنیا میں اس کے آثار قدم تادیر رہیں (یعنی عمر میں اضافہ ہو) تو وہ اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔''

(بخاری ص:۸۸۵ ج:۲ باب من بسطا لہ فی الرزق لصلۃ الرحم کتاب الادب ومسلم ص:۳۱۵ ج:۲ باب صلۃ الرحم کتاب البر والصلۃ والادب)

صلہ رحمی کرنے میں دس حکمتیں:۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ نے صلہ رحمی کی دس حکمتیں بیان فرمائی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

اول:۔اس سے اللہ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے۔

دوم:۔یہ اہل قرابت کی خوشی اور مسرت کا سبب ہے۔

سوم:۔یہ فرشتوں کو خوش رکھنے کا ذریعہ ہے۔

چہارم:۔لوگ بھی ایسے شخص کی تعریف اور مدح بیان کرتے ہیں۔

پنجم:۔یہ ابلیس کی مایوسی اور پریشانی کا بہترین طریقہ ہے۔

ششم:۔اس سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔

ہفتم:۔اس سے رزق میں برکت اور زیادتی حاصل ہوتی ہے۔

ہشتم:۔اس کی وجہ سے مردے بھی خوش ہوتے ہیں یعنی باپ دادا وغیرہ۔

نہم:۔اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور باہمی تعلق بڑھتا ہے۔

دہم:۔یہ موت کے بعد بھی اجر کا ذریعہ ہے کیونکہ ایسے شخص کے لئے اقربہ دعائیں کرتے رہتے ہیں۔(تنبیہ الغافلین ص:۵۰)

صلہ رحمی کرنے کا طریقہ:۔

فقیہ موصوف فرماتے ہیں کہ اگر آدمی اپنے اہل قرابت اور برادری والوں سے زیادہ دور نہ

رہتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ حسب توفیق تحفہ اور ہدیہ کے ذریعہ ان سے اچھے تعلقات قائم رکھے اور یہ کہ کبھی کبھی ان سے ملنے کے لے جائے تاہم اگر تحفے کی قدرت نہ ہو تو کم از کم ملاقات اور زیارت کے لئے ضرور جایا کرے اور اگر اس کے لائق کوئی خدمت ہو تو اسے بخوشی قبول کرے اور اگر وہ دور رہتا ہو تو صلہ رحمی کا حق خط و کتابت کے ذریعہ ادا ہو جائے گا البتہ اگر وہ ملنے کے لئے خود جائے تو یہ سب سے بہتر ہے۔

اسکے برعکس جو شخص نہ تو رشتہ داروں سے ملنے کے لئے جاتا ہے اور نہ ہی تحفہ یا ہدیہ ارسال کرتا ہے تو وہ صلہ رحمی توڑتا ہے۔

اور بعض آسمانی صحیفوں میں ہے کہ اے آدم کے بیٹے مال کے ذریعہ صلہ رحمی کرو اور اگر تم بخل کرتے ہو یا تیرے پاس دینے کے لئے کوئی چیز نہیں تو ان کے پاس پاؤں سے چلو یعنی جا ملو۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ صلہ رحمی کرتے رہو اگر چہ سلام کے ذریعہ ہو۔

(تنبیہ الغافلین ص:۴۹ص:۵۰)

صلہ رحمی کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں:۔

حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مسلمان اور کافر مساوی ہیں۔

نمبر۱:۔جس سے وعدہ کرو تو اسے ضرور (بشرط قدرت) پورا کیا کرو چاہے وہ وعدہ کافر سے ہو یا مسلم سے۔

نمبر۲:۔جس نے تمہارے اوپر کسی امانت کے سلسلے میں اعتماد کیا تو اس کی امانت صحیح سالم پوری واپس کردو خواہ امانت رکھنے والا مسلم ہو یا کافر۔

نمبر۳:۔اور جو تمہارا عزیز اور رشتہ دار ہو اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو اگر چہ وہ صاحب قرابت کافر کیوں نہ ہو۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش

مکہ کے حدیبیہ والے معاہدے کے زمانہ میں میری ماں جو مشرکہ تھی سفر کر کے میرے پاس آئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں میرے پاس آئی ہے اور وہ کچھ راغب ہے تو کیا میں اس کی خدمت کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اس کی خدمت کرو یعنی اس کے ساتھ وہ سلوک کرو جو بیٹی کو ماں کے ساتھ کرنا چاہئے۔

(صحیح بخاری ص:۸۸۴ ج:۲ باب صلۃ الوالد المشرک وباب صلۃ المرء امہ ولہا زوج کتاب الادب)

حکایت:۔

ابن سلیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک خراسانی مکہ میں ہمارے ساتھ رہتا تھا جو کہ نہایت نیک اور صالح آدمی تھا امین اور دیانت دار ہونے کی وجہ سے اکثر لوگوں کی امانتیں اس کے پاس موجود رہتی تھیں۔

چنانچہ ایک شخص اس کے پاس دس ہزار دینار کی رقم رکھ کر کہیں چلا گیا اور اس اثنا میں اس خراسانی کا انتقال ہو گیا جب یہ شخص واپس مکہ آیا تا کہ اپنے پیسے وصول کرے تو معلوم ہوا کہ وہ امین شخص زندہ نہیں ہے۔ یہ سن کر وہ شخص اندھیرے کے طوفان میں ڈوب گیا کہ خدانخواستہ اگر اس شخص نے گھر میں کچھ بتایا نہ ہو تو میرا زندگی بھر کا سرمایہ تو تباہ ہو جائے گا۔ اسی لیت ولعل میں وہ خراسانی کے گھر تک پہنچ گیا جہاں سے اس کو لاعلمی کا جواب ملا پریشان حال مایوسی کے عالم میں اس نے یہ ماجرا مکہ کے فقہاء کرام کو سنایا جو کسی کام کے لئے جمع ہوئے تھے۔ ان علماء نے اس کو مشورہ دیا کہ ہمیں امید ہے کہ یہ خراسانی جنتی ہوگا لہٰذا تم آدھی رات کو زمزم کے کنویں کے پاس آ کر اس کا نام لے کر اپنی امانت یاد دلاؤ تو شاید تمہیں کوئی جواب مل جائے گا اس آدمی نے یہ طریقہ تین رات تک جاری رکھا مگر وہاں سے کوئی جواب نہیں ملا چوتھے دن وہ پھر علماء کے پاس آیا اور صورت حال پیش کی انہوں نے یہ سن کر یہ کہا انا للہ وانا الیہ راجعون شاید وہ شخص جہنمی نکلا لہٰذا تم ایسا کرو کہ یمن چلے جاؤ اور وہاں ایک وادی ہے جس کا نام برہوت ہے اس وادی میں ایک کنواں ہے جس کے کنارے پر کھڑے ہو کر زور سے اپنا مطالبہ دہراؤ آدمی مجبوری ومحتاجی کی بناء پر وہاں جانے کے لئے تیار ہوا جہاں اسے پہلی آواز میں جواب ملا۔ اس آدمی نے خراسانی سے کہا کم

بخت تو کس عمل کی وجہ سے یہاں پہنچا حالانکہ بظاہر تو تم بہت اچھے تھے؟ وہاں سے جواب آیا کہ میری قرابت والے خراسان میں تھے اور میں نے ان سے رابطہ منقطع کیا تھا جس کی وجہ سے اللہ نے مجھے یہ سزا دی رہا تیرا مال تو محفوظ ہے البتہ اس کا علم کسی کو نہیں لہٰذا تم جاؤ اور میرے بیٹے سے کہو کہ فلاں گھر میں وہ مدفون ہے وہ نکال کر تمہیں دے دیگا۔ چنانچہ اس نے آ کر اپنا مال وہاں سے نکال دیا۔

(تنبیہ الغافلین ص:۵۰)

یہ حکایت کتاب الکبائر میں بھی ہے تاہم حافظ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس پر اعتراض کر کے اسے اصول دین کے منافی قرار دیا۔

فصل چہارم

شوہر کے حقوق:۔

دنیا کے کسی بھی نظام کو چلانے کے لئے چاہے وہ بین الاقوامی ہو یا ملکی، سیاسی ہو یا غیر سیاسی، کسی ادارے کا ہو یا امور خانہ داری وغیرہ کا یہ ضروری ہے کہ متعلقہ اشخاص میں کوئی ایسی ترتیب مقرر ہو جس کے تحت ان کی ذمہ داریاں متعین ہوں بصورت دیگر وہ نظام بدنظمی کا دوسرا نام ہوگا۔ تاہم ذمہ داریوں کی یہ ترتیب محض تخمینی اور غیر شعوری طور پر نہیں ہونی چاہئے بلکہ جو شخص درحقیقت جس منصب کا اہل ہو اس کو اسی منصب پر مقرر کیا جانا چاہئے۔

میاں بیوی کی مشترکہ زندگی چونکہ ایک باریک نظام پر مبنی ہے جس میں عہدوں کی تقسیم حساس نوعیت کا مسئلہ ہے علاوہ ازیں نسل انسانی کی بقاء کا راز بھی ازدواجی زندگی میں مضمر ہے اس لئے اللہ جل شانہ نے ان دونوں کے درجوں کا تعین عام انتظامی امور کی طرح ان کے ذمہ نہیں لگایا بلکہ اپنی طرف سے حکیمانہ ارشاد فرما کر گھر کی حاکمیت کا حق مرد کے حوالہ فرمایا۔ جیسے کہ اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ'' الرجال قوامون علی النساء ''الآیۃ مرد عورتوں کے سربراہ اور ذمہ دار ہیں۔

چونکہ مرد کو فطری برتری حاصل تھی اس لئے اس کو سربراہ خانہ بنا کر بڑی بڑی ذمہ داریاں اسی پر

ڈالی گئیں اور جن کاموں میں ایسی مشقت کی ضرورت تھی جو عورت کی صنف نازک کی برداشت سے باہر تھی جو عام طور پر گھر سے باہر ہی ہوتے ہیں وہ مرد کے ذمہ لگا دیئے گئے اور عورت کو ایسے کاموں سے اس کی نزاکت اور ضعف کی وجہ سے فارغ البال کر دیا گیا۔

مگر اکثر لوگ اس حقیقت سے صرف نظر کر کے اپنے خود ساختہ اصولوں کی پیروی کرتے رہتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کی زندگی لطف سے محروم ہو جاتی ہے اور میاں بیوی اس سکون کو مانند عنقاء تصور کرتے ہیں جو ازدواجی زندگی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی اطمینان قلب اور راحت جان کا متلاشی ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی ازدواجی زندگی میں بھی حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقش قدم پر قدم زن ہو تا کہ وہ ایک پر مسرت زندگی کا منظر گھر میں بیٹھے بیٹھے دیکھ سکے جو لطف اندوزی کا سستا اور بہترین طریقہ ہے۔

وہ اصول ان ارشادات پاک میں اسطرح بیان ہوئے ہیں۔

عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت قلت یارسول اللّٰہ من اعظم الناس حقا علی المرأة قال زوجها قلت من اعظم الناس حقاً علی الرجل قال امه۔

(المستدرک ج:۴ص:۱۵۰،۱۵۷)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ عورت پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے شوہر کا میں نے پھر دریافت کیا کہ مرد پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ فرمایا اس کی ماں کا۔''

اور حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لو کنت امرا احدا ان یسجد لاحد لامرت النساء ا ن یسجدن لازواجهن لماجعل اللّٰہ علیهن من الحق ۔

(ابوداؤد ص:۲۹۱ ج:ا باب فی حق الزوج علی المراۃ کتاب النکاح)

''اگر میں کسی مخلوق کے لئے سجدے کا حکم کرتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے اپنے شوہروں کو سجدہ کریں کیونکہ اللہ نے عورتوں پر (سب سے زیادہ) شوہروں کا حق مقرر فرمایا ہے۔''

ظاہر ہے کہ شوہر کا یہ حق بیوی پر کسی مالی اعتبار سے تو نہیں ہے کیونکہ مالی حقوق کا دارومدار اور ذمہ داری تو شوہر پر ہے بلکہ اطاعت اور فرماں برداری کے لحاظ سے عورت کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ شوہر کے علاوہ عبادت کی جتنی قدر کر سکے تو کر لے کیونکہ شوہر اس کا مستحق ہے۔ حتی کہ اگر عورت نے اس فرض میں سستی کا اظہار بھی کیا تو اس نے گویا شوہر کے حقوق کی ادائیگی سے انکار کیا۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

والذی نفسی بیده مامن رجل یدعو امراته الی فراشها فتأبی علیه الاکان الذی فی السماء ساخطاً علیها حتی یرضی عنها ۔

(مسلم ص:۴۶۴ ج:۱ باب تحریم امتناعها من فراش زوجها کتاب النکاح)

''قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میرا نفس ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کرے تو آسمان والا (یعنی اللہ) اس (عورت) سے اس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا شوہر اس سے راضی نہ ہو جائے۔''

بخاری اور مسلم کی بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ ایسی عورت صبح تک فرشتوں کی لعنت کی زد میں رہتی ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ لعنت کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک عورت اپنے اس رویئے سے باز نہیں آتی اور بعض میں ہے کہ اگر وہ تندور پر روٹی پکا رہی ہو تب بھی اسکو دیر نہیں کرنی چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ عورت خواہ کسی بھی کام میں مصروف عمل ہو مگر شوہر کی اطاعت چونکہ ہر ضرورت سے زیادہ اہم ہے اس لئے وہ اپنی تمام مصروفیات معطل کر کے شوہر کے پاس آ جائے۔

اور حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فاما حقکم علی نساء کم فلایوطئن فرشکم من تکرهون ولایاذن فی

بیوتکم لمن تکرھون ۔

(ترمذی ص:۲۲۰ ج:۱ باب فی حق المراۃ علی زوجہا ابواب الرضاع وابن ماجہ ص:۱۳۴ باب حق المراۃ علی الزوج ابواب النکاح)

''پس تمہارا حق عورت پر یہ ہے کہ جس کا گھر میں آنا اور تمہارے بستروں پر بیٹھنا تمہیں ناپسند ہو وہ اس کو اجازت دیکر وہاں آ کر بیٹھنے کا موقع نہ دیں۔''

یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے جو عنقریب آ رہی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ بیوی کو ہر وقت حاضر دماغی اور ہوشمندی سے کام لینا چاہئے کیونکہ اس کی معمولی غفلت سے شوہر کا دل ٹوٹ سکتا ہے جس کا اثر ازدواجی تعلق پر پڑتا ہے اسلئے شوہر جب تک اس کو ناجائز کام کا حکم نہ دے اس وقت تک یہ اس کی ہر جائز خواہش پوری کرنے کی ہر ممکن سعی کرتی رہے اس کے برعکس جن کاموں اور عادتوں سے شوہر کو تکلیف پہنچتی ہو ان سے گریز کرنا اس کی اہم ذمہ داری ہے بشرطیکہ ان دونوں پہلوؤں میں اللہ کے حکموں کی خلاف ورزی نہ ہو بصورت دیگر اللہ کی اطاعت بہرحال مقدم ہونی چاہئے۔

فرماں بردار بیوی بہترین متاع ہے:۔

عن عبداللّٰہ بن عمر ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال انما الدنیا متاع ولیس من متاع الدنیا شیء افضل من المراۃ الصالحۃ ۔

(ابن ماجہ ص:۱۳۴ باب افضل النساء ابواب النکاح)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک دنیا سامان زندگی ہے اور زندگی کے سامان میں بہترین سامان نیک (اور فرماں بردار) عورت (بیوی) ہے۔''

فصل پنجم

بیوی کے حقوق:۔

بعض لوگ بیویوں سے تو کمال اطاعت کا مطالبہ کرتے ہیں اور اگر ان سے کسی قسم کی کوتاہی ہوجائے تو انہیں جانوروں کی طرح مارتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ آیا ہمارے اوپر بھی ان کا کوئی حق ہے یا نہیں حالانکہ اپنی بیوی کے ساتھ باندی والا سلوک کرنا قطعاً جائز نہیں اور نہ یہ طریقہ شریف لوگوں کو زیب دیتا ہے اشراف کا رویہ ہمیشہ رحیمانہ ہونا چاہئے اگر بالفرض بیوی سے ایسی غلطی بھی ہوجائے جسے گوارہ کرنا مشکل ہو لیکن یہ پھر بھی اس پر صبر کرتے ہیں گویا اپنے حق کو معاف کرتے ہیں اور بیویوں کے حقوق پوری ذمہ داری اور خوشی سے ادا کرتے ہیں یہ ہے کمال ایمان کی علامت اور رحیمانہ اخلاق کی دلیل۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اکمل المؤمنین ایماناً احسنھم خلقاً وخیارکم خیارکم لنسائھم۔

(ترمذی ص:۱۹۴ ج:۱ باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجہا ابواب الرضاع)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں میں اس آدمی کا ایمان زیادہ کامل ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور تم میں اچھے وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہیں۔'' (ترمذی)

وعن سلیمان بن عمرو بن الاحوص قال حدثنی ابی انہ شھد حجۃ الوداع مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فحمد اللّٰہ واثنی علیہ وذکر ووعظ فذکر فی الحدیث قصۃ فقال الا واستوصوا بالنساء خیراً فانما ھن عوان عندکم لیس تملکون منھن شیئاً غیر ذالك الاان یاتین بفاحشۃ مبینۃ فان فعلن فاھجروھن فی المضاجع واضربوھن ضربا غیرمبرج فان اطعنکم فلاتبغوا علیھن سبیلاً الاان لکم علی نساء کم حقا ولنساء کم علیکم حقاً فاماحقکم علی نساء کم فلایوطئن فرشکم من تکرھون

ولایاذن فی بیوتکم لمن تکرھون الاوحقھن علیکم ان تحسنوا الیھن فی کسوتھن وطعامھن ۔

(ترمذی ص:۲۲۰ ج:۱ باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا ابواب الرضاع وابن ماجہ ص:۱۳۴ باب حق المراۃ علی الزوج ابواب النکاح)

''سلیمان بن عمرو بن احوص فرماتے ہیں کہ میرے والد (عمرو بن احوص رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں حاضر ہوئے آپ نے اللہ کی حمد وثناء فرمائی اور وعظ ونصیحت کی پھر فرمایا تم عورتوں کے بارے میں یہ خیر کی نصیحت سنو کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں سوائے صحبت کے تمہارا ان پر کوئی حق نہیں سوائے اس کے کہ وہ بے حیائی کے کام کریں تو تم ان کے پاس سونا چھوڑ دو اور انہیں مارو لیکن ایسا نہیں جو تکلیف دہ ہو اگر وہ تمہارا حکم مانیں تو تم ان پر کوئی زیادتی نہ کرو خبردار تمہارا حق عورتوں پر اور عورتوں کا حق تم پر ہے پس تمہارا حق عورتوں پر یہ ہے کہ جس کا گھر میں آنا اور تمہارے بستروں پر بیٹھنا تمہیں ناپسند ہو وہ اس کو اجازت دے کر وہاں آ کر بیٹھنے کا موقع نہ دیں خوب سن لو کہ ان کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کی خوراک اور لباس کا خیال رکھو۔''

اور ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ بیوی کا حق خاوند پر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان یطعمھا اذاطعم وان یکسوھا اذااکتسی ولایضرب بوجہ ولایصبح ولایھجر الافی البیت ۔

(ابن ماجہ ص:۱۳۴ باب حق المراۃ علی الزوج ابواب النکاح)

''جب خود کھائے تو اسے کھلائے اور جب خود پہنے تو اسے پہنائے اور اس کے منہ پر نہ مارے اسے برا نہ کہے اور گھر کے علاوہ کہیں نہ چھوڑے۔''

جنسی التذاذ بھی حقوق میں شامل ہے:۔

ازدواجی تعلق کا اصل مقصد چونکہ نفس کی محرمات اور منکرات سے حفاظت اور نسل انسانی کی بقاء ہے جو جنسی تعلقات کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ اگر میاں بیوی ایک دوسرے سے بدظن ہو کر نفرت کرنے لگیں

تو لامحالہ ان کا میلان کسی اور کی طرف پیدا ہوگا جس سے زوجیت کے ثمرات ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے میاں بیوی کو یہ حکم ہے کہ وہ رفاقت کا یہ حق اس طرح حسن اسلوب کے ساتھ ادا کریں کہ شادی کے ثمر شیریں کو حاصل کیا جا سکے۔ لہٰذا ان میں سے ہر ایک کے لئے ایسا کام ممنوع ہے جس سے دوسرے کے جذبات مجروح ہوتے ہوں اور فطری ضرورت ناتمام رہتی ہو۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ سنا کہ وہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور راتوں کو نمازیں پڑھتے رہتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کے لئے ان سے دریافت کیا۔

یاعبداللّٰہ الم اخبر انك تصوم النهار وتقوم الليل قلت بلى يارسول اللّٰه قال فلاتفعل صم وافطر وقم ونم فا ن لجسدك عليك حقا وان لروحك عليك حقاً وان لزوجك عليك حقاً۔

''یا عبداللہ کیا مجھے یہ خبر نہیں پہنچی ہے کہ تو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو نمازیں پڑھتا رہتا ہے میں نے کہا کیوں نہیں یارسول اللہ (بلکہ ضرور پہنچی ہوگی) آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو بلکہ کبھی روزہ رکھا کرو اور کبھی نہ رکھو اور رات کو نماز بھی پڑھا کرو اور آرام بھی کر لیا کرو کیونکہ تیرے بدن کا تجھ پر حق ہے تیری روح کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ اس طرح آدمی بیوی کے حقوق سے قاصر ہو جاتا ہے کہ بدن اتنا کمزور اور لاغر ہو جاتا ہے کہ اس کی طرف کسی قسم کی توجہ نہیں رہتی لہٰذا مسلسل روزہ رکھنے اور نمازیں پڑھنے سے گریز کرنا چاہئے۔

اسی طرح عورت کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ وہ بھی ان آداب کا خیال رکھے چنانچہ مولانا اشرف علی تھانویؒ رقمطراز ہیں۔

''ایک حق مرد کا یہ بھی ہے کہ اس کے پاس ہوتے ہوئے بے اس کی اجازت کے نفل روزہ نہ رکھا کرے اور بے اس کی اجازت کے نفل نماز نہ پڑھے ایک حق اسکا یہ ہے کہ اپنی صورت بگاڑ کے اور میلی کچیلی نہ رہا کرے بلکہ بناؤ سنگار سے رہا کرے یہاں تک کہ اگر مرد کے کہنے پر

بھی عورت سنگار نہ کرے تو مرد کو مارنے کا اختیار ہے ایک حق یہ ہے کہ بے میاں کی اجازت کے گھر سے باہر کہیں نہ جاوے نہ عزیز اور رشتہ دار کے گھر نہ کسی غیر کے۔''

(بہشتی زیور حصہ چہارم ص:۴۵ شوہر کے حقوق کا بیان)

فصل ششم

ہمسایہ کے حقوق:۔

انسان کا اپنے ماں باپ اپنی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کے علاوہ ایک مستقل واسطہ اور تعلق ہمسایوں اور پڑوسیوں سے بھی ہوتا ہے اور اس کی خوشگواری اور ناخوشگواری کا زندگی کے چین وسکون پر اور اخلاق کے بناؤ بگاڑ پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم وہدایت میں ہمسائیگی اور پڑوس کے اس تعلق کو بڑی عظمت بخشی ہے اور اس کے احترام ورعایت کی بڑی تاکید فرمائی ہے یہاں تک کہ اس کو جزو ایمان اور داخلہ جنت کی شرط اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا معیار قرار دیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مازال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انه سیورثه ۔

(بخاری ص:۸۸۹ باب الوصیۃ بالجار (کتاب الادب) ومسلم ص:۳۲۹ ج:۲ باب الوصیۃ بالجار والاحسان الیہ)

''جبرئیل علیہ السلام پڑوسی کے حق کے بارے میں مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دے دیں گے۔''

اور ارشاد ہے۔

من کان یؤمن باللّٰه والیوم الاخر فلیکرم جاره ۔

اور بخاری ص:۸۸۹ ج:۲ کی ایک روایت میں ہے۔

فلایوذ جاره باب من کان یؤمن باللّٰه والیوم الآخر فلایؤذ جاره۔ (کتاب الادب)

''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے لازم ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرے اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔''

اور ارشاد ہوا۔

واللّٰہ لایؤمن واللّٰہ لایؤمن واللّٰہ لایؤمن قیل ومن یارسول اللّٰہ قال الذی لایامن جارہ بوائقہ ۔

(بخاری ص:۸۸۹ ج:۲ باب اثم من لا یامن جارہ بوائقہ کتاب الادب)

''خدا کی قسم اس میں ایمان نہیں' خدا کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں' خدا کی قسم وہ صاحب ایمان نہیں۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ وہ کون شخص ہے؟ (یعنی حضور کس بدنصیب شخص کے بارے میں قسم کے ساتھ ارشاد فرما رہے ہیں کہ وہ مؤمن نہیں اور اس میں ایمان نہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں سے مامون اور بے خوف نہ ہوں۔''

وعن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لیس المؤمن بالذی یشبع وجارہ جائع الی جنبہ ۔

(مشکوۃ ص:۴۲۴ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق بحوالہ بیہقی)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ آدمی کامل مؤمن نہیں ہے جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کے برابر رہنے والا پڑوسی بھوکا ہو۔''

وعن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال قال رجل یارسول اللّٰہ ان فلانۃ تذکر من کثرۃ صلاتھا وصیامھا وصدقتھا غیر انھا تؤذی جیرانھا بلسانھا قال ھی فی النار۔ (مشکوۃ ص:۴۲۴)

''حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ فلاں عورت کو زیادہ نمازوں روزوں اور صدقہ کرنے سے یاد کیا جاتا ہے البتہ اس میں یہ خامی ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آگ (جہنم) میں ہوگی۔''

مطلب یہ ہے کہ ہمسایوں کو تنگ کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوتا اور ایسا شخص بکثرت نمازیں پڑھنے روزے رکھنے اور صدقہ کرنے کے باوجود عذاب اخروی سے نہیں بچ سکے گا۔

یہ حدیث مردوں کے لئے عموماً اور خواتین کے لئے خصوصاً نہایت سبق آموز اور درس عبرت ہے کہ ایک نیک اور صالحہ عورت آخر اتنے اچھے اعمال کے نتائج سے کیوں محروم ہو جاتی ہے؟ حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی اور بدکلامی ہی اس انجام بد کا مدار ہے۔ لہٰذا وہ لوگ جو اس فرض سے غافل ہیں یا بے پرواہ ہیں اور معمولی باتوں کی بناء پر مثلاً اپنے بچوں کی شرارتوں وغیرہ پر ہمسائیگی کا حق ضائع کرتے ہوئے نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہیں یا لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں انہیں خوب غور کرنا چاہئے کہ ان کا یہ طرز عمل ان کے وبال آخرت کا سبب بن سکتا ہے۔

ہمسائیگی کے بعض اہم حقوق:۔

عن معاوية بن حيدة رضى الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حق الجار ان مرض عدته وان مات شيعته وان استقرضك اقرضته وان اعور سترته وان اصابه خير هنأته وان اصابته مصيبة عزيته ولاترفع بناءك فوق بنائه فشد عليه الريح ولاتؤذيه بريح قدر الا ان تعرف له منها ۔

(معارف الحدیث ص:۹۶ ج:۲ بحوالہ معجم کبیر للطبرانی)

''حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' پڑوسی کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور خبر گیری کرو اور اگر انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ یعنی تدفین میں تعاون کرو اور اگر وہ قرض مانگے تو اس کو قرض دو اور اگر وہ کوئی برا کام کر بیٹھے تو پردہ پوشی کرو اور اگر اسے کوئی نعمت ملے تو اسکو مبارک باد دو اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو اور اپنی عمارت اس کی عمارت سے اس

طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے اور اپنی ہانڈی کی مہک سے اس کو ایذاء نہ پہنچاؤ الا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا اس کے گھر بھی بھیج دو یعنی جب کھانے کی خوشبو اس کے گھر جائے گی تو اس سے ان کو اور ان کے بچوں کو اپنے عجز اور فقر کا احساس ہوگا جس سے ان کے دل کو صدمہ ہوگا الہٰذا یا تو خفیہ رکھو یا پھر ان کو بھی اس میں سے کھلاؤ تا کہ اس احساس کا ازالہ ہو جائے مگر پہلی صورت چونکہ کریمانہ اخلاق کے منافی ہے اس لئے دوسری صورت پر ہی عمل کرنا چاہئے الا یہ کہ کوئی مجبوری یا معقول عذر ہو تو اس صورت میں اپنی اشیاء کو چھپا لینا ہی متعین ہو جاتا ہے۔''

اور ارشاد ہے۔

وان اشتريت فاكهة فاهدله فان لم تفعل فادخلها سرا ولايخرج بها ولد ليغيظ بها ولده۔

(معارف الحدیث ص:۹۸ ج:۶ بحوالہ کنز العمال)

''اور اگر تم کوئی پھل خرید کر لاؤ تو اس میں سے پڑوسی کے ہاں بھی ہدیہ بھیجو اور اگر ایسا نہ کر سکو تو اس کو چھپا کے لاؤ اور پھر تمہارا کوئی بچہ وہ پھل لے کر باہر نہ نکلے کہ پڑوسی کے بچے کے دل میں اسے دیکھ کر جلن پیدا ہو۔''

ہدیہ کو حقیر سمجھنا معالی اخلاق کے خلاف ہے:۔

عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"لو اهدى لى كراع لقبلت ولودعيت عليه لاجبت"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''کہ اگر مجھے بکری کا ایک پیر بھی ہدیہ کر لیا جائے تو میں قبول کروں گا اور اگر اس کی دعوت کی جائے تو میں ضرور جاؤنگا۔''

(شمائل ترمذی باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

یعنی مجھے ہدیہ قبول کرنے میں یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہدیہ کیسا ہے؟ کیونکہ اصل مقصد تو ہدیہ دینے اور دعوت کرنے والے کی دلداری ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور تعلیمات میں یہ بھی پہلو نمایاں ہے کہ کوئی آدمی کسی کو

حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے بلکہ ہر مسلم دوسرے بھائی کا اکرام اور احترام کرے اور اگر وہ کچھ تحفہ دے تو اسے بخوشی قبول کر کے یہ تاثر دے کہ مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی ہے کیونکہ حقارت کی صورت میں تحفوں کے تبادلے کا سد باب ہو جاتا ہے کہ دینے والا یہ سوچتا ہے کہ اگر یہ چیز دوں تو شاید وہ اس کی حقارت کرے۔ ارشاد نبوی ہے۔

یانساء المسلمات لاتحقرن جارة لجارتها ولوفرسن شاة۔

(بخاری ص:۸۸۹ ج:۲ باب لاتحقرن جارة لجارتہا کتاب الادب)

''اے مسلمان بیبیوں! تم میں سے کوئی اپنی پڑوسن کے لئے حقیر نہ سمجھے اگر چہ بکری کی کھر ہی کیوں نہ ہو۔''

یہ نصیحت دونوں بیویوں کے لئے ہے یعنی نہ تو بھیجنے والی بیوی اپنے معمولی تحفہ کو حقیر سمجھ کر اپنی پڑوسن کو نہ بھیجے اور نہ دوسری بیوی اس کی حقارت کرے۔

مطلب یہ ہے کہ ہدیہ اور تحفہ کے لئے کسی بیش قیمت چیز کی ضرورت نہیں بلکہ کھانے پینے کی معمولی چیزیں بھی اس کے لئے کافی ہیں۔ کچھ نہ ہو سکے تو گوشت کا شوربا ہی ہو اور وہ زیادہ پانی بڑھا کر ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک توکل پیشہ صحابی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ اے ابوذر! جب شوربا پکاؤ تو پانی بڑھا دو اور اس سے اپنے ہمسایوں کی خبر گیری کرتے رہو۔ (مسلم ص:۳۲۹ ج:۲ باب الوصیۃ بالجار کتاب البر والصلۃ)

یہ حکم اگر چہ عام ہے مرد اور عورتیں سب اس کے مخاطب ہیں مگر مذکورہ حدیث میں عورتوں کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ ان تحفوں کے بھیجنے کا زیادہ موقع عورتوں کو پیش آتا ہے۔

انقلاب زمانہ دیکھئے کہ آج انسان میں کتنی تبدیلی آ گئی اس حدیث پر عمل کرنے اور اس سنت کو زندہ کرنے والوں کی تعداد آج شاید دس فیصد سے بھی کم ہو کیونکہ اکثریت کا حال خصوصاً شہری ماحول میں یہ ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو نہ کچھ دیتے ہیں اور نہ لیتے ہیں ہر ایک اس کوشش میں مبتلا ہے کہ مجھے کسی کی ضرورت پیش نہ آئے اور نہ میری کوئی احتیاج رہے۔ ان سطور کو لکھتے ہوئے میرے ضمیر نے مجھے بارہا اس خامی کا احساس دلایا کہ شہری ماحول میں آ کر ہماری عادتیں بھی بگڑ گئیں ورنہ گاؤں کے ماحول کا یہ اثر

تھا کہ جب بھی گھر میں کوئی اچھا سالن پکتا یا کوئی چیز کھانے پینے کی آ جاتی تو اس میں پڑوسیوں کا حصہ ضرور ہوتا تھا۔

پڑوس کے مختلف درجے:۔

عن عائشةؓ قالت یارسول اللّٰہ ان لی جارین فالٰی ایھما اھدی قال الی اقربھما منك باباً ۔

(بخاری ص:۸۹۰ ج:۲ باب حق الجوار فی قرب الابواب کتاب الادب)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا یارسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں تو میں ان میں سے کس کے پاس ہدیہ بھیجوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے گھر کا دروازہ تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہو۔''

یعنی اگر کسی وقت تحفہ ایسا ہو جس میں سب کا حصہ ممکن نہ ہو اور صرف ایک ہی پڑوسی کے پاس بھیجا جا سکتا ہو تو اس صورت میں اس کا زیادہ مستحق وہی ہوگا جس کے گھر کا دروازہ تمہارے گھر سے قریب تر ہو پس معلوم ہوا کہ جس کا دروازہ دوسرے نمبر پر ہوگا تو وہ دوسرے پڑوسیوں پر مقدم ہوگا الا یہ کہ وہاں کوئی دوسری وجہ ترجیح موجود ہو مثلاً قریبی رشتہ داری وغیرہ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پڑوسی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ پڑوسی جس کا صرف ایک ہی حق ہو اور وہ (حق کے لحاظ سے) سب سے کم درجہ کا پڑوسی ہے اور دوسرا وہ پڑوسی جس کے دو حق ہوں اور تیسرا وہ جس کے تین حق ہوں۔ تو ایک حق والا وہ مشرک (غیر مسلم) پڑوسی ہے جس سے کوئی رشتہ داری نہ ہو (تو اس کا صرف پڑوسی ہونے کا حق ہے) اور دو حق والا وہ پڑوسی ہے جو پڑوسی ہونے کے ساتھ مسلمان بھی ہو اس کا ایک تو مسلمان رہنے کی وجہ سے حق ہوگا اور دوسرا پڑوسی ہونے کا اور تیسرا وہ جو پڑوسی بھی ہو، مسلمان بھی اور رشتہ دار بھی ہو تو اس کا ایک حق مسلمان ہونے کا ہوگا دوسرا پڑوسی ہونے کا اور تیسرا حق رشتہ داری کا ہوگا۔

(معارف الحدیث ص:۹۹ ج:۶ بحوالہ مسند بزار و حلیۃ الاولیاء)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پڑوسی کے حقوق کی رعایت اور حسن سلوک کی جو تاکیدیں

قرآن وسنت میں فرمائی گئی ہیں ان میں غیر مسلم پڑوسی بھی شامل ہیں اور یہ حقوق ہر طرف کے چالیس چالیس گھروں تک کو شامل ہیں۔ (الادب المفرد باب نمبر ۵۹ الادنی فالادنی ص:۵۳)

پڑوسی کا جرم دس جرموں سے بھی زیادہ سخت ہے:۔

برائی بہر حال برائی ہوتی ہے جہاں بھی ہو اور گناہ ہر صورت میں گناہ ہے جہاں بھی سرزد ہو لیکن اگر وہ اس جگہ ہو جہاں لازمی طور سے نیکی ہونی چاہئے تھی تو ظاہر ہے کہ اس گناہ اور برائی کا درجہ عام گناہوں اور برائیوں سے بدر جہا زیادہ ہے۔ بدقسمت انسان چوری ہر جگہ کر سکتا ہے مگر ظاہر ہے کہ ہمسایہ کے مکان میں چوری کرنا کتنا برا ہے بدکاری ہر جگہ اس سے ممکن ہے مگر پڑوس کے گھر میں جہاں سے دن رات کی آمد ورفت ہے اور جہاں کے مرد پڑوس کے شریف مردوں پر بھروسہ کر کے باہر جاتے ہیں اخلاقی خیانت کس قدر شرمناک ہے۔ چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ زنا حرام ہے خدا اور رسول نے اسکو حرام کہا ہے لیکن دس بدکاریوں سے بڑھ کر بدکاری یہ ہے کہ کوئی اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے۔ چوری حرام ہے خدا اور رسول نے اس کو حرام کیا ہے لیکن دس گھروں میں چوری کرنے سے بڑھ کر یہ ہے کہ کوئی اپنے پڑوسی کے گھر سے کچھ چرالے۔

(الادب المفرد ص:۵۲ باب نمبر ۵۶ حق الجار)

فصل ہفتم

مہمان کے حقوق:۔

اسلام ہمیشہ فضائل اخلاق کا درس دیتا ہے اگر کسی میں خامی ہو تو اسے دور کرنے کا حکم دیتا ہے اور اگر کسی شخص یا معاشرے میں کوئی خوبی موجود ہو تو اسے برقرار رکھنے کی تاکید کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام کی آمد پر اہل عرب کی وہ رسومات اور عقائد تو ممنوع قرار پائے جو مکارم اخلاق کے منافی تھے مگر ان کے جو اصول اخلاق حسنہ کا حصہ تھے اسلام نے نہ صرف ان کی تائید کی بلکہ انہیں مزید پھیلایا۔ ازاں جملہ ایک عادت ضیافت اور مہمان نوازی کی تھی جو اہل عرب کی روایت قدیمہ کا جزو ہے اہل عرب اسے مہمان

کا بہت بڑا حق سمجھتے تھے مہمان کی خدمت اور اس کے جان و مال کی حفاظت میزبان کی اولین ذمہ داری سمجھی جاتی تھی اسلام آیا تو اس نے اس فرض کی اہمیت کو اور بڑھایا اور اسے سنت ابراہیمی قرار دیکر اس کو اپنانے اور اس پر کاربند رہنے کی تاکید فرمائی۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ تین عادتوں کو جاہلیت کے زمانے میں پسند کیا جاتا تھا اور مسلمان ان پر عمل کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔

نمبر۱:۔ یہ کہ اگر ان کے یہاں مہمان آجاتا تو اس کی خدمت میں پیش پیش ہوتے۔

نمبر۲:۔ اگر کسی کی بیوی بوڑھی ہوجاتی تو پھر اسے اس لئے طلاق نہیں دیتے تھے کہ بے سہارا رہ جائے گی۔

نمبر۳:۔ یہ کہ اگر کسی کا پڑوسی مقروض ہوجاتا یا اسے کوئی مصیبت اور تکلیف پہنچتی تو اسے اس صورت حال سے بچانے میں پوری توانائی صرف کرتے۔

(تنبیہ الغافلین ص:۵۲ باب حق الجار)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکارم اخلاق میں مہمان نوازی کو بہ تصریح اس قدر اہمیت دی ہے کہ اس کو ایمان کامل کا جزو قرار دیا ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ۔

(بخاری ص:۹۰۶ ج:۲ باب اکرام الضیف وخدمۃ ایاہ کتاب الادب)

”جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اسکو چاہئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔“

اور حضرت ابو شریح کعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ مہمان کا حق ایک دن اور ایک رات جائزہ امتیازی کھانا تیار کرنے کا ہے اور مہمان نوازی تین دن کی ہے۔ حوالہ بالا

مہمان نوازی کا وجوب اگرچہ منسوخ ہوا ہے تاہم مکارم اخلاق کا تقاضا ہے کہ اپنے مہمان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کیا جائے اور اسے خوش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آج ہم اپنے مہمان کے ساتھ نیک سلوک اور عزت کا برتاؤ کریں گے تو کل وہ ہمارے ساتھ کرے گا اس

لئے یہ کہنا چاہئے کہ سوسائٹی کے نظام میں اس کی حیثیت مبادلہ اخلاق کی ہے۔

مگر صد افسوس کہ آج کے مالدار ترین دور میں لوگ دوسری سنتوں کی طرح اس سنت ابراہیمی سے بھی دور ہوتے چلے جارہے ہیں اور مہمان کے ان حقوق اور آداب کا خیال ہرگز نہیں رکھتے ہیں جن سے مہمان کو خوشی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور باہمی تعلق مضبوط تر ہوجاتا ہے۔ (الا ماشاء اللہ وقلیل ماھم) مزید تفصیل آداب ضیافت میں ملحوظ فرمائیں۔

فصل ہشتم

یتیموں کے حقوق:۔

وہ کمسن بچہ جو باپ کے سایہ سے محروم ہے جماعت کے ہر رکن کا فرض ہے کہ اس کو آغوش محبت میں لے اس کو پیار کرے اس کی ہر طرح خدمت کرے اس کے متروکہ مال واسباب کی حفاظت کرے اس کی تعلیم وتربیت کی فکر رکھے عقل وشعور کے پہنچنے کے بعد اسکے باپ کی متروکہ جائداد اس کو واپس دے اور یتیم لڑکیوں کی حفاظت اور ان کی شادیوں کی مناسب فکر اور بندوبست کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ معظّمہ میں بے بسی کے عالم میں رہے یتیموں کے متعلق اخلاقی ہدایتیں فرماتے رہے اور قریش کے جفاپیشہ رئیسوں کو اس بے کس گروہ پر رحم وکرم کی دعوت دیتے رہے چنانچہ مکی آیتوں میں یہ تعلیمات وحی ہوتی رہیں دولت مندوں کو غریبوں کے ساتھ فیاضی کی تلقین کے سلسلے میں فرمایا گیا کہ انسانی زندگی کی گھاٹی کو پر کرنا اصل کامیابی ہے اس گھاٹی کو تم کیونکر پار کرسکتے ہو؟ ظلم وستم کے گرفتاروں کی گردنوں کو چھڑا کر بھوکوں کو کھلا کر اور یتیموں کی خدمت کرکے۔

او اطعام فی یوم ذی مسغبة یتیماً ذامقربة۔ (الآیة)

''یا بھوک والے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو کھلانا۔''

نیکیوں اور نیک بختوں کی تعریف میں فرمایا۔

ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً (الآیة)

''اور اس کی محبت کے ساتھ کھانا کسی غریب اور یتیم کو کھلاتے ہیں''۔

جب کہ یتیموں کے ساتھ بدسلوکی کرنے والے سنگدلوں کی مذمت میں فرمایا۔

ارایت الذی یکذب بالدین فذالك الذی یدع الیتیم (الآیة)

''کیا تو نے اس کو دیکھا جو انصاف کو جھٹلاتا ہے سو وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔''

مدینہ میں آنے کے بعد ان اخلاقی ہدایتوں نے قانون کی صورت اختیار کی سورہ نساء میں اس بے کس گروہ کے متعلق خاص احکام آئے ان کو وراثت کا حق دلایا گیا اور متولی کو ان کے مال کی مکمل حفاظت اور بلوغت کے بعد اسکو واپس کرنے کا حکم دیا گیا بایں معنی کہ اس کا ایک ایک تنکا تک چن کر واپس کیا جائے۔

اور اگر یتیم غریب اور مفلس ہو تو ان کی مناسب پرورش اور امداد عام مسلمانوں کا فرض بنتا ہے چنانچہ قرآن میں یتیم اور مسکین خیرات وصدقات کے بہترین مصرف قرار دیئے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے ان نیک دلوں کو جو بے والی اور بے وارث یتیموں کے کفیل ہوں خود اپنے برابر جگہ دی فرمایا۔

انا و کافل الیتیم فی الجنة هکذا وقال باصبعیه السباحة والوسطیٰ۔

(بخاری ص:۸۸۸ ج:۲ باب فضل من یعول یتیماً کتاب الادب ومسلم باب فضل الاحسان الی الیتیم)

''میں اور کسی یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں (دو انگلیوں کی طرح قریب) ہونگے اور اس کے ساتھ آپ نے درمیانی اور شہادت کی دونوں انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا اور یہ بھی فرمایا کہ جو کسی یتیم بچے کو اپنے گھر بلا کر لائے گا اور اس کو کھلائے پلائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی نعمت عطا فرمائے گا بشرطیکہ اس نے کوئی ایسا گناہ نہ کیا ہو جو بخشش کے لائق نہ ہو۔''

(سیرت النبی ص:۱۴۳ ج:۶ بحوالہ ترغیب وترہیب منذری وترمذی)

نیز ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بھلائی کی جارہی ہو اور سب سے بدتر گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔ حوالہ بالا ماخوذ از سیرت النبی۔

فصل نہم

عام حاجت مندوں کے حقوق:۔

فاعط کل ذی حق حقه۔ (بخاری ص:۹۰۶ ج:۲ باب صنع الطعام والتکلف للضیف کتاب الادب)

''ہر صاحب حق کو اس کا حق دو۔''

حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ایک اصل کلی اور عام ضابطے کی حیثیت رکھتا ہے کہ ہر انسان کے اصول یہ ہونے چاہئیں کہ وہ جب بھی کہی اپنی ضرورت محسوس کرے تو اسے خود کو پیش کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے کیونکہ معاشرتی نظام ایک دوسرے کی مدد اور تعاون کے بغیر نہیں چل سکتا ہے اس میں بیوہ اور یتیم سے لے کر دولت سے کھیلنے والوں تک لوگ موجود رہتے ہیں مگر نہ یتیم ہمیشہ غریب ہوتا ہے اور نہ مالدار ہمہ وقت غنی رہ سکتا ہے زمانہ کی گردش میں ہر ایک انسان غیر اختیاری طور پر مختلف حالات میں تبدیل ہوتا رہتا ہے اگر آج کوئی صحت مند ہے تو کل بیمار ہوسکتا ہے اگر آج اسے اپنی جوانی پر فخر ہے تو کل اسکی ہڈیاں سست اور کمزور پڑ سکتی ہیں آج کے خوش وخرم بچے کل باپ کی شفقت ومحبت سے محروم ہوسکتے ہیں بیوی کی ہنسی رونے میں تبدیل ہوسکتی ہے یہ حالات جن میں سے ہر ایک کو خواہی نخواہی گذرنا پڑتا ہے اس لئے انسانی جماعت کے ہر رکن کا فرض ہے کہ وہ اپنے ایسے مصیبت زدہ بھائی بہنوں کی ہر طرح مدد کرے اور اپنی موجودہ بہتر حالت پر مغرور ہوکر کبھی کسی حاجت مند کی حاجت روائی سے بے پرواہی نہ برتے اور نہ یہ سمجھے کہ اس کو کبھی کسی دوسرے کی ضرورت نہیں پڑے گی اور اس کے ساتھ ان تمام افعال وحرکات سے گریز کرنا چاہئے جن سے کسی کی دل آزاری ہوتی ہو حق تلفی ہوتی ہو اور اسکی وجہ سے کوئی دوسرے کے رحم سے محروم ہوکر ظلم کا نشانہ بن سکتا ہو۔

ارشاد ربانی ہے۔

وتعاونوا علی البر والتقوی ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللّٰہ ان اللّٰہ شدید العقاب۔ (الآیة)

''اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار مت بنو اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

غرض یہ کہ حاجت مندوں کی حاجت برآری اور ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنا اور جو جس قدر بھی مدد تم سے چاہے اگر تمہاری طاقت میں ہو تو وہ اس کو دینا ہر مسلمان پر ایک حق کی حیثیت رکھتا ہے جس کو ہر مسلمان کو ادا کرنا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا اسی آیت کی تشریح اپنے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

من کان فی حاجة اخیه کان اللّٰه فی حاجته ومن فرج عن مسلم کربة فرج الله عنه کربة من کربات یوم القیامة ۔

''جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا تو خدا اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرے گا تو اللہ قیامت کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو اس سے دور فرمائے گا۔''

(بخاری ص:۳۳۰ ج:۱ ابواب المظالم کا تیسرا باب ومسلم ص:۳۴۵ ج:۲ باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن کتاب الذکر والدعاء)

اور مسلم کی روایت میں یہ زیادتی بھی موجود ہے کہ:

واللّٰه فی عون العبد ماکان العبد فی عون اخیه۔

''اللہ اپنے بندہ کی مدد میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی سائل آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرماتے کہ تم سفارش کرو تو تمہیں بھی ثواب ملے گا۔ (بخاری ص:۸۹۰ ج:۲ ص:۸۹۱ ج:۲ باب تعاون المؤمن وباب قول اللہ من یشفع شفاعۃ حسنۃ کتاب الادب)

اور ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ اگر کچھ اور نہ ہو سکے تو بے کس حاجتمندوں کی مدد ہی کیا کرو (ایضاً باب کل معروف صدقۃ) اور یہ بھی فرمایا کہ بھولے بھٹکے ہوئے کو اور کسی اندھے کو راستہ بتانا بھی صدقہ

ہے۔

اور جو شخص راستہ چلنے میں کوئی کانٹا راستہ سے ہٹا دے تو خداوند تعالیٰ اس پر بھی نیکی اور ثواب عطا فرماتا ہے اور اپنے ڈول کا پانی اپنے بھائی کے ڈول میں ڈالنا بھی صدقہ ہے۔

(ترمذی ص:۱۷ ج:۲ باب ماجاء فی صنائع المعروف ابواب البر والصلۃ)

اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

حق المسلم علی المسلم ست قیل ماھن یارسول اللّٰہ قال اذالقیته فسلم علیه واذا دعاك فاجبه واذااستنصحك فانصح له واذاعطس فحمد اللّٰہ فشمته واذامرض فعده واذامات فاتبعه هذالفظ مسلم وفی روایة علی کرم اللّٰہ وجهه عندابن ماجه ویحب له مایحب لنفسه۔

''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق لازم ہیں پوچھا گیا کہ یارسول اللہ وہ چھ حقوق کونسے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔(۱) جب اس سے ملو تو سلام کرو۔(۲) اور جب وہ تمہیں بلائے (دعوت کرے) تو جواب دو (قبول کرو) (۳) اور جب وہ تجھ سے خیر خواہی کی استدعا کرے تو اس کے ساتھ خیر خواہی کرو۔(۴) اور جب وہ چھینکے اور الحمدللہ کہے تو یرحمک اللہ کہو۔(۵) اور جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو۔(۶) اور جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں جاؤ یہ مسلم کی روایت ہے اور ابن ماجہ میں بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خیر خواہی کے بدلے میں یہ حکم ہے کہ اس کے لئے وہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو۔''

(مسلم ص:۲۱۳ ج:۲ باب حق المسلم علی المسلم کتاب السلام وابن ماجہ ص:۱۰۵ اول باب الجنائز)

فصل دہم

جانوروں کے حقوق:۔

اسلام دنیا میں لطف ومحبت کا جو عام پیغام لے کر آیا تھا اس کا سلسلہ حیوانات تک وسیع ہے اس

نے حیوانات کے ساتھ متعدد طریقوں سے سلوک کرنے کی ہدایت کی اہل عرب خصوصاً اور اہل دنیا عموماً وحشت اور قساوت کی وجہ سے حیوانات پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے وہ جانوروں کو اندھا دھند مار کر گرادیتے تھے اور لوگوں کو کہتے تھے کہ ان کو کھا جاؤ اور اس کو فیاضی سمجھتے تھے۔ دو آدمی شرط باندھ کر کھڑے ہوجاتے تھے اور باری باری سے اپنا اپنا ایک اونٹ ذبح کرتا چلا جاتا تھا جو رک جاتا وہ ہار جاتا یہ سب جانور دوست واحباب کی دعوت میں نذر ہوجاتے یہ بھی فیاضی سمجھی جاتی تھی ان واقعات کا ذکر اشعار عرب میں موجود ہے ایک دستور یہ بھی تھا کہ جب کوئی مرجاتا تو اس کی سواری کے جانور کو اس کی قبر پر باندھ لیتے تھے اور اس کو دانہ گھاس اور پانی نہیں دیتے تھے اور وہ اسی حالت میں سوکھ کر مرجاتا ایسے جانور کو بلیہ کہتے تھے اسلام آیا تو اس سنگدلی کو مٹادیا عرب میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جانور کو کسی چیز سے باندھ کر اس پر نشانہ لگاتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے جانوروں کے گوشت کو ناجائز قرار دیا کہ کسی ذی روح چیز کو اس طرح نشانہ نہ بنایا جائے۔ (ترمذی ص:۲۷۲ ج:۱ باب ماجاء فی کراہیۃ اکل المصبورۃ ابواب الصید)

ایک بار ایک لڑکا اسی طرح ایک مرغی کو باندھ کر تیر کا نشانہ بنا رہا تھا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مرغی کو کھول دیا اور مرغی کے ساتھ اس لڑکے کو لے کر اس کے خاندان میں آئے اور کہا کہ اپنے لڑکے کو اس سے منع کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقے سے جانور یا اور کسی جاندار کو نشانہ بنانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اسی طرح کچھ اور لوگ مرغی کو باندھ کر نشانہ بنا رہے تھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گذر ہوا تو وہ لوگ بھاگ گئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ایسا کس نے کیا ہے؟ جو لوگ ایسا کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ملعون قرار دیا ہے۔ یہ دونوں حدیثیں بخاری ج:۲ ص:۸۲۹ ''باب مایکرہ من المثلۃ والمصبورۃ والمجسمۃ'' کتاب الذبائح پر موجود ہیں۔

اس سے بھی زیادہ بے رحمانہ طریقہ یہ تھا کہ زندہ اونٹ کے کوہان اور دنبہ کے دم کی چکی کاٹ کر کھاتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آکر یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ اس طریقے سے زندہ جانوروں کا جو گوشت کاٹ کر کھایا جاتا ہے وہ مردار ہے۔ (ترمذی ص:۲۷۳ ج:۱ باب ماجاء ماقطع من الحی فھو میت ابواب الصید)

یہ ایک خاص صورت تھی لیکن عموماً زندہ جانوروں کے مثلہ کرنے یعنی ان کے کسی عضو کے کاٹنے کی ممانعت فرمائی اور ایسا کرنے والے پر لعنت بھیجی۔

(بخاری ص:۸۲۹ ج:۲ باب ما یکرہ من المثلۃ والمصبورۃ والمجثمۃ)

بلاضرورت کسی جانور کے قتل کرنے کو بہت بڑا گناہ قرار دیا ایک حدیث میں ہے کہ کسی نے اگر گنجشک یا اس سے بھی کسی چھوٹے جانور کو اس کے حق کے بغیر ذبح کیا تو خدا اس کے متعلق اس سے باز پرس کریگا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ اس کا حق کیا ہے فرمایا اس کو ذبح کرے اور کھائے یہ نہیں کہ اس کا سر کاٹ کر پھینک دے۔

(مشکوٰۃ ص:۳۵۹ کتاب الصید والذبائح ونسائی ص:۱۸۵ ج:۲ من قتل عصفوراً بغیر حقہا کتاب الضحایا)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا نہیں جاتا اور وہ درندے بھی نہیں ان کا مارنا جائز نہیں سنن نسائی میں ہے کہ جو شخص گنجشک (چڑیا) کو بلاضرورت مارے گا وہ قیامت کے دن خدا کے یہاں فریاد کرے گی کہ فلاں نے مجھ کو بلاضرورت مارا ہے اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

(نسائی ص:۱۸۵ ج:۲ باب من قتل عصفوراً بغیر حقہا کتاب الضحایا)

جو جانور کوئی نقصان نہیں پہنچاتے یا ان سے انسانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے ان کا مارنا بھی جائز نہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صرد کے مارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ (مشکوٰۃ ص:۳۶۲ بحوالہ ابوداؤد دارمی)

جو جانور ضرورۃً مارے یا ذبح کئے جاتے ہیں ان کے مارنے یا ذبح کرنے میں بھی ہر طرح کی نرمی کرنے کا حکم دیا ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے اس لئے جب تم لوگ کسی جانور کو مارو تو اچھے طریقے سے مارو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو تم میں سے ہر شخص اپنی چھری کو تیز کرلے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے۔

(مسلم ص:۱۵۲ ج:۲ باب الامر باحسان الذبح کتاب الصید والذبائح)

فائدہ:۔

شیخ ابوعلی سینا نے الشفاء میں لکھا ہے کہ زخم وغیرہ سے تکلیف کا احساس دماغ کی مخصوص رگوں کو ہوتا ہے اور ذبح کی وجہ سے چونکہ وہ رگیں معطل ہوجاتی ہیں اس لئے ان کے تعطل کے بعد کسی تکلیف او رالم کا ادراک نہیں ہوتا اس سے یہ معلوم ہوا کہ چھری کو تیز کر کے ان رگوں کا عمل جلدی ختم کر کے جانور کو زیادہ تکلیف سے بچایا جاسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دانت سے کاٹ کر یا ناخن سے خراش دے کر جانوروں کے ذبح کرنے کی ممانعت فرمائی۔ (نسائی ص:۱۸۲ ج:۲ النہی عن الذبح بالظفر والسن کتاب الضحایا و بخاری ص:۲۲۸ ج:۲ ''باب لایذکی بالسن والعظم والظفر'' کتاب الذبائح)

کنکر پتھر یا غلیل چلانے کی بھی ممانعت فرمائی کیونکہ اس سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے اور فرمایا کہ اس سے نہ شکار ہوسکتا ہے اور نہ دشمن شکست کھا سکتا ہے البتہ اس سے دانت ٹوٹ سکتا ہے اور آنکھ پھوٹ سکتی ہے۔ (بخاری کتاب الذبائح والصید باب الخذف والبندقۃ ص:۸۲۳ ج:۲)

مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت جانوروں اور پرندوں کو جسمانی صدمہ پہنچانا جائز نہیں جانوروں کے ساتھ جو بے رحمیاں کی جاتی تھیں ان کا اصل سبب یہ تھا کہ اہل عرب اور اہل دنیا کو یہ معلوم نہ تھا کہ جانوروں کو دکھ درد پہنچانا گناہ کا کام ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو بتایا کہ جس طرح انسانوں کی ایذاء رسانی ایک شرعی اور اخلاقی جرم ہے اسی طرح جانوروں کی ایذاء رسانی بھی ایک مذہبی گناہ اور سنگدلی کی علامت ہے۔

چنانچہ ایک عورت کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر صرف اس لئے عذاب ہوا کہ اس نے بلی کو باندھ دیا اور آخر وہ اسی طرح بندھی ہوئی مرگئی (مسند احمد ص:۴۴۱ ج:۶) بلکہ لوگ چونکہ انسانوں کی نسبت جانوروں کو زیادہ ستاتے ہیں اس لئے وہ اس معاملے میں زیادہ گنہگار ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ جانوروں کے ساتھ جو کچھ بدسلوکیاں کرتے ہو اگر خدا ان کو معاف کردے تو سمجھو اس نے تمہارے بکثرت گناہ معاف کردیئے ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ

عنہم کے ساتھ کسی سفر کے پڑاؤ میں تھے آپ ضرورت سے کہیں تشریف لے گئے تھے جب واپس آئے تو دیکھا کہ ایک صاحب نے اپنا چولہا ایسی جگہ جلایا ہے جہاں زمین پر یا درخت پر چیونٹیوں کا سوراخ تھا۔ یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ یہ کس نے کیا ہے؟ ان صاحب نے کہا یارسول اللہ میں نے کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بجھاؤ (مسند احمد بن حنبل ج:۱ص:۲۹۶) غرض یہ تھی کہ ان چیونٹیوں کو تکلیف نہ ہو یا جل نہ جائیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک پیغمبر علیہ السلام کسی درخت کے نیچے اترے تو ان کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا انہوں نے پہلے اپنا سامان اس جگہ سے ہٹایا پھر تمام چیونٹیوں کو آگ سے جلا دیا اس پر خدا نے ان کو وحی کے ذریعہ سے متنبہ کیا کہ صرف ایک ہی چیونٹی کو کیوں نہیں جلایا۔ (بخاری ص:۴۶۷ ج:۱ باب خمس من الدواب فواسق کتاب بدء الخلق)

یعنی قصاص کی مستحق صرف وہی چیونٹی تھی جس نے کاٹا تھا تمام چیونٹیوں کا قصور نہ تھا ایک حدیث میں ہے کہ ایک سفر جہاد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک چڑیا کے دو بچے پکڑ لائے چڑیا فرط محبت سے ان کے گرد منڈلانے لگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے گئے ہوئے تھے واپس آکر یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ اس کے بچوں کو پکڑ کر کس نے اس کو بے قرار کیا ہے اس کے بچوں کو چھوڑ دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چیونٹیوں کے ایک گھر کو بھی جلا دیا تھا دریافت کرنے پر جب یہ معلوم ہوا کہ خود صحابہ کا فعل تھا تو فرمایا کہ آگ کی سزا دینا صرف خدا ہی کے لئے سزاوار ہے۔

اس کے برعکس جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا عین ثواب کا کام ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص راستہ میں جا رہا تھا کہ اس کو سخت پیاس لگ گئی اتفاق سے اسکو ایک کنواں مل گیا اور اس نے کنوئیں میں اتر کر پانی پی لیا کنوئیں سے نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے زبان نکال رہا ہے او ریکیچڑ چاٹ رہا ہے اس نے اپنی پیاس کی شدت کو یاد کر کے اس پر ترس کھایا اور کنوئیں میں اتر کر اپنے جوتے میں پانی بھرا اور اسے منہ میں پکڑ کر لایا اور اس کو پلایا خدا کے نزدیک اس کا یہ عمل مقبول ہوا اور خدا نے بخش دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس واقعہ کو سنا تو بولے یارسول اللہ کیا جانوروں کے ساتھ سلوک کرنے سے بھی ثواب ملتا ہے؟ فرمایا ہر ذی حیات کے ساتھ سلوک کرنا موجب ثواب ہے۔ (بخاری

ص:۸۸۸ج:۲باب رحمۃ الناس والبہائم کتاب الادب)

جو جانور جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس سے وہی کام لینا چاہئے چنانچہ فرمایا کہ ایک شخص ایک بیل پر سوار ہو کر جا رہا تھا بیل نے مڑ کر کہا کہ میں اس کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہوں میں صرف کھیتی باڑی کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔

(بخاری ص:۳۱۲ج:۱باب استعمال البقر للحراثۃ ابواب الحرث والمزارعۃ)

جانوروں کے آرام وآرائش کا خیال رکھنا چاہئے اور ان کے کھانے پینے کے معاملے میں بیدار رہنا چاہئے چنانچہ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں رفع حاجت کے لئے گئے اس میں ایک اونٹ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بلبلایا اور آبدیدہ ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس گئے اور اس کے کنپٹی پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ یہ کس کا اونٹ ہے؟ ایک انصاری نوجوان نے آ کر کہا کہ میرا' یارسول اللہ' فرمایا اس جانور کے بارے میں ''جس کا خدا نے تم کو مالک بنایا ہے'' خدا سے نہیں ڈرتے اس نے مجھ سے شکایت کی کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور اس پر جبر کرتے ہو۔

(ابوداؤد ص:۳۴۵ج:۱باب مایومر بہ من القیام علی الدواب والبہائم' کتاب الجہاد)

جانوروں کے منہ پر مارنے یا اس پر داغ دینے کی ممانعت فرمائی اور ایسا کرنے والے کو ملعون قرار دیا۔(ابوداؤد ص:۳۴۷ج:۱باب النہی عن الوسم فی الوجہ والضرب فی الوجہ کتاب الجہاد)

جانوروں کے باہم لڑانے سے بھی منع فرمایا (ابوداؤد ص:۳۴۶ ج:۱باب فی التحریش بین البہائم کتاب الجہاد ماخوذ از سیرت النبی جلد ششم)

چوتھا باب

آداب کے بیان میں:۔

انسان جب اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں اور شعبہائے معاشرت میں شائستگی کے طریقے اپناتا ہے تو اس کے طرز تمدن کا ہر فعل قابل تقلید اور قابل رشک ہوتا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے اس کے افعال میں کمال حسن پیدا ہوتا ہے جس کی بدولت وہ عمل اس آدمی کے عمل سے جس میں خوبی نہ ہو بدرجہا

بہتر نظر آتا ہے اسی کامل حسن کے عوامل کا نام ہے آداب۔

اگر کسی شخص کا کوئی کام آداب سے خالی ہو تو وہ شخص گو کہ اس عمل کے نتیجے تک پہنچنے میں تو کامیاب ہو جاتا ہے اور مقصد حاصل کر لیتا ہے مگر وہ کام خوشنمائی اور خوبصورتی سے معرّا ضرور ہوتا ہے۔

ایک مہذب اور شائستہ انسان کی زندگی اور وحشی انسان کے طرز تمدن میں یہی امتیاز ہوتا ہے کہ مہذب شخص کے تمام مشاغل میں ان آداب اور خوشگواریوں کا خیال رکھا جاتا ہے اس کی بناء پر اس کے عمل میں شائستگی پیدا ہوتی ہے جبکہ غیر متمدن آدمی ان باتوں کی قدر کرتا ہے اور نہ پروا۔

مثلاً ایک شخص اگر اپنے دونوں ہاتھوں میں استعمال کا فرق ضروری نہ سمجھے اور ہر کام کے لئے دونوں ہاتھوں کا استعمال مساوی تصور کر کے کھانے پینے ناک صاف کرنے استنجاء کرنے اور ہر برے بھلے کام کو اس ہاتھ سے انجام دے جس کے لئے دوسرا ہاتھ زیادہ موزوں اور مناسب تھا تو اس سے اس کا مقصد اگر چہ پورا ہو جائے گا مگر وہ فعل حسن اور خوبصورتی سے خالی رہے گا بلکہ بسا اوقات ترک آداب پر نقصان بھی مرتب ہوتا ہے۔

علاوزہ ازیں اسلام اور دوسرے مذاہب میں فرق کا ایک امتیازی پہلو آداب کا بھی ہے کہ دوسری قوموں میں قانونی آداب نام کی کوئی چیز موجود نہیں بلکہ ہر شخص کا مزاج اس پر حاکم ہوتا ہے جبکہ مسلمان کی زندگی کے تمام شعبوں کے لئے ایک قالب اور معیار مقرر ہے۔

پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے دن رات کے مشغلوں رہنے سہنے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے بولنے چالنے کھانے پینے سونے جاگنے اور نہانے دھونے میں ان تمام عمدہ قواعد کو بروئے کار لائے جو ایک متمدن مہذب اور پروقار زندگی کے ضروری اجزاء ہیں۔

آداب عامہ:۔

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا۔

(ترمذی ص:۱۴ ج:۲ باب ماجاء فی رحمۃ علی الصبیان ابواب البر)

''محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑے کا ادب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔''

نمبر۱:۔ بڑے چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں اور چھوٹے بڑوں کا ادب اور لحاظ کریں یہ وہ اصول اور آداب ہیں جن پر چھوٹوں اور بڑوں کے باہمی حقوق کی بنیاد اسلام میں قائم کی گئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ ترازو ٹھیک اور سیدھی رہے تو ہر انسانی جماعت میں چھوٹوں بڑوں افسروں ماتحتوں آقاؤں نوکروں بزرگوں اور عزیزوں کے درمیان کسی قسم کی ناگواری پیدا نہ ہونے پائے جب کبھی چھوٹوں اور بڑوں میں کسی قسم کی ناگواری پیش آئی ہے تو اس کا سبب یہی ہوا ہے کہ ترازو کے ان دونوں پلڑوں میں توازن قائم نہیں رہا ہے حکیموں اور مقسموں کے بنائے ہوئے نظم اور انتظام کے سارے مشرح مفصل قانون اور قاعدوں کا بے پایاں دفتر جو کام نہیں کرسکتا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دو مختصر سادہ فقرے بڑی خوبی سے انجام دے سکتے ہیں اور دیتے ہیں اگر واقعتاً کسی جماعت میں یہ ترازو بے نظام ہوجائے تو بڑے بڑے قانون کا بارگراں بھی پھر اس کو برابر نہیں کرسکتا۔

(سیرت النبی ص:۱۱۳ ج:۶)

نمبر۲:۔ جو شخص پورا حکیم نہ ہو اس کو کسی کی ایسی دوا کرنا درست نہیں جس میں نقصان کا ڈر ہو اگر ایسا کیا تو گنہگار ہوگا۔

نمبر۳:۔ دھار والی چیز جیسے چھری چاقو تلوار وغیرہ یا اور کوئی ایسا ہتھیار جس سے نقصان کا اندیشہ ہو جیسے بندوق وغیرہ سے کسی کو ڈرانا' چاہے ہنسی میں ہو' منع ہے شاید ہاتھ سے نکل پڑے۔

نمبر۴:۔ چاقو کھلا ہوا کسی کے ہاتھ میں مت دو یا تو بند کرکے دو یا چارپائی وغیرہ پر رکھ دو دوسرا آدمی ہاتھ سے اٹھالے۔

نمبر۵:۔ کتے بلی وغیرہ کسی جاندار چیز کو بند رکھنا جس میں وہ بھوکا پیاسا تڑپے بڑا گناہ ہے۔

نمبر۶:۔ کسی گنہگار کو طعنہ دینا بری بات ہے ہاں نصیحت کے طور پر کہنے میں کچھ ڈر نہیں۔

نمبر۷:۔ بے خطا کسی کو گھورنا جس سے وہ ڈر جائے درست نہیں دیکھو جب گھورنا تک درست نہیں تو ہنسی مذاق میں کسی کو اچانک ڈرا دینا کتنی بری بات ہے۔

نمبر۸:۔اگر جانور ذبح کرنا ہو چھری خوب تیز کرلو بے ضرورت تکلیف نہ دو۔

نمبر۹:۔جب سفر کرو جانور کو تکلیف نہ دو نہ بہت زیادہ اسباب لادو نہ بہت دوڑاؤ اور جب منزل پر پہنچو اول جانور کے گھاس دانے کا بندوبست کرو۔

(بہشتی زیور حصہ ہفتم)

نمبر۱۰:۔باؤلے آدمی کو مت چھیڑو نہ اس سے بات کرو جب اس کو ہوش نہیں خدا جانے کیا کہہ بیٹھے یا کیا کر گذرے پھر ناحق تم کو شرمندگی اور رنج ہو۔

نمبر۱۱:۔اندھیرے میں ننگا پاؤں کہیں مت رکھو اندھیرے یا سوراخ میں ہاتھ مت ڈالو پہلے چراغ وغیرہ کی روشنی سے خوب باور کر کے پھر اگر ضرورت ہو تو ہاتھ ڈالو۔

نمبر۱۲:۔اپنا بھید ہر کسی سے مت کہو۔

نمبر۱۳:۔ہر کام کا پہلے انجام سوچ لیا کرو اور پھر شروع کرو۔

نمبر۱۴:۔جس کام کا پورا بھروسہ نہ ہو اس میں دوسرے کو کبھی بھروسہ نہ دو ورنہ تکلیف اور رنج ہوگا۔

نمبر۱۵:۔کسی کی مصلحت میں دخل اور صلاح نہ دے البتہ جس پر پورا اختیار ہو یا خود پوچھے وہاں کچھ ڈر نہیں۔

نمبر۱۶:۔اتنا بوجھ مت اٹھاؤ جو مشکل سے اٹھے ہم نے بہت آدمی دیکھے ہیں کہ لڑکپن میں بوجھ اٹھالیا اور ایسا کوئی بگاڑ پڑ گیا جس سے ساری عمر کی تکلیف کھڑی ہوگئی خاص کر لڑکیاں اور عورتیں بہت احتیاط رکھیں ان کے بدن کے جوڑ اور رگ پٹھے اور بھی کمزور اور نرم ہوتے ہیں۔

نمبر۱۷:۔سوا یا سوئی یا کوئی ایسی چیز چھوڑ کر مت اٹھو شاید کوئی بھولے سے اس پر آ بیٹھے اور وہ اس کو چبھ جاوے۔

نمبر۱۸:۔آدمی کے اوپر سے کوئی چیز وزن کی یا خطرہ کی مت دو اور کھانا پانی چائے بھی کسی کے اوپر مت دو شاید ہاتھ سے چھوٹ جاوے۔

نمبر۱۹:۔ چاقو وغیرہ سے دانت مت کریدو۔

نمبر۲۰:۔ پتھر، سل، اینٹ بہت دنوں تک جو ایک جگہ رکھی رہتی ہے اکثر اس کے نیچے بچھو وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں اس کو دفعتہً مت اٹھاؤ خوب دیکھ بھال کر اٹھاؤ۔

نمبر۲۱:۔ جب کسی کو خط لکھو تو اپنا پتہ پورا اور صاف لکھو اور اگر اسی جگہ پھر خط لکھو تو یوں نہ سمجھو کہ پہلے خط میں تو پتہ لکھ دیا تھا اب کیا ضرورت ہے کیونکہ پہلا خط خدا جانے ملا ہے یا نہیں اگر نہ ملا ہو تو دوسرے آدمی کو کیسی دقت پڑے گی شاید اس کو زبانی یاد نہ رہا ہو یا ان پڑھ ہونے کی وجہ سے لکھنے والے کو پتہ نہ بتلا سکے۔

نمبر۲۲:۔ اپنا روپیہ پیسہ مال ومتاع چھپا کر رکھو ہر کسی سے اس کا ذکر نہ کرو۔

(بہشتی زیور حصہ دہم)

آداب تربیت اولاد:۔

جاننا چاہئے کہ یہ امر بہت ہی خیال رکھنے کے قابل ہے کیونکہ بچپن میں جو عادت بھلی یا بری پختہ ہو جاتی ہے وہ عمر بھر نہیں جاتی اس لئے بچپن سے جوان ہونے تک ان باتوں کو ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے۔

نمبر۱:۔ نیک بخت دیندار عورت کا دودھ پلاویں دودھ کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

نمبر۲:۔ عورتوں کی عادت ہے کہ بچوں کو کہیں سپاہی سے ڈراتی ہیں کہیں اور ڈراؤنی چیزوں سے سو یہ بری عادت ہے اس سے بچے کا دل کمزور ہو جاتا ہے۔

نمبر۳:۔ اس کے دودھ پلانے کے لئے اور کھانا کھلانے کے لئے وقت مقرر رکھو کہ وہ تندرست رہے۔

نمبر۴:۔ اس کو صاف ستھرا رکھو کہ اس سے تندرستی رہتی ہے۔

نمبر۵:۔ اس کا بہت بناؤ سنگار مت کرو۔

نمبر۶:۔ اگر لڑکا ہو تو اس کے سر پر بال مت بڑھاؤ۔

نمبر۷:۔اگر لڑکی ہو تو اسکو جب تک پردہ میں بیٹھنے کے لائق نہ ہو جائے زیور مت پہناؤ۔اس سے ایک تو ان کی جان کا خطرہ ہے دوسرے بچپن ہی سے زیور کا شوق دل میں ہونا اچھا نہیں۔

نمبر۸:۔بچوں کے ہاتھ سے غریبوں کو کھانا' کپڑا پیسہ اور ایسی چیزیں دلوایا کرو اسی طرح کھانے پینے کی چیزیں ان کے بھائی بہنوں کو یا اور بچوں کو تقسیم کرایا کرو تا کہ ان کو سخاوت کی عادت ہو مگر یہ یاد رکھو کہ تم اپنی چیزیں ان کے ہاتھ سے دلوایا کرو خود جو چیزیں شرع کی رو سے ان ہی کی ہوں اس کا دلوانا کسی کو درست نہیں۔

نمبر۹:۔زیادہ کھانے والوں کی برائی (نام لئے بغیر) اس کے سامنے بیان کیا کرو اس طرح کہ جو کوئی بہت کھاتا ہے لوگ اس کو وحشی سمجھتے ہیں اس کو بیل جانتے ہیں۔

نمبر۱۰:۔اگر لڑکا ہو سفید کپڑے کی رغبت اس کے دل میں پیدا کرو اور رنگین اور تکلف کے لباس سے اس کو نفرت دلاؤ کہ ایسے کپڑے لڑکیاں پہنتی ہیں تم ماشاءاللہ مرد ہو ہمیشہ اس کے سامنے ایسی باتیں کیا کرو۔

نمبر۱۱:۔اگر لڑکی ہو جب بھی زیادہ مانگ' چوٹی' بہت تکلف کے کپڑوں کی اس کو عادت مت ڈالو۔

نمبر۱۲:۔اس کی سب ضدیں پوری مت کرو کہ اس سے مزاج بگڑ جاتا ہے۔

نمبر۱۳:۔چلّا کر بولنے سے روکو خاص کر اگر لڑکی ہو تو چلانے پر خوب ڈانٹو ورنہ بڑی ہو کر وہی عادت ہو جائیگی۔

نمبر۱۴:۔جن بچوں کی عادتیں خراب ہیں یا پڑھنے لکھنے سے بھاگتے ہیں یا تکلف کے کھانے کپڑے کے عادی ہیں ان کے پاس بیٹھنے سے ان کے ساتھ کھیلنے سے ان کو بچاؤ۔

نمبر۱۵:۔ان باتوں سے ان کو نفرت دلاتی رہو۔غصہ' جھوٹ بولنا' کسی کو دیکھ کر جلنا یا حرص کرنا' چوری' چغلی کھانا' اپنی بات کی بج کرنا' خواہ مخواہ اس کو بنانا' بے فائدہ بہت باتیں کرنا' بے بات ہنسنا یا زیادہ ہنسنا' دھوکہ دینا بھلی بری بات کا نہ سوچنا۔

اور جب ان باتوں میں سے کوئی بات ہو جائے فوراً اس کو روکو اس پر تنبیہ کرو۔

نمبر۱۶:۔ اگر کوئی چیز توڑ پھوڑ دے یا کسی کو مار بیٹھے مناسب سزا دو تا کہ پھر ایسا نہ کرے ایسی باتوں میں پیار و محبت ہمیشہ بچہ کو کھو دیتا ہے۔

نمبر۱۷:۔ بہت سویرے مت سونے دو۔

نمبر۱۸:۔ سویرے جاگنے کی عادت ڈالو۔

نمبر۱۹:۔ جب سات برس کی عمر ہو جائے نماز کی عادت ڈالو اور جب دس سال کو پہنچے تو اسے ترک نماز پر مارو۔

نمبر۲۰:۔ جب مکتب میں جانے کے قابل ہو جائے تو اول قران مجید پڑھواؤ۔

نمبر۲۱:۔ جہاں تک ہو سکے دیندار استاذ سے پڑھواؤ۔

نمبر۲۲:۔ مکتب میں جانے میں کبھی رعایت نہ کرو۔

نمبر۲۳:۔ کسی کسی وقت ان کو نیک لوگوں کی حکایتیں سنایا کرو۔

نمبر۲۴:۔ ان کو ایسی کتابیں مت دیکھنے دو جن میں عاشقی، معشوقی کی باتیں یا شرع کے خلاف مضمون یا اور بیہودہ قصے یا غزلیں وغیرہ ہوں۔

نمبر۲۵:۔ ایسی کتابیں پڑھواؤ جن میں دین کی باتیں اور دنیا کی ضروری کاروائی آ جائے۔

نمبر۲۶:۔ مکتب سے آ جانے کے بعد کسی قدر دل بہلانے کے لئے اس کو کھیلنے کی اجازت دو تا کہ اس کی طبعیت کند نہ ہو جائے لیکن کھیل ایسا ہو جس میں کوئی گناہ نہ ہو چوٹ لگنے کا اندیشہ نہ ہو۔

نمبر۲۷:۔ آتشبازی یا باجہ یا فضول چیزیں مول لینے کے لئے پیسے مت دو۔

نمبر۲۸:۔ کھیل تماشے دکھلانے کی عادت مت ڈالو۔

نمبر۲۹:۔ اولاد کو ضرور کوئی ایسا ہنر سکھلا دو جس سے ضرورت اور مصیبت کے وقت چار پیسے حاصل کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا گذارہ کر سکے۔

نمبر۳۰:۔ لڑکیوں کو اتنا لکھنا سکھا دو کہ ضروری خط اور گھر کا حساب کتاب لکھ سکیں۔

نمبر۳۱:۔ بچوں کی عادت ڈالو کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا کریں اپاہج اور سست نہ ہو جاویں ان کو کہو کہ رات کو بچھونا اپنے ہاتھ سے بچھا دیں صبح کو سویرے اٹھ کر تہہ کر کے احتیاط سے رکھ دیں کپڑوں کی گٹھڑی اپنے انتظام میں رکھیں ادھڑا پھٹا خود سی لیا کریں کپڑے خواہ میلے ہوں خواہ اجلے ہوں ایسی جگہ رکھیں جہاں کیڑے کا چوہے کا اندیشہ نہ ہو دوبن کو خود گن کر دیں اور لکھ دیں اور گن کر پڑتال کر کے لیں۔

نمبر۳۲:۔ لڑکیوں کو تاکید کرو کہ جو زیور تمہارے بدن پر ہے رات کو سونے سے پہلے اور صبح کو جب اٹھو دیکھ بھال لیا کرو۔

نمبر۳۳:۔ لڑکیوں سے کہو کہ جو کام کھانے پکانے سینے پرونے کپڑے رنگنے چیز بننے کا گھر میں ہوا کرے اس میں غور کر کے دیکھا کرو کہ کیونکر ہو رہا ہے۔

نمبر۳۴:۔ جب بچہ سے کوئی بات خوبی کی ظاہر ہو اس پر خوب شاباش دو پیار کرو بلکہ اس کو کچھ انعام دو تا کہ اس کا دل بڑھے اور جب اس کی کوئی بری بات دیکھو اول تنہائی میں اس کو سمجھاؤ کہ دیکھو بری بات ہے دیکھنے والے دل میں کیا کہتے ہونگے اور جس جس کو خبر ہوگی وہ دل میں کیا کہے گا خبردار پھر ایسا مت کرنا نیک بخت لڑکے ایسا نہیں کرتے اور پھر وہی کام کرلے تو مناسب سزا دو۔

نمبر۳۵:۔ ماں کو چاہئے کہ بچہ کو باپ سے ڈراتی رہے۔

نمبر۳۶:۔ بچہ کو کوئی کام چھپا کر مت کرنے دو کھیل یا کھانا یا کوئی اور شغل ہو جو کام چھپا کر کرے گا سمجھاؤ کہ وہ اس کو برا سمجھتا ہے سو وہ اگر برا ہے تو اس سے چھڑاؤ اور اگر اچھا ہے جیسے کھانا پینا تو اس سے کہو کہ سب کے سامنے کھائے پیئے۔

نمبر۳۷:۔ کوئی کام محنت کا اس کے ذمہ مقرر کر دو جس سے صحت اور ہمت رہے سستی نہ آنے پائے مثلاً لڑکوں کے لئے ڈنڈ مگدر کرنا ایک آدھ میل چلنا اور لڑکیوں کیلئے کپڑے دھونا یا سلائی مشین چلانا ضروری ہے اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ ان کاموں کو عیب نہ سمجھیں گی۔

نمبر۳۸:۔ چلنے میں تاکید کرو کہ بہت جلدی نہ چلے نگاہ اوپر اٹھا کر نہ چلے۔

نمبر۳۹:۔ اس کو عاجزی اختیار کرنے کی عادت ڈالو زبان سے چال سے برتاؤ سے شیخی نہ

بگھارنے پاوے یہاں تک کہ اپنے ہم عمر بچوں میں بیٹھ کر اپنے کپڑے یا مکان یا خاندان یا کتاب وقلم ودوات تختی تک کی تعریف نہ کرنے پائے۔

نمبر۴۰:۔کبھی کبھی اس کو تھوڑے بہت پیسے دے دیا کرو کہ اپنی مرضی کے موافق خرچ کیا کرے مگر اس کو یہ عادت ڈالو کہ کوئی چیز تم سے چھپا کر نہ خریدے۔

نمبر۴۱:۔اس کو کھانے کا طریقہ اور محفل میں اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ سکھلاؤ۔(بہشتی زیور حصہ چہارم)

نمبر۴۲:۔کسی بچہ یا شاگرد کو سزا دینا ہو تو موٹی لکڑی یا لات گھونسہ سے مت مارو واللہ بچائے اگر کہیں نازک جگہ چوٹ لگ جائے تو لینے کے دینے پڑ جاویں اور چہرے اور سر پر بھی مت مارو اور تین ڈنڈوں سے زیادہ بھی مت مارو۔

نمبر۴۳:۔پڑھنے والے بچوں کو کوئی چیز دماغ کی طاقت کی ہمیشہ کھانے کیلئے دیا کرو۔(بہشتی زیور حصہ دہم)

بچوں کے ساتھ مساوی سلوک کیا جائے:۔

بعض ماں باپ اپنی اولاد کے درمیان خود تفرقہ ڈالتے ہیں گو کہ ان کا دل یہ نہیں چاہتا مگر ان کے عمل اور برتاؤ کی وجہ سے ایسا خود بخود ہو جاتا ہے وہ اس طرح کہ یہ بعض بچوں کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں جس کی بناء پر ان کے آپس میں ایک دوسرے سے حسد پیدا ہو کر نفرت کو جنم دیتا ہے اس طرح وہ ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔لہٰذا ماں باپ کے لئے ضروری یہ ہے کہ اولاد کے مابین برابری کا سلوک کریں حتی کہ بوسہ لینے اور پیار کرنے میں بھی ان اصول کی پابندی لازمی ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لڑکے کو لڑکی پر صرف جنس کے اختلاف کے سبب سے ترجیح نہ دیں۔ارشاد نبوی ہے کہ جس کی لڑکی ہو اور وہ اس کو زندہ باقی رہنے دے اور اس کی بے توقیری نہ کرے اور نہ اس پر لڑکے کو ترجیح دے تو خدا اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

(ابوداؤد ص:۳۴۴ ج:۲ باب فضل من عال یتافی کتاب الادب)

باہم لڑکوں میں بھی چھوٹے اور بڑے کے حقوق کا امتیاز شریعت محمدی میں قائم نہیں کہ ہر ایک کو

ان میں سے اپنے باپ کے ساتھ برابر کی نسبت ہے یہاں تک کہ اگر لڑکوں میں سے کسی ایک کو بلاوجہ کوئی ایسا عطیہ دیا جائے جو دوسرے کو نہ ملا ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ظلم سے تعبیر فرمایا ایک دفعہ کا قصہ ہے کہ ایک صحابی نے اپنے لڑکوں میں سے کسی ایک کو ایک غلام ہبہ کیا اور چاہا کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ہو انہوں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنی خواہش ظاہر کی دریافت کیا کہ کیا تم نے اپنے سب بچوں کو ایک ایک غلام دیا ہے؟ عرض کیا نہیں تو فرمایا تو میں ایسے ظالمانہ عطیہ پر گواہ نہ بنوں گا۔

(ابوداؤد ص:۱۴۴ ج:۲ باب فی الرجل یفضل بعض ولدہ فی النحل کتاب البیوع)

اس سے اس قانون کی جو اسرائیلیوں، رومیوں، ہندوؤں اور دوسری پرانی قوموں میں رائج تھا اور اب بھی ہے کہ صرف بڑا لڑکا جائداد کا مالک بنے یا اس کا کوئی ترجیحی حق ہو اصلاح کر دی گئی اور باپ کی نظر میں اس کے تمام لڑکوں کو برابر کا منصب حاصل ہوا اور چھوٹوں پر ظلم کا جو مسلسل قانونی طریقہ جاری تھا اس کا خاتمہ ہوا۔ (سیرت النبی جلد ششم)

بچوں کی احتیاط کا بیان:۔

نمبر۱:۔ چھوٹے بچوں کو کنویں پر مت چڑھنے دو بلکہ اگر گھر میں کنواں ہو تو اس پر تختہ ڈلوا کر ہر وقت قفل لگائے رکھو اور ان کو لوٹا دیکر پانی لانے کے واسطے کبھی مت بھیجو شاید وہاں جا کر خود ہی کنویں سے ڈول کھینچنے لگیں۔

نمبر۲:۔ ہر روز بچے کا ہاتھ، منہ، گلا، کان چڈھے یعنی جنگا سے وغیرہ گیلے کپڑے سے خوب صاف کر دیا کریں میل جمنے سے گوشت گل کر زخم پڑ جاتے ہیں۔

نمبر۳:۔ جب پیشاب یا پاخانہ کرے فوراً پانی سے طہارت کر دیا کریں خالی چیتھڑے سے پونچھنے پر بس نہ کیا کریں اس سے بچے کے بدن میں خارش اور سوزش ہو جاتی ہے اگر موسم سرد ہو تو پانی نیم گرم کر لیں۔

نمبر۴:۔ لڑکوں کو تعلیم کریں کہ سب کے سامنے خاص کر لڑکیوں یا عورتوں کے سامنے ڈھیلے سے

استنجاء نہ سکھایا کریں۔

نمبر۵:۔ بچے کو الگ سلایا کریں پاس سلانے میں یہ ڈر ہے کہ شاید سوتے میں کہیں کروٹ کے تلے دب جائے۔

نمبر۶:۔ جھولے کی عادت بچے کو نہ ڈالیں کیونکہ جھولا ہر جگہ نہیں ملتا اور بہت گود میں بھی نہ رکھیں اس سے بچہ کمزور ہو جاتا ہے۔

نمبر۷:۔ چھوٹے بچے کو عادت ڈالیں کہ سب کے پاس آ جایا کرے ایک آدمی کے پاس زیادہ ہل جانے سے اگر وہ مر جائے یا کہیں اور چلا جائے تو بچہ کی مصیبت ہو جاتی ہے۔

نمبر۸:۔ جب بچہ کچھ سمجھدار ہو جائے تو اس کو اپنے ہاتھ سے کھانے کی عادت ڈالیں۔ اور کھانے سے پہلے ہاتھ دھلوا دیا کریں اور داہنے ہاتھ سے کھانا سکھلا دیں اور اس کو کم کھانے کی عادت ڈالیں تا کہ بیماری اور حرص سے بچا رہے بچوں کو ماں باپ بلکہ دادا کا بھی نام یاد کرا دیں۔

نمبر۹:۔ کمینوں کے بچوں کے ساتھ نہ کھیلنے دیں زیادہ بچوں میں بھی نہ کھیلنے دیں گلیوں سڑکوں میں نہ کھیلنے دیں بازار وغیرہ میں اس کو لئے نہ پھریں۔

نمبر۱۰:۔ بچہ کو عادت ڈالیں کہ بجز اپنے بزرگوں کے اور کسی سے کوئی چیز نہ مانگے اور نہ بغیر اجازت کے کسی کی دی ہوئی چیز لے۔

نمبر۱۱:۔ بچہ کو بہت لاڈ پیار نہ کریں ورنہ ابتر ہو جائے گا۔

نمبر۱۲:۔ بچہ کو منجن مسواک کی عادت ڈالیں۔

نمبر۱۳:۔ پڑھنے میں بچے پر بہت سخت محنت نہ ڈالیں شروع میں ایک گھنٹہ پڑھنے کا مقرر کریں پھر دو گھنٹے پھر تین گھنٹے اسی طرح اس کی طاقت اور سہارے کے موافق محنت لیتے رہیں۔

نمبر۱۴:۔ سوائے معمولی چھٹیوں کے بدون سخت ضرورت و بیماری کے بار بار چھٹی نہ دلوائیں کہ اس سے طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے۔

نمبر۱۵:۔ جہاں تک میسر ہو جو علم جو فن سکھلاویں ایسے آدمی سے سکھلائیں جو اس میں پورا عالم

اور کامل ماہر ہو بعض آدمی سستا معلم رکھ کر اس سے تعلیم دلواتے ہیں شروع ہی سے طریقہ بگڑ جاتا ہے پھر درستی مشکل ہو جاتی ہے۔

نمبر۱۶:۔ آسان سبق ہمیشہ تیسرے پہر کے وقت مقرر کریں اور مشکل سبق صبح کو کیونکہ اخیر وقت میں طبیعت تھکی ہوئی ہو جاتی ہے۔

نمبر۱۷:۔ بچوں کو خصوصاً لڑکی کو پکانا اور سینا ضرور سکھایئے۔

نمبر۱۸:۔ شادی میں دولہا دلہن کی عمر میں زیادہ فرق ہونا بہت سی خرابیوں کا باعث ہے۔

نمبر۱۹:۔ بہت کم عمری میں شادی نہ کریں اس میں بہت بڑے نقصان ہیں بہتر تو یہی ہے کہ لڑکا جب کمانے کا اور لڑکی جب گھر چلانے کا بوجھ اٹھا سکے اس وقت شادی کی جائے۔

نمبر۲۰:۔ لڑکیوں کی شادی میں زیادہ یہ بات دیکھو کہ داماد کے مزاج میں خدا کا خوف اور دینداری ہو ایسا شخص اپنی بی بی کو ہمیشہ آرام سے رکھتا ہے اگر مال دولت بہت کچھ ہو اور دین نہ ہو تو وہ شخص اپنی بی بی کا حق ہی نہ پہچانے گا اور اس کے ساتھ وفاداری نہ کرے گا بلکہ روپیہ پیسہ بھی نہ دے گا اگر دیا بھی تو اس سے زیادہ جلائے گا۔

نمبر۲۱:۔ اپنے دو لڑکوں یا دو لڑکیوں کی شادی جہاں تک ہو سکے ایک دم مت کرو کیونکہ بہوؤں میں ضرور فرق ہوگا دامادوں میں ضرور فرق ہوگا۔ خود لڑکوں اور لڑکیوں کی صورت شکل میں کپڑے کی سجاوٹ میں نور صبور میں حیا شرم میں ضرور فرق ہوگا اور بھی بہت باتوں میں فرق ہو جاتا ہے اور لوگوں کی عادت ہے ذکر مذکور کرنے کی اور ایک کو گھٹانے اور دوسرے کو بڑھانے کی اس سے ناحق دوسرے کا جی برا ہوتا ہے۔ (بہشتی زیور حصہ دہم)

آداب خانہ داری برائے خواتین:۔

نمبر۱:۔ شروع میں شام کے وقت بچوں کو باہر مت نکلنے دو اور شب کو بسم اللہ کر کے دروازہ بند کرلو اور بسم اللہ کر کے برتنوں کو ڈھانک دو اور چراغ وغیرہ مثل لالٹین گل کر دو۔ اور چولہے کی آگ بجھا دو یا دبا دو۔

نمبر۲:۔دروازہ بند کرنے سے پہلے گھر کے اندر خوب دیکھ بھال لو کہ کوئی کتا، بلی، تو نہیں رہ گیا۔

نمبر۳:۔گھر صاف رکھو اور ہر چیز اپنے موقع پر رکھو۔

نمبر۴:۔کپڑوں کو اور اپنی کتابوں کو کبھی کبھی دھوپ دیتی رہا کرو۔

نمبر۵:۔اگر اپنی تندرستی چاہو تو اپنے کو بہت آرام طلب مت بناؤ کچھ محنت کا کام اپنے ہاتھ سے کیا کرو۔

نمبر۶:۔اگر کسی سے ملنے جاؤ تو وہاں اتنا مت بیٹھو یا اس سے اتنی دیر تک باتیں مت کرو کہ وہ تنگ ہو جائے یا اس کے کسی کام میں حرج ہونے لگے۔

نمبر۷:۔اگر کہیں مہمان جاؤ اور کھانا کھا چکی ہو تو جاتے ہی گھر والوں کو اطلاع کر دو کیونکہ وہ لحاظ کے مارے خود پوچھیں گے نہیں چپکے چپکے سب فکر کریں گے خواہ وقت ہو یا نہ ہو انہوں نے تکلیف جھیل کر کھانا پکایا جب سامنے آیا تو تم نے کہہ دیا کہ ہم نے تو کھا لیا اس وقت ان کو کتنا افسوس ہوگا۔

نمبر۸:۔جہاں تک ممکن ہو رات کو تنہا مکان میں مت رہو۔

نمبر۹:۔اگر گھر میں کچھ روپیہ پیسہ رکھو تو ایک دو آدمی گھر کے جن کا تم کو پورا اعتبار ہو ان کو بھی بتلاؤ۔

نمبر۱۰:۔بعض آدمی تالا لگا کر کنجی بھی ادھر ادھر پاس ہی رکھ دیتے ہیں یہ بڑی غلطی کی بات ہے۔رات کے وقت اگر روپیہ گننا ہو تو بہت آہستہ گنو۔

نمبر۱۱:۔چراغ پاخانہ وغیرہ میں لیجاؤ تو بہت احتیاط سے رکھو کہ کہیں کپڑوں میں نہ لگ جاوے۔سب گھر والے اس بات کے پابند رہیں کہ ہر چیز کی ایک جگہ مقرر کر لیں اور وہاں سے جب اٹھائیں تو برت کر پھر وہاں ہی رکھ دیں۔

نمبر۱۲:۔راہ میں چارپائی وغیرہ مت ڈالو۔

نمبر۱۳:۔جب کوئی کسی کام کو کہے تو اس کو سن کر ہاں یا نہیں ضرور کہو۔

نمبر۱۴:۔اگر رات کو پانی پینے کا اتفاق ہو تو اگر روشنی ہو تو اس کو خوب دیکھ لو نہیں تو لوٹے وغیرہ کو

کپڑا لگا لو تا کہ منہ میں کوئی ایسی ویسی چیز نہ آ جاوے۔

نمبر۱۵:۔ بچوں کو ہنسی میں مت اچھالو اور کسی کھڑکی وغیرہ سے مت لٹکاؤ۔

نمبر۱۶:۔ جب برتن خالی ہو جائے تو اس کو ہمیشہ دھو کر الٹا رکھو اور جب دوبارہ اس کو برتنا چاہو تو اگر ہو سکے پھر اس کو دھو لو۔

نمبر۱۷:۔ برتن زمین پر رکھ کر اگر اس میں کھانا نکالو تو ویسے ہی سینی یا دسترخوان پر مت رکھ دو پہلے اس کے تلے دیکھ لو اور صاف کر لو۔

نمبر۱۸:۔ اگر کسی کے گھر مہمان جاؤ تو کسی چیز کی فرمائش مت کرو۔

نمبر۱۹:۔ جہاں اور آدمی بیٹھے ہوں وہاں بیٹھ کر مت تھوکو ناک مت صاف کرو اگر ضرورت ہو ایک کنارے پر جا کر فراغت کر آؤ۔

نمبر۲۰:۔ کھانا کھانے میں ایسی چیزوں کا نام مت لو جس سے سننے والوں کو گھن پیدا ہو۔

نمبر۲۱:۔ بیمار کے سامنے یا اس کے گھر والوں کے سامنے ایسی باتیں مت کرو جس سے زندگی کی ناامیدی پائی جاوے بلکہ تسلی کی باتیں کرو کہ انشاء اللہ سب دکھ جاتا رہے گا۔

نمبر۲۲:۔ اگر کسی کی پوشیدہ بات کرنی ہو اور وہ بھی اس جگہ موجود ہو تو آنکھ سے یا ہاتھ سے ادھر اشارہ مت کرو کہ اس کو شبہ ہوگا اور یہ جب ہے کہ اس بات کا کرنا شرعاً درست بھی ہو ورنہ ایسی بات ہی کرنا گناہ ہے۔

نمبر۲۳:۔ بات کرتے وقت بہت ہاتھ مت نچاؤ۔

نمبر۲۴:۔ دامن، آنچل، آستین سے ناک مت پونچھو۔

نمبر۲۵:۔ جوتی ہمیشہ جھاڑ کر پہنو شاید اس کے اندر کوئی موذی جانور ہو اسی طرح جب بچھونے پر لیٹنے لگو تو اس کو کسی کپڑے سے پھر جھاڑ لو شاید کوئی جانور اس پر چڑھ گیا ہو۔

نمبر۲۶:۔ پردے کی جگہ میں اگر کسی کے پھوڑا پھنسی ہو تو اس سے یہ مت پوچھو کہ کس جگہ ہے ناحق اس کو شرمانا ہے۔

نمبر۲۷:۔آنے جانے کی جگہ مت بیٹھو تم کو بھی اور سب کو تکلیف ہوگی۔

نمبر۲۸:۔بدن اور کپڑے میں بدبو پیدا نہ ہونے دو۔

نمبر۲۹:۔آدمیوں کے بیٹھے ہوئے جھاڑو مت دلواؤ۔

نمبر۳۰:۔پائخانہ یا غسل خانہ سے کمر بند باندھتی ہوئی مت نکلو بلکہ اندر ہی باندھ کر تب باہر آؤ۔

نمبر۳۱:۔جب تم سے کوئی بات پوچھے پہلے اس کا جواب دیدو پھر اور کام میں لگو۔

نمبر۳۲:۔جو بات کہو یا کسی بات کا جواب دو خوب منہ کھول کر صاف بات کہو تا کہ دوسرا اچھی طرح سمجھ لے۔

نمبر۳۳:۔کسی کو کوئی چیز ہاتھ میں دینا ہو دور سے مت پھینکو شاید دوسرے کے ہاتھ میں نہ آسکے تو نقصان ہو پاس جا کر دے دو۔

نمبر۳۴:۔اگر دو آدمی پڑھتے پڑھاتے ہوں یا باتیں کر رہے ہوں تو ان دونوں کے بیچ میں آکر چلانا یا کسی سے بات نہ کرنا چاہئے۔

نمبر۳۵:۔اگر کوئی کسی کام میں یا بات میں لگا ہو جاتے ہی اس سے اپنی بات مت شروع کر دو بلکہ موقع کا انتظار کرو جب وہ تمہاری طرف متوجہ ہو تب بات کرو۔

نمبر۳۶:۔جب کسی کے ہاتھ میں کوئی چیز دینا ہو تو تاوقتیکہ وہ دوسرا آدمی اس کو اچھی طرح سنبھال نہ لے اپنے ہاتھ سے مت چھوڑو۔

نمبر۳۷:۔کھانا کھاتے میں ہڈیاں ایک جگہ جمع رکھو اسی طرح کسی چیز کے چھلکے وغیرہ بھی۔

نمبر۳۸:۔بہت دوڑ کر یا منہ اوپر اٹھا کر مت چلو کہیں گر نہ پڑو۔

نمبر۳۹:۔اپنے شوہر کے سامنے کسی نامحرم مرد کی تعریف نہ کرنا چاہئے بعض مردوں کو ناگوار گذرتا ہے اسی طرح غیر عورتوں کی بھی تعریف شوہر سے نہ کرے شاید اس کا دل اس پر آجائے اور تم سے ہٹ جائے۔

نمبر۴۰:۔جس سے بے تکلفی نہ ہو اس سے ملاقات کے وقت اس کے گھر کا حال یا اس کے مال

ودولت زیور و پوشاک کا حال نہ پوچھنا چاہیے۔

نمبر۴۱:۔ مہینے میں تین یا چار دن خاص اس کام کے لئے مقرر کرلو کہ گھر کی صفائی پورے طور سے کرلیا کرو جالے اتار دیئے فرش اٹھا کر جھڑوا دیئے ہر چیز قرینے سے رکھ دی۔

نمبر۴۲:۔ کسی کے سامنے سے کوئی کاغذ لکھا ہوا اٹھا کر نہ دیکھنا چاہئے شاید اس میں پوشیدہ بات ہو۔

نمبر۴۳:۔ جہاں کوئی بیٹھا ہوا ہو وہاں کپڑا وغیرہ اس طرح جھٹکنا نہ چاہئے۔

نمبر۴۴:۔ کسی کی غم و پریشانی یا دکھ بیماری کی کوئی خبر سنو تو جب تک خوب پختہ طور پر تحقیق نہ ہو جائے کسی سے ذکر نہ کرو خاص کر اس شخص کے عزیزوں سے کہ ممکن ہے خبر بے بنیاد ہو۔

نمبر۴۵:۔ اسی طرح معمولی بیماری اور تکلیف کی خبر خط کے ذریعے اس کے عزیزوں کو نہ دو۔

نمبر۴۶:۔ دیوار پر مت تھوکو۔

نمبر۴۷:۔ چلنے میں پاؤں پورا اٹھا کر آگے رکھو کھسرا کر مت چلو۔

نمبر۴۸:۔ چادر دوپٹے کا بہت خیال رکھو کہ اس کا پلہ زمین پر لٹکتا نہ چلے۔

نمبر۴۹:۔ لڑکیوں کے سامنے کوئی بے شرمی کی بات نہ کرو ان کی شرم جاتی رہے گی۔

نمبر۵۰:۔ کھانا مل کر کھانے سے برکت ہوتی ہے۔

نمبر۵۱:۔ بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع کرو اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ البتہ اگر اس برتن میں یا دسترخوان پر کئی قسم کی چیزیں ہیں جیسے کئی طرح کے پھل کئی طرح کی شیرینی ہو اس وقت جس چیز کو جی چاہے جس طرف سے چاہو اٹھا لو۔

نمبر۵۲:۔ انگلیاں چاٹ لیا کرو اور برتن میں اگر سالن ہو تو اس کو بھی صاف کرلیا کرو۔

نمبر۵۳:۔ اگر لقمہ ہاتھ سے چھوٹ جائے اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھالو شیخی مت کرو۔

نمبر۵۴:۔ خربوزے کی پھانکیں ہیں یا کھجور و انگور کے دانے ہیں یا مٹھائی کے ڈلیاں ہیں تو ایک ایک اٹھاؤ دو دو ایک دم سے مت لو۔

نمبر۵۵:۔اگر کوئی چیز بد بودار کھائی ہو جیسے کچا پیاز، لہسن تو اگر محفل میں بیٹھنا ہو پہلے منہ صاف کرلو کہ بد بو نہ رہے۔

نمبر۵۶: روز کے خرچ کے لئے آٹا چاول ناپ تول کر پکاؤ اندھا دھند مت اٹھاؤ۔

نمبر۵۷:۔بہت جلتا کھانا مت کھاؤ اور دوسرے کو بھی مت کھلاؤ۔

نمبر۵۸:۔مہمان کی خاطر کرو اور اسے دروازے تک پہنچاؤ کہ یہ سنت ہے۔

نمبر۵۹:۔بے ضرورت کھڑے ہو کر پانی مت پیو اور ایک ہی سانس میں بھی مت پیو۔

نمبر۶۰:۔پانی پی کر اگر دوسروں کو بھی دینا ہو تو جو تمہارے داہنی طرف ہو اس کو پہلے دو اور وہ اپنے داہنی طرف والے کو دے اسی طرح اگر کوئی اور چیز بانٹنا ہو جیسے پان، عطر، مٹھائی سب کا یہی طریقہ ہے۔

نمبر۶۱:۔کھانے پینے کی چیز کسی کے پاس بھیجنا ہو تو ڈھانک کر بھیجو۔

نمبر۶۲:۔ایک جوتی پہن کر مت چلو۔

نمبر۶۳:۔کپڑا داہنی طرف سے پہننا شروع کرو مثلاً داہنی آستین، داہنا پائنچہ داہنی جوتی اور بائیں طرف سے نکالو۔

نمبر۶۴:۔کپڑا پہن کر یہ دعا پڑھو گناہ معاف ہوتے ہیں۔الحمد للّٰہ الذی کسانی ھذا ورزقنیہ من غیر حول منی ولاقوۃ۔

نمبر۶۵:۔ایسا لباس مت پہنو جس میں بے پردگی ہو۔

نمبر۶۶:۔جو امیر عورتیں بہت قیمتی پوشاک اور زیور پہنتی ہیں ان کے پاس زیادہ مت بیٹھو خواہ مخواہ دنیا کی ہوس بڑھے گی۔

نمبر۶۷:۔پیوند لگانے کو ذلت مت سمجھو۔

نمبر۶۸:۔کپڑا نہ بہت تکلف کا پہنو اور نہ میلا کچیلا پہنو بیچ کی راہ رہو۔یعنی درمیانی حال پر رہو اور صفائی رکھو۔

نمبر۶۹:۔ بالوں میں تیل کنگھی کرتی رہو مگر ہر وقت اسی دھن میں مت لگی رہو ہاتھوں میں مہندی لگاؤ۔

نمبر۷۰:۔ سرمہ تین تین سلائی دونوں آنکھوں میں لگاؤ۔

نمبر۷۱:۔ بیمار کو کھانے پینے پر زیادہ زبردستی مت کرو۔

نمبر۷۲:۔ بیماری میں بد پرہیزی مت کرو۔

نمبر۷۳:۔ خلاف شرع تعویز گنڈا ٹوٹکہ ہرگز استعمال مت کرو۔

نمبر۷۴:۔ جن بیماریوں سے دوسروں کو نفرت ہوتی ہے جیسے خارش وغیرہ ایسے بیمار کو چاہئے کہ خود کو سب سے الگ رکھے تاکہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔ (بہشتی زیور حصہ ہفتم)

آداب ضیافت:۔

هل اتٰك حديث ضيف ابراهيم المكرمين 0 اذدخلوا عليه فقالوا سلاماً قال سلام قوم منكرون 0 فراغ الى اهله فجاء بعجل سمين فقربه اليهم فقال الاتاكلون 0 فاوجس منهم خيفة قالوا لاتخف وبشروه بغلام عليم0 (الآية)

''اے پیغمبر! ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت بھی تم تک پہنچی ہے؟ کہ جب یہ لوگ ان کے پاس آئے تو آتے ہی سلام علیک کی ابراہیم نے سلام کا جواب دیا (اور دل میں کہا کہ یہ) لوگ تو کچھ اجنبی سے معلوم ہوتے ہیں پھر جلدی سے اپنے گھر جا کر ایک موٹا تازہ بچھڑا یعنی اس کا گوشت بھنوا کر مہمان کے لئے لائے اور ان کے سامنے رکھا تو انہوں نے تامل کیا ابراہیم نے پوچھا آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں؟ اس پر بھی انہوں نے کھانے سے انکار کیا تب تو ابراہیم ان سے جی ہی جی میں ڈرے انہوں نے ان کی یہ حالت دیکھ کر کہا کہ آپ کسی طرح کا اندیشہ نہ کریں اور ان کو ایک ہوشیار فرزند کی خوشخبری بھی دی۔''

اس حکایت سے آداب مہمانداری کے متعلق حسب ذیل نتیجے نکالے جاسکتے ہیں۔

(۱) مہمان اور میزبان میں کلام کی ابتداء باہمی سلام سے ہونا چاہئے۔

(۲) مہمان کے کھانے پینے کا فوراً سامان کرنا چاہئے کیونکہ روغان کے معنی سرعت اور جلدی کے ہیں۔

(۳) روغان کے ایک معنی چپکے چلے جانے یا دزدیدہ نگاہوں سے دیکھنے کے بھی ہیں اس لئے مہمانوں کے کھانے پینے کا سامان مخفی طور پر ان کی نگاہ سے بچا کر کرنا چاہئے کیونکہ اگر مہمانوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے لئے کچھ سامان کیا جا رہا ہے تو وہ ازراہ تکلف اس کو روکیں گے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اہل وعیال سے یہ نہیں کہا کہ کھانے پینے کا سامان کرو بلکہ چپکے سے خود کھانے پینے کا سامان کرنے چلے گئے۔

(۴) کسی بہانے تھوڑی دیر کے لئے مہمان سے الگ ہونا چاہئے تا کہ ان کو آرام کرنے یا دوسری ضروریات سے فارغ ہونے میں تکلیف نہ ہو۔ اس لئے حضرت ابرہیم علیہ السلام کھانے پینے کا سامان کرنے کے لئے ان سے الگ ہو گئے۔

(۵) مہمانوں کے سامنے عمدہ سے عمدہ کھانا پیش کرنا چاہئے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک موٹا تازہ بچھڑا ذبح کیا۔

(۶) کھانا مہمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہئے ان کو کھانے کا حکم نہیں دینا چاہئے اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا کہ آپ لوگ کیوں نہیں کھاتے یہ نہیں کہا کہ آپ لوگ کھایئے۔

(۷) مہمانوں کے کھانے سے مسرور اور نہ کھانے سے مغموم ہونا چاہئے کیونکہ جو لوگ بخیل ہوتے ہیں وہ کھانا تو مہمان کے سامنے پیش کر دیتے ہیں لیکن ان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ مہمان نہ کھائے تا کہ وہ کھانا ان کے اور ان کے اہل وعیال کے کام آئے اس لئے جب ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو ناپسند کیا اور ان کے دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ یہ دشمن بن کر تو نہیں آئے ہیں۔

(۸) نہ کھانے کی حالت میں مہمانوں کو عمدہ الفاظ میں عذر کرنا چاہئے اس لئے ان فرشتوں نے کہا کہ اگر ہم نہیں کھاتے تو آپ کو خوف زدہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ ہم لوگ کھا پی نہیں سکتے بلکہ صرف آپ کو

ایک لائق فرزند کے تولد کی بشارت دینے کے لئے آئے ہیں۔

(۹) سورہ حجر میں حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان فرشتوں کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آرام اور آسائش کے ساتھ میزبان مہمان کی عزت وآبرو کا بھی محافظ ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی شخص اس کے ساتھ اہانت آمیز برتاؤ کرنا چاہے تو میزبان کا یہ فرض ہے کہ مہمان کی جانب سے مدافعت کرے کیونکہ اس سے خود میزبان کی توہین ہوتی ہے۔ اس لئے جب قوم لوط نے ان مہمان فرشتوں کے ساتھ توہین آمیز برتاؤ کرنا چاہا تو حضرت لوط علیہ السلام نے ''قال ان ھؤلاء ضیفی فلاتفضحون واتقوا اللّٰہ ولاتخزون'' الآیۃ یہ میرے مہمان ہیں تو ان کے بارے میں مجھ کو فضیحت نہ کرو اور خدا سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔ (سیرت النبی جلد ششم)

(۱۰) مہمان اگر زیادہ نہ ہوں تو میزبان ان کے ساتھ بیٹھ کر دسترخوان پر ان کی خدمت کرسکتا ہے اور اگر زیادہ ہوں تو خود ان کے ساتھ بیٹھ کر نہ کھائے بلکہ مروت کا تقاضا یہ ہے کہ بذات خود ان کی خدمت کرتا رہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا۔

(۱۱) کھانے کے دوران میزبان کو چاہئے کہ وقفے وقفے سے مہمان سے کہتا رہے کہ آپ کیوں نہیں کھا رہے البتہ زیادہ اصرار نہ کرے۔

(۱۲) مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر زیادہ دیر تک خاموش نہیں رہنا چاہئے کہ اس سے ان کے دل میں بدگمانی پیدا ہوسکتی ہے۔

(۱۳) اسی طرح زیادہ دیر تک ان سے غائب بھی نہیں رہنا چاہیے۔

(۱۴) خادم یا بچہ وغیرہ پر ان کے سامنے غضبناک نہیں ہونا چاہئے کیونکہ مہمان کے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ چیز خندہ پیشانی ہے۔

(۱۵) مہمانوں کے سامنے ایسے شخص کو نہیں بٹھانا چاہئے جو ان کو ناپسند ہو۔

(۱۶) اگر کچھ مہمان پہلے آئے ہوں تو کھانے میں ان کا حق بھی مقدم ہوگا۔

(۱۷) ہاتھ دھونے سے پہلے کھانا پیش نہ کیا جائے۔

(۱۸) کھانے سے پہلے ہاتھ دھوتے وقت تولیہ سے نہ پونچھنا چاہئے البتہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ کھانے کے بعد پونچھا جاسکتا ہے ہاتھ دھونے میں ترتیب نہیں ہے۔

(۱۹) جب مہمان فارغ ہوجائے اور جانے کی اجازت چاہے تو انہیں ان کی مرضی کے خلاف روکنا مناسب نہیں۔

روایت ہے کہ ایک آدمی نے کسی حکیم کی دعوت کی حکیم نے کہا کہ مجھے منظور ہے بشرطیکہ تم تین باتوں کا وعدہ کرلو۔

نمبر ایہ کہ مجھے زہر نہیں کھلاؤ گے۔

نمبر ۲ یہ کہ میرے ساتھ ایسا شخص نہیں بٹھاؤ جو تمہیں تو پسند ہو مگر مجھے ناپسند ہو۔

نمبر ۳ یہ کہ مجھے قید نہیں کروگے۔

صاحب منزل نے کہا ٹھیک ہے چنانچہ جب کھانا حاضر ہوا تو میزبان نے اپنا ایک چھوٹا بچہ اس کے ساتھ بٹھایا اور کھانے کے لئے بہت اصرار کررہا تھا اور جب حکیم کھانے سے فارغ ہوکر جانے لگا تو صاحب خانہ نے کچھ دیر کو بیٹھنے کو کہا اس پر حکیم نے کہا کہ تم نے تینوں شرائط کی خلاف ورزی کی۔ (بستان العارفین)

(۲۰) مہمان کو رخصت کرتے وقت ان کے ساتھ کم از کم دروازے تک جائے۔

آداب برائے مہمان:۔

(۲۱) اگر مہمان نے کھانا کھایا ہے تو وہ آتے ہی میزبان سے کہہ دے کہ میں کھانا نہیں کھاؤنگا۔

(۲۲) مہمان کے بیٹھنے کی جگہ وہی ہے جہاں اسے صاحب خانہ بٹھانا چاہے۔

(۲۳) مہمان کو اس چیز پر راضی ہونا چاہئے جو اسے میزبان کھلائے۔

(۲۴) اگر اٹھنے کی ضرورت پیش آئے یا جانے لگے تو میزبان سے اجازت لے۔

(۲۵) جاتے ہوئے صاحب خانہ کے لئے دعا کرے اور یہ دعا زیادہ افضل ہے۔

افطر عندکم الصائمون واکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملائکة

ونزلت علیکم الرحمۃ۔

(۲۶) پانی اور نمک کے سوا زیادہ چیزیں نہ مانگے البتہ چائے میں اگر چینی کم ہو تو اس کو بھی مانگ سکتا ہے۔

(۲۷) کھانے میں عیب تلاش نہ کرے بلکہ جو کچھ تیار ہو اور جیسے بھی ہو بس اسی پر اکتفاء کرے۔

(۲۸) اگر مہمان زیادہ ہوں تو کھانے کا افتتاح وہی کرے جو ان میں بڑا ہو۔

(۲۹) ایک آدمی کو دوسرے کے لقمے کی طرف نہیں دیکھنا چاہئے۔

(۳۰) جہاں سے کھانا لایا جاتا ہے اس طرف دیکھنا مناسب نہیں۔ (بستان العارفین)

(۳۱) چونکہ کہیں مہمان ہونا میزبان کے لئے بہر حال ایک گونہ تکلیف کا باعث ہے اور کسی کے ہاں بے وجہ مفت کھانا انسانی اور اسلامی غیرت کے خلاف ہے اس لئے ضرورت تھی کہ جہاں میزبان کو مہمان کی خاطر تواضع اور تعظیم وتکریم کی ہدایت کی گئی ہے وہاں مہمان کو بھی یہ بتادیا جائے کہ وہ کسی دوسرے کے خوان کرم سے حد ضرورت سے زیادہ فائدہ نہ اٹھائے۔ چنانچہ احادیث میں یہ تصریح کردی گئی ہے کہ مہمان کو کسی کے یہاں تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہرنا چاہئے کیونکہ اس سے صاحب خانہ کو تکلیف ہوگی اور اس پر بار پڑے گا۔ (بخاری) اس کے علاوہ تین دن سے زیادہ کی مہمانی صدقہ ہوجائے گا جس کو خود غیور اور خوددار مہمان پسند نہ کرے گا۔ (سیرت النبی جلد ششم ص:۱۰۴)

تنبیہ:۔

بعض لوگ روٹی یا اخبار کے ٹکڑے سے ہاتھ منہ صاف کرتے ہیں ایسی صورت میں میزبان بتقاضائے حیا مہمانوں سے کچھ ذکر مناسب نہیں سمجھتا ہے اس لئے مہمانوں کو چاہئے کہ اول تو یہ فعل نہایت برا ہے دوسرے اگر کرنا ضروری ہے تو اپنے گھر پر کریں دوسروں کو اس گناہ میں شامل نہ کریں الغرض مہمان کو ہر اس کام سے گریزاں رہنا چاہئے جس سے میزبان کو تکلیف پہنچے۔

آداب محفل:۔

(۱) کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود وہاں مت بیٹھو۔

(۲) کوئی شخص محفل سے اٹھ کر کسی کام کو گیا اور عقل سے معلوم ہوا کہ ابھی پھر آئے گا ایسی حالت میں اس کی جگہ کسی اور کو نہ بیٹھنا چاہئے وہ جگہ اسی کا حق ہے مسجد میں نمازی اور گاڑی وغیرہ میں مسافر کے لئے بھی یہی ضابطہ ہے کہ اگر کوئی نمازی یا مسافر اپنی نشست وقتی طور پر خالی کر کے کسی کام سے جائے تو دوسرے کو اس پر بیٹھنے کا حق نہیں۔

(۳) اگر دو آدمی ارادہ کر کے محفل میں پاس بیٹھے ہوں تو ان کے بیچ میں جا کر مت بیٹھو البتہ اگر وہ خوشی سے بٹھالیں تو کچھ ڈر نہیں۔

(۴) جو شخص تم سے ملنے آئے اس کو دیکھ کر ذرا اپنی جگہ سے کھسک جاؤ گو کہ مجلس میں جگہ بہت ہوتا کہ وہ یہ جانے کہ تم نے اس کی قدر کی۔

(۵) محفل میں سردار بن کر مت بیٹھو جہاں جگہ ہو غریبوں کی طرح بیٹھ جاؤ۔

(۶) جب چھینک آئے منہ پر کپڑا یا ہاتھ رکھ لو اور پست آواز سے چھینکو کھانسی میں بھی ایسی کوشش کرنی چاہئے یا کم از کم منہ دوسری طرف کر کے کھانسا جائے۔

(۷) جمائی کو جہاں تک ہو سکے روکو اگر نہ رکے تو منہ ڈھانک لو۔

(۸) بہت زور سے مت ہنسو۔

(۹) محفل میں ناک منہ چڑھا کر منہ پھلا کر مت بیٹھو عاجزی سے غریبوں کی طرح بیٹھو کوئی بات موقع کی ہو بول چال بھی لو البتہ گناہ کی بات ہرگز مت کرو۔ محفل میں کسی کی طرف پاؤں مت پھیلاؤ۔ (بہشتی زیور حصہ ہفتم)

(۱۰) جس سے ملو ادب سے ملو نرمی سے بولو۔

(۱۱) محفل میں تھوکو نہیں۔

(۱۲) کسی کی طرف پشت مت کرو۔

(۱۳) ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ دیکر مت بیٹھو۔

(۱۴) انگلیاں مت چٹخاؤ۔

(۱۵) بلاضرورت بار بار کسی کی طرف مت دیکھو۔

(۱۶) ادب سے بیٹھے رہو۔

(۱۷) بہت مت بولو۔

(۱۸) بات بات میں قسم مت کھاؤ۔

(۱۹) جہاں تک ممکن ہو خود کلام مت شروع کرو۔

(۲۰) جب دوسرا شخص بات کرے خوب توجہ سے سنو تا کہ اسکا دل نہ بجھے البتہ اگر گناہ کی بات ہو مت سنو یا تو منع کر دو یا وہاں سے اٹھ جاؤ۔

(۲۱) جب تک کوئی شخص بات پوری نہ کر لے بیچ میں مت بولو۔

(۲۲) جب کوئی آوے اور محفل میں جگہ نہ ہو تو اسے جگہ دے دو۔

(۲۳) جب کسی سے ملو یا رخصت ہونے لگو تو السلام علیکم کہو اور جواب میں وعلیکم السلام کہو اور طرح طرح کے الفاظ مت کہو۔ (بہشتی زیور حصہ چہارم)

(۲۴) اگر کچھ لوگ محفل میں حلقہ باندھ کر بیٹھے ہوئے ہوں تو کسی کو اس جگہ حلقہ کے وسط میں نہ بیٹھنا چاہئے۔

(۲۵) مجلس میں کسی شخص کے گرد یا سامنے کسی کو کھڑا نہیں رہنا چاہئے کیونکہ یہ عجمیوں کی عادت تھی کہ نوکر جا کر آقا کے اور رعایا بادشاہ کے گرد کھڑی رہتی تھی۔

(۲۶) راستہ میں نہیں بیٹھنا چاہئے کیونکہ یہ وقار کے خلاف ہے اور رہ آئندہ وروند کو دیکھنا بداخلاقی ہے لیکن اگر ضرورت مجبور کرے تو ایسے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چند اخلاقی باتوں کی پابندی کرنی چاہئے یعنی نگاہ نیچی رکھنا ضرر رساں چیزوں کو راستہ سے دور کرنا' سلام کا جواب دینا' نیکی کا حکم دینا' بری باتوں سے روکنا' اور راستہ بھولے ہوؤں کو راستہ دکھانا' اور مصیبت میں مارے ہوؤں کی مدد کرنا۔

(۲۷) انسان پر سب سے زیادہ صحبت کا اثر پڑتا ہے اس لئے ہم نشینوں کے انتخاب میں اسکا

ضرور لحاظ رہے کہ وہ ایسے لوگ ہوں جن کی صحبت سے اسکو فائدہ پہنچے۔

(۲۸) مجلس میں جو معزز جگہ ہو وہاں بیٹھنے کی از خود کوشش نہ کی جائے۔

(۲۹) مجلس میں بیٹھ کر دو آدمی سرگوشی نہ کریں اسی طرح اس زبان میں بھی باتوں سے گریز کریں جسے سب حاضرین نہیں سمجھتے کیونکہ اس سے حاضرین کے ذہن میں غلط فہمی پیدا ہوگی۔

(۳۰) البتہ اگر حاضرین میں غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر اس کی اجازت ہے بشرطیکہ مجلس کم از کم چار آدمیوں پر مشتمل ہو تا کہ کوئی شخص اکیلا نہ رہے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور ان سے سرگوشی کرنے کی درخواست کی مگر اس وقت حضرت عبداللہ کے ساتھ چونکہ عبداللہ بن دینار بھی موجود تھے اس لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چوتھے شخص کو بلایا تا کہ وہ عبداللہ بن دینار کے ساتھ بیٹھا رہے اور اس طرز عمل کی دلیل کے طور پر انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

لایناجی اثنان دون واحد ویترکاہ فان ذالك یحزنہ۔

(مؤطا مالک ص:۳۲۷ ماجاء فی مناجات اثنین دون واحد)

''دو آدمی آپس میں بغیر تیسرے کے اس طرح سرگوشی نہ کریں کہ وہ اکیلا رہ جائے کیونکہ اس سے وہ پریشان ہو جاتا ہے۔''

(۳۱) مجلس کی راز کی باتوں کو برملا نہیں بیان کرنا چاہئے کیونکہ مجلس کی باتیں امانت ہوا کرتی ہیں۔ (سیرت النبی جلد ششم ص:۳۶۵، ۳۶۶)

آداب ملاقات:۔

(۱) اکثر الصلوۃ فی بیتك یکثر خیر بیتك وسلم علی من لقیت من امتی تکثر حسناتك۔ (کنز العمال ص:۳۹ ج:۱۵)

''اپنے گھر میں بکثرت نماز پڑھتے رہو کہ اس سے تیرے گھر میں خیر و برکت کا اضافہ ہوگا اور سلام کرو ہر اس شخص کو میری امت میں سے جس سے ملاقات ہو تیری نیکیاں بڑھیں گی۔''

ملاقات کے وقت سب سے پہلے جو کلمہ منہ سے نکلے وہ محبت اور امن وسلامتی کا پیام ہو جس کو

شریعت نے السلام علیکم تم پر سلامتی ہو کے لفظوں میں ترتیب دیا ہے چھوٹے بڑے کو بڑے چھوٹے کو سب سے پہلے یہی پیام دیں۔

(۲) سلام کرنے کے لئے شناسا و غیر شناسا جانے اور انجانے کی تخصیص نہیں مرد اور عورت کی تفریق نہیں الا یہ کہ مرد اور عورت غیر محرم ہوں بڑے اور بچے کی تمیز نہیں البتہ اسلام نے سلام کی ابتداء کرنے کے لئے دو اصولوں کو ملحوظ رکھا ہے جو تمام متمدن قوموں میں رائج تھے۔

ایک یہ کہ چھوٹا ادب و احترام کا لحاظ کرے اس اصول کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو، گزرنے والا بیٹھنے والے کو اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے دوسرا یہ کہ سلام کے ذریعے سے تواضع و خاکساری کا اظہار ہو اور یہی وجہ ہے کہ سلام کی ابتداء کرنے والے کو تکبر سے خالی قرار دیا گیا ہے اس اصول کی بناء پر اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ سوار کو پیدل چلنے والے کو سلام کرنا چاہئے۔

(۳) دوستوں کی ملاقات کے وقت چہرے سے خوشدلی اور مسرت ظاہر کرنی چاہئے جو خندہ پیشانی کی صورت میں ہو۔

(۴) ملاقات کے وقت اظہار محبت اور اظہار مسرت کا دوسرا ذریعہ مصافحہ ہے جس سے سلام کے اغراض کی تکمیل ہوتی ہے۔

(۵) ملاقات یا اور کسی کام کے لئے کسی کے گھر میں جانے کے لئے صاحب خانہ سے اجازت لینا ضروری ہے۔

(۶) غیر محرم عورتوں سے ملنے کے لئے ان کے شوہروں سے اجازت لینے کی ضرورت ہے۔ (ترمذی ص:۱۰۶ ج:۲)

(۷) اگر دروازے پر پردہ نہ ہو تو دروازے کے دائیں بائیں کھڑا رہنا چاہئے تا کہ نگاہ گھر کے اندر نہ پڑے۔

(۸) پہلے سلام کرے اور پھر کہے کہ میں اندر آ سکتا ہوں تین بار سلام کرنے کے بعد اگر

اجازت نہ ملے تو واپس جانا چاہئے اگر کوئی شخص قاصد کے ساتھ آ رہا ہے تو اسے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص گھر کے دالان میں بیٹھا ہوا ہو اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہ ہو تو اس وقت بھی اجازت لینا غیر ضروری ہے۔ دوکانوں میں جانے کے لئے اور اسی قسم کے دوسرے پبلک مقامات میں بھی اجازت لینا ضروری نہیں۔

(۹) خود اپنے گھر کے اندر بھی سلام کر کے جانا چاہئے اس سے برکت کے علاوہ یہ فائدہ ہوگا کہ اگر گھر میں عورتیں بے تکلفی کی حالت میں ہوں گی یا گھر میں غیر محرم عورتیں آ گئی ہیں تو وہ ہوشیار ہو جائیں۔ (سیرت النبی ص:۳۷۰ ج:۶)

تنبیہ ضروری:۔

آج کل اکثر لوگوں کو تو استیذان کی طرف کوئی توجہ ہی باقی نہیں جو صریح ترک واجب کا گناہ ہے اور جو لوگ مسنون طریقہ کے مطابق باہر سے پہلے سلام کریں پھر اپنا نام بتلا کر اجازت لیں ان کے لئے اس زمانے میں بعض دشواریاں یوں بھی پیش آتی ہیں کہ عموماً مخاطب جس سے اجازت لیتا ہے وہ دروازہ سے دور ہے وہاں تک سلام کی آواز اور اجازت لینے کے الفاظ پہنچنا مشکل ہیں اس لئے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اصل واجب یہ بات ہے کہ بغیر اجازت کے گھر میں داخل نہ ہو اجازت لینے کے طریقے ہر زمانے اور ہر ملک میں مختلف ہو سکتے ہیں ان میں سے ایک طریقہ دروازے پر دستک دینے کا تو خود روایات حدیث ثابت ہے اسی طرح جو لوگ اپنے دروازوں پر گھنٹی لگا لیتے ہیں اس گھنٹی کا بجا دینا بھی واجب طلب اجازت کے لئے کافی ہے بشرطیکہ گھنٹی بجانے یا دستک دینے کے بعد اپنا نام بھی ایسی آواز سے ظاہر کر دے جس کو مخاطب سن لے۔

اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ جو کسی جگہ رائج ہو اس کا استعمال کر لینا بھی جائز ہے آج کل جو شناختی کارڈ کا رواج یورپ سے چلا ہے یہ رسم اگرچہ یورپ والوں نے جاری کی مگر مقصد اجازت اس میں بہت اچھی طرح پورا ہو جاتا ہے اس لئے اس کو اختیار کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (معارف القرآن ص:۳۹۱ ج:۶)

(۱۰) اگر اندر سے مخاطب پوچھے کہ کون صاحب ہیں؟ تو جواب میں یہ نہیں کہنا چاہئے کہ میں

ہوں بلکہ اپنا نام ظاہر کر لینا ضروری ہے۔

(۱۱) اس سے زیادہ برا طریقہ یہ ہے کہ بجائے اپنا نام ظاہر کرنے کے بالکل خاموش کھڑا رہے۔ (ایضاً)

(۱۲) دستک اتنی زور سے نہیں دینی چاہئے کہ جس سے سننے والے گھبرا اٹھیں اسی طرح گھنٹی بھی مسلسل نہیں بجانی چاہئے۔

(۱۳) اگر اندر سے آواز آئے کہ اس وقت ملاقات نہیں ہوسکتی لوٹ جایئے تو اس سے برا نہ ماننا چاہئے۔ (ایضاً)

(۱۴) اگر کوئی کسی عالم یا بزرگ کے دروازہ پر بغیر استیذ ان کئے ہوئے اور بغیر ان کو اطلاع دیئے ہوئے انتظار میں بیٹھا رہے کہ جب اپنی فرصت کے مطابق باہر تشریف لائیں گے تو ملاقات ہو جائے گی تو یہ کمال ادب ہے بشرطیکہ اس کا وہاں بیٹھنا کسی کی تکلیف کا باعث نہ ہو۔

(۱۵) رفاع عام کے اداروں میں جس مقام پر اس کے مالکان یا متولیان کی طرف سے داخلہ کے لئے کچھ شرائط اور پابندیاں ہوں اس کی پابندی شرعاً واجب ہے مثلاً ریلوے اسٹیشن پر اگر بغیر پلیٹ فارم ٹکٹ کے جانے کی اجازت نہیں تو پلیٹ فارم ٹکٹ حاصل کرنا ضروری ہے اس کی خلاف ورزی ناجائز ہے ہوائی اڈے کہ جس میں جانے کی محکمہ کی طرف سے اجازت نہ ہو وہاں بغیر اجازت کے جانا شرعاً جائز نہیں۔ (حوالہ بالا)

(۱۶) اسی طرح مساجد، مدارس، خانقاہوں اور ہسپتالوں وغیرہ میں جو کمرے وہاں کے منتظمین یا دوسرے لوگوں کی رہائش کے لئے مخصوص ہوں جیسے مساجد مدارس وغیرہ کے خاص حجرے یا ریلوے ایرڈروم اور ہسپتالوں کے دفاتر اور مخصوص کمرے ان میں بغیر اجازت جانا شرعاً ممنوع اور گناہ ہے۔ (معارف ص:۳۹۴ ج:۶)

(۱۷) کسی شخص کو اسی وقت ٹیلیفون پر مخاطب کرنا جو عادۃً اس کے سونے یا دوسری ضروریات میں یا نماز میں مشغول ہونے کا وقت ہو بلا ضرورت شدیدہ جائز نہیں۔

(۱۸) جس شخص سے ٹیلیفون پر بات چیت اکثر کرنا ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس سے دریافت

کرلیا جائے کہ آپ کو ٹیلیفون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوتی ہے پھر اس وقت کی پابندی کی جائے۔

(۱۹) اسی طرح اگر کوئی طویل بات کرنا ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو فرصت ہو تو میں اپنی بات عرض کروں۔

(۲۰) بعض لوگ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے اور کوئی پرواہ نہیں کرتے نہ پوچھتے ہیں کہ کون ہے کیا کہنا چاہتا ہے یہ اسلامی اخلاق کے خلاف اور بات کرنے والے کی حق تلفی ہے کیونکہ شریعت نے حسن معاشرت کے آداب سکھانے اور سب کو ایذاء تکلیف سے بچانے کا دوطرفہ متعدل نظام قائم فرمایا ہے جس طرح آنے والے کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ ہر اس طرز عمل سے گریز کرے جس سے صاحب خانہ کو تکلیف ہو اسی طرح ایک حدیث میں اس کا دوسرا رخ اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص آپ سے ملاقات کے لئے آئے اس کا بھی آپ پر حق ہے یعنی اس کو اپنے پاس بلاؤ اس کی بات سنو اس کے مسئلہ پر توجہ دو اور اس کا اکرام کرو بلا کسی شدید مجبوری اور عذر کے ملاقات سے انکار نہ کرو۔

(۲۱) جہاں بغیر اجازت کے داخلہ ممنوع ہو یہ عام حالات میں ہے اگر اتفاقاً کوئی حادثہ پیش آئے مثلاً آگ لگ جائے یا منہدم ہونے کی صورت میں اجازت لئے بغیر وہاں جاسکتے ہیں بلکہ امداد کے لئے جانا ضروری ہے۔

(معارف القرآن ص:۳۹۰ جلد ششم)

آداب گفتگو:۔

(۱) آداب گفتگو میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نرمی سے گفتگو کریں اور سخت لہجہ اور ایسے انداز گفتار سے بہر حال گریز کریں جس سے مخاطب کی طبیعت میں ثقل پیدا ہو۔

(۲) مجلس میں بیٹھیں تو ایسے فقرے نہ کہیں جن میں کسی پر طعن چھپا ہو یا کسی کی تحقیر نکلتی ہو۔

(۳) باتیں ایسی کرنی چاہییں جو منصفانہ اور درست ہوں اگر جماعت کے افراد اس کا لحاظ

رکھیں تو آپس میں لڑائی جھگڑا بہت کم ہو اور لوگوں کے درمیان دشمنی اور عداوت نہ پیدا ہو۔

(۴) عورتوں کو جب نامحرم مردوں سے گفتگو کا اتفاق ہو تو بات اور لہجہ میں ایسی نزاکت اور لوچ نہ ہو کہ سننے والے کے دل میں بدی کا خیال پیدا ہو۔

(۵) بات کی جائے تو آہستگی کے ساتھ بے موقع چیخ کر باتیں کرنا حماقت کی دلیل ہے۔

(۶) فضول باتوں سے پرہیز کرنا وقار کی نشانی ہے اور مسلمانوں کی صفت ہے۔

(۷) ہر بات منہ سے نکلنے سے پہلے اس کے ہر پہلو کو سوچ لیا جائے۔

(۸) گفتگو بضرورت کرنی چاہئے احادیث میں ایسے لوگوں کی بہت برائی آئی ہے جو فضول باتیں کرتے ہوں اور بکواس میں مبتلا رہتے ہوں اور فرمایا ہے کہ ایسے لوگ امت کے افراد میں سے نہیں۔ (ادب المفرد دول الکلام)

(۹) مخاطب کو جو بات سمجھانی ہو اس کو صفائی اور سہولت کے ساتھ کہا جائے بلکہ اس کو دہرا کر کہا جائے تاکہ اچھی طرح سمجھ جائے۔

(۱۰) گفتگو ٹھہر ٹھہر کر کرنی چاہئے۔

(۱۱) گفتگو نہایت مختصر الفاظ میں کرنی چاہئے تاہم اتنا اختصار بھی نہ ہو جس سے مخاطب کے لئے مطلب نکالنا مشکل ہو جائے۔

(۱۲) گفتگو یا تقریر سے بعض اوقات مباہات اور شہرت مقصود ہوتی ہے بعض اوقات اس کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنایا جاتا ہے کبھی اس سے صرف تفریح مقصود ہوتی ہے ان اغراض کے حاصل کرنے کے لئے لوگ نہایت مسجع، مقفی، اور تکلف آمیز تقریر کرتے ہیں گفتگو کو طول دیتے ہیں چبا چبا کے باتیں کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام باتوں کی ممانعت کی اور فرمایا کہ خدا اس بلیغ آدمی کو مبغوض رکھتا ہے جو اپنی زبان کو اس طرح توڑتا مروڑتا ہے جس طرح بیل اپنی زبان کو توڑ مروڑ کے گھاس کھاتا ہے نیز فرمایا کہ جو شخص اسلوب کلام میں اس لئے ادل بدل کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنائے خدا قیامت کے دن اس کا فدیہ اور توبہ قبول نہ کرے گا۔

(ابوداؤد باب ماجاء فی التمشدق فی الکلام کتاب الادب)

(۱۳) جب چند لوگوں کے سامنے کوئی بات کہی جائے تو التفات ایک ہی کی طرف نہ رہے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر ہر ایک کی طرف منہ کیا جائے تا کہ دوسروں کو عدم التفات کی شکایت نہ پیدا ہو جائے۔ (الادب المفرد اذا حدث الرجل لا یقبل علی الواحد سیرت النبی جلد ششم ص: ۳۷۳، ۳۷۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کم سخن اور نرم گفتار تھے جب بولتے تو بہت کلام نہ فرماتے آپ کی تقریر منتظم موتیوں کی سی لڑی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح بہت گفتگو نہ فرماتے تھے آپ کا کلام مختصر ہوتا تھا اور تم کس قدر اس کو پھیلاتے ہو سب سے زیادہ مختصر کلام آپ کا ہوتا تھا اور اسی کو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس لائے اور باوجود اختصار کے جو چاہتے وہ جمع فرماتے۔

آپ جامع کلمات سے کلام فرماتے نہ ان میں زیادتی تھی نہ کمی گویا موتیوں کے دانوں کی طرح ایک دوسرے کے پیچھے چلے آتے ہیں اور اثناء کلام میں گو نہ توقف ہوتا تھا کہ سننے والا یاد کر لے آپ کی آواز بلند اور لہجہ سب سے اچھا تھا سکوت بہت فرماتے اور بدون حاجت لب مبارک نہ ہلاتے لفظ نامعقول زبان مبارک پر نہ لاتے اور حالت رضا اور غضب میں بجز سچ کے اور کچھ نہ کہتے جو کوئی برا لفظ بولتا اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے اور جو لفظ آپ کو برا معلوم ہوتا اور بجبوری کہنا پڑتا تو اس کو صراحۃً نہ فرماتے اشارۃً ارشاد فرماتے جب آپ خاموش ہو جاتے تو جلیس بولتے آپ کے پاس کوئی دوسرے کی بات نہ کاٹتا۔

خیر خواہی کے ساتھ بدون ہنسی کے پند فرماتے اپنے اصحاب کے روبرو سب سے زیادہ تبسم اور خندہ فرماتے اور ان کی باتوں سے زیادہ تعجب فرماتے اور ان میں اپنے نفس مبارک کو زیادہ مخلوط فرماتے اور بعض اوقات اتنا خندہ فرماتے کہ آپ کی کچلیاں کھل جاتیں اور آپ کے اصحاب کا خندہ آپ کے سامنے تبسم ہوتا تھا آپ کی اقتداء اور توقیر کی جہت سے۔ (احیاء العلوم جلد دوم)

کھانے پینے کے آداب:۔

(۱) کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھو لینا چاہئے۔

(۲) شروع میں بسم اللہ کہنا چاہئے اور اگر شروع میں بھول جائے تو کھانے کے دوران بسم اللہ اولہ وآخرہ کہہ لے۔

(۳) داہنے ہاتھ سے کھانا اور پینا چاہیے۔

(۴) کھانا برتن کے کنارے سے کھانا چاہئے بیچ سے نہیں کھانا چاہئے۔

(۵) اپنے ساتھیوں کی اجازت کے بغیر کھجور یا انگور وغیرہ کو ایک ساتھ دو دو کر کے نہیں کھانا چاہیے۔

(۶) کھانے میں عیب نہیں نکالنا چاہئے کیونکہ یہ تدبیر منزل کے خلاف ہے۔

(۷) سب کو مل کر کھانا چاہیے۔

(۸) کھانا ٹیک لگا کر بیٹھ کر یا منہ کے بل لیٹ کر نہیں کھانا چاہئے کھانے کے لئے بیٹھنے کی مسنون صورتیں یہ ہیں کہ یا تو ایک پاؤں کھڑا کر کے اور دوسرے پاؤں کو گرا کر اسی پر بیٹھ کر کھایا جائے یا دوزانوں بیٹھ کر اور اگر جگہ کم ہو اور لوگ زیادہ ہوں تو اکڑوں بیٹھ کر کھایا جائے یا دوزانوں بیٹھ کر۔

(۹) کھانا اپنے سامنے سے کھانا چاہئے ادھر ادھر ہاتھ نہیں بڑھانا چاہئے الا یہ کہ برتن میں یا دستر خوان پر مختلف قسم کی چیزیں موجود ہوں۔

(۱۰) کھانا کھانے کے بعد برتن کو انگلیوں سے اور انگلیوں کو منہ سے اچھی طرح صاف کر لینا چاہئے اور اس کے بعد ہاتھ دھو کر رومال سے پونچھنا چاہئے۔

(۱۱) پانی ٹھہر ٹھہر کر تین سانس میں پینا چاہئے اس طرح کہ ہر بار منہ کو برتن سے الگ کیا جائے تا کہ اندر سے نکلنے والی گندی سانس پانی میں نہ لگنے پائے۔

(۱۲) خود پینے کے بعد بقیہ پانی اپنے داہنے پہلو والے کو دینا چاہئے اور وہ اپنی دائیں جانب والے کو اس طرح اخیر تک الا یہ کہ بائیں پہلو پر کوئی معزز شخص موجود ہو تو پھر سیدھے ہاتھ والے سے

اجازت لے کر اس کو دیا جا سکتا ہے یہ ضابطہ پانی کے علاوہ کھانے پینے کی تمام اشیاء کا بھی ہے۔

(۱۳) پانی بے ضرورت کھڑے ہو کر نہیں پینا چاہئے کیونکہ یہ وقار کے خلاف ہے اور طبی حیثیت سے بھی مضر ہے البتہ کبھی کبھی بدون عادت کے پینے میں کوئی حرج نہیں۔

(۱۴) پانی مشکیزہ کے منہ یا پیالہ کے سوراخ سے نہیں پینا چاہیے۔

(۱۵) کھانے پینے کے برتنوں کو ڈھانک کے رکھنا چاہیے۔

(۱۶) کھانے اور پینے کے بعد خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے کھلایا اور پلایا۔

(سیرت النبی جلد ششم)

چلنے پھرنے کے آداب:۔

(۱) آدمی کو راستہ میں متانت سنجیدگی اور خاکساری کے ساتھ قدم اٹھانا چاہئے۔

(۲) اکڑ کر نہیں چلنا چاہئے یعنی چال میں غرور اور تبختر کے انداز نہ ہوں۔

(۳) عورت کو بجنے والے زیور مثلاً پازیب، چھڑے، یا جھانجھ پہن کر چلنے میں زمین پر زور زور سے پاؤں نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ اس کی آواز سے سننے والوں میں انتشار خیال پیدا ہوتا ہے۔

(۴) شریف عورت جب بضرورت گھر سے باہر نکلے تو کسی بڑی چادر یا برقع سے اپنا سارا جسم سر سے پاؤں تک چھپالے جس سے اس کی اصلی پوشاک اور زیب وزینت کی ساری چیزیں چھپ جائیں اور چادر یا نقاب کا کچھ حصہ منہ پر بھی آجائے تاکہ مرکز زینت چہرہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہے۔

مگر افسوس کہ ہمارے زمانے کی شریف عورتوں کا مزاج بھی بازاری عورتوں کی طرح ہو گیا کہ گھر سے نکلتے وقت خوشبو اور زیب وزینت بناؤ سنگار کا پورا اہتمام کر لیتی ہیں اور کچھ نہیں تو کم از کم برقع ضرور ایسا ہوگا جو جاذب نظر ہوگا۔

(۵) عورت کو راستہ میں ہر اس کام سے پرہیز کرنا چاہئے جس سے لوگوں کی نیتوں پر غلط اثر پڑتا ہو۔

لہٰذا اسی اصول پر عورت کو کوئی تیز خوشبو لگا کر باہر نہیں نکلنا چاہئے کیونکہ اس سے میلان طبع پیدا ہوتا ہے اور عورت کا یہ خیال برملا ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ اس کی طرف توجہ کریں اور عورت کا ایسا خیال شرافت نسوانی کے خلاف ہے۔

(۶) راستہ میں مرد اور عورت کو مل جل کر نہیں چلنا چاہئے اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو دو عورتوں کے درمیان چلنے کی ممانعت فرمائی ہے علاوہ ازیں اس عمل سے نسیان کا غلبہ بھی ہوتا ہے عورتوں کو وسط راہ سے الگ ہو کر راستہ کے کنارے سے چلنا چاہئے۔

(۷) اگر مسجد میں جماعت ہو رہی ہو تو بھی جماعت میں ملنے کے لئے متانت کے خلاف دوڑنا نہیں چاہئے۔

(۸) مقدور ہو تو پاؤں کے بچاؤ اور طہارت اور پاکیزگی کے لئے جوتے پہنے جائیں۔

(۹) جوتے دونوں پاؤں میں پہن کر چلنا چاہئے یا پھر دونوں پاؤں ننگے رہیں یعنی یہ نہیں کرنا چاہئے کہ ایک پاؤں میں جوتا ہو اور دوسرا پاؤں ننگا ہو کیونکہ یہ ادب وقار کے خلاف ہے ایسے شخص کو لوگ احمق اور سفیہ سمجھیں گے لیکن اگر گھر میں کوئی اس طرح دو چار قدم چل لے تو کوئی حرج نہیں۔

(سیرت النبی جلد ششم ص: ۳۷۵)

آداب سفر:۔

(۱) سفر کے وقت مسافر کو رخصت کرنا چاہئے اور اس کو خیر و عافیت کی کوئی نیک دعا دینی چاہئے۔

(۲) سفر تنہا نہیں کرنا چاہئے بلکہ کم از کم تین آدمی ساتھ ہونے چاہئے اس سے انسان بہت سے خطرات سے محفوظ رہتا ہے اور اسباب سفر کی حفاظت و نگرانی میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۳) سفر صبح کے تڑکے کرنا چاہئے۔

(۴) اگر تین آدمی ایک ساتھ سفر کریں تو ان میں ایک کو اپنا امیر بنا لینا چاہئے۔

(۵) اگر ریل کا سفر کرنا پڑے تو اپنا ٹکٹ بڑی حفاظت سے رکھنا چاہئے اور گاڑی میں غافل

ہوکر نہیں سونا چاہئے کسی مسافر سے اپنے حال یا سامان وغیرہ کا تذکرہ نہیں کرنا چاہئے۔

(۶) کسی کی دی ہوئی چیز کھانا وغیرہ نہیں کھانا چاہیے۔

(۷) عورتوں کے لئے زیور پہن کر ریل یا بس وغیرہ میں نہیں جانا چاہیے۔

(۸) سفر میں ضروری خرچ کے علاوہ کچھ زائد پیسے بھی احتیاطاً پاس ہونے چاہئے۔

(۹) ضروری دوائیں بھی اپنے پاس رکھنی چاہئے۔

(۱۰) اگر عورتیں ریل میں بیٹھیں اور اپنے ساتھ کے مرد دوسرے ڈبہ میں بیٹھے ہوں تو جس اسٹیشن پر اترنا ہو ریل پہنچنے کے وقت اس اسٹیشن کا نام سن کر یا تختے پر لکھا ہوا دیکھ کر اترنا نہ چاہئے۔ کیونکہ بعض شہروں میں دو تین اسٹیشن ہوتے ہیں شاید ان کے ساتھ کا مرد دوسرے اسٹیشن پر اترے اور یہ یہاں پر اتر پڑیں تو دونوں پریشان ہونگے یا مرد کی آنکھ لگ گئی اور وہ یہاں نہ اترا اور یہ اتریں تب بھی مصیبت ہوگی بلکہ جب اپنے گھر کا مرد آجاوے تب اتریں۔

(۱۱) سفر میں لکھے پڑھے لوگوں کے لئے دینی مسائل کی کتاب اور قلم کاغذ ہمراہ رکھنا چاہیے۔

(۱۲) ضروری سامان سفر کے علاوہ اگر مسافر محسوس کرے کہ سفر میں وضوء کی تکلیف ہوگی تو ایک لوٹا وغیرہ بھی اس مقصد کے لئے ساتھ رکھے۔

(۱۳) سفر میں جانے والوں سے حتی الامکان کوئی فرمائش نہ کرنی چاہئے کہ فلاں شی خرید لانا ہماری فلاں چیز فلاں جگہ رکھی ہے تم اپنے ساتھ لیتے آنا یہ اسباب لیتے جاؤ ان فرمائشوں سے اکثر ایک دوسرے کو تکلیف ہوتی ہے۔

(۱۴) ریل کے جس درجہ کا ٹکٹ ہے اس سے بڑے کرایہ کے درجہ میں بیٹھنا دیانت کے خلاف ہے اور بدنظمی کا بھی باعث ہے۔

(۱۵) اگر سفر میں جانور بھی ساتھ ہوں سواری کے لئے یا ویسے تو ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھنا چاہئے یہ نہ ہونا چاہئے کہ خود کھایا پیا مگر جانور کا خیال نہیں رکھا بلکہ پہلے جانور کو کھلا پلا کے پھر خود کھایا پیا جائے اور نہ ہی ان کو سفر میں اتنا دوڑانا چاہئے کہ جس سے ان کو غیر ضروری تکلیف پہنچے بلکہ آرام

سے ان کی طاقت کے مطابق چل کر اس بات کا پورا خیال رہنا چاہئے کہ ان کا بوجھ زیادہ بھاری تو نہیں کہیں زیادہ مسافت طے کر کے ان کو تکلیف تو نہیں پہنچائی۔

(۱۶) رات کو قیام راستہ سے الگ ہو کر کرنا چاہئے۔

(۱۷) جب سفر کی ضرورت پوری ہو جائے تو فوراً واپس آ جانا چاہئے۔

(۱۸) سفر سے اچانک آنے کے ساتھ ہی گھر میں داخل نہیں ہونا چاہئے بلکہ گھر والوں کو تیاری کا تھوڑا موقع دینا چاہئے۔

(۱۹) اگر کوئی معزز یا محبوب شخص سفر سے آئے تو اس کا استقبال کرنا چاہیے۔ (بہشتی زیور حصہ دہم سیرت النبی جلد ششم)

آداب لباس:۔

لباس سے اصلی مقصد دو ہیں ایک جسمانی اور دوسرا اخلاقی جسمانی یہ ہے کہ جسم کو سردی اور گرمی کی تکلیفوں سے بچایا جائے اور اخلاقی یہ ہے کہ انسان کے بدن کے جن حصوں پر غیروں کی نظر نہیں پڑنی چاہئے وہ چھپے رہیں اسلام کے علاوہ شاید اور کوئی مذہب نہیں جس نے برہنگی کو قابل اعتراض سمجھا ہو اسلام پہلا مذہب ہے جس نے ستر پوشی کو مذہب کا ایک ضروری جز ٹھرایا یہاں تک کہ بلا مجبوری اسکے بغیر نماز بھی ادا نہیں ہو سکتی۔

مردوں کے لئے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ اور شریف آزاد عورتوں کے لئے سر کے بالوں سے لے کر ٹخنوں کے گٹوں تک لونڈیوں کے لئے پیٹھ اور پیٹ سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ستر قرار دیا گیا ہے جس کا غیر کے سامنے کھولنا جائز نہیں یہاں تک کہ تنہائی میں ان کا بے وجہ کھولنا پسندیدہ نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی ننگے نہ ہوں کیونکہ تمہارے ساتھ فرشتے رہتے ہیں جو بضرورت برہنگی کے وقت تم سے الگ ہو جاتے ہیں تو ان سے شرم کرو اور انکا لحاظ رکھو۔

امر ثانی کی تکمیل کے لئے شریعت نے چند آداب مقرر کئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مرد ہو یا عورت کوئی ایسے باریک کپڑے نہ پہنے جن سے ستر دکھائی دے عورتوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتنی کپڑے پہننے والیاں ہیں جو حقیقت میں ننگی رہتی ہیں۔

(مسلم ص:۲۰۵ ج:۲ باب النساء الکاسیات کتاب اللباس)

(۲) ایسا کپڑا پہننا جس سے پوری ستر پوشی نہ ہو یعنی اس سے ستر کے پورے حدود نہ چھپیں جائز نہیں۔

(۳) مردوں کو کسی ضرورت اور مجبوری کے بغیر خالص ریشم کا بنا ہوا کپڑا نہیں پہننا چاہئے کیونکہ اس سے زنانہ پن کا اظہار ہوتا ہے۔

(۴) مردوں کے لئے عورتوں کی سی پوشاک اور عورتوں کے لئے مردوں کا لباس پہننا جائز نہیں۔

(۵) مردوں کے لئے پائجامہ شلوار اور تہبند کو اتنا نیچے نہیں کرنا چاہئے کہ ٹخنے چھپ جائیں کیونکہ یہ غرور کی نشانی ہے اس لئے مذکورہ اشیاء ٹخنوں سے اونچی رہیں۔ البتہ عورتوں کو اس کی اجازت ہے کہ اس میں ستر زیادہ ہے مگر آج کل کے رواج کے مطابق معاملہ الٹا ہو گیا کہ مرد تو شلوار وغیرہ زمین پر گھسیٹے ہیں اور عورتیں اس کو اتنا اونچا رکھتی ہیں کہ ٹخنے کیا بلکہ پنڈلی بھی نظر آتی ہے۔

(۶) ایسا لباس جس کی طرف بے اختیار لوگوں کی انگلیاں اٹھیں پہننا ٹھیک نہیں۔

(۷) مرد شوخ رنگ خصوصاً سرخ رنگ کے کپڑے نہ پہنیں البتہ سرخ دھاری کے کپڑے جائز ہیں اسی طرح زرد رنگ کے کپڑے بھی پہنے جا سکتے ہیں البتہ زعفرانی کپڑے درست نہیں۔

(۸) مردوں کے لئے عام طور سے سفید رنگ کے کپڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمائے ہیں۔

(۹) نیا لباس پہننے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

(سیرت النبی جلد ششم ص:۳۸۱)

آداب مسرت:۔

مسرت جب حد اعتدال سے بڑھ جاتی ہے تو اس کی سرحد فخر وغرور سے مل جاتی ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ خوشی کے وقت نازاں نہ ہو بلکہ اللہ کا شکر ادا کرے کہ اسی کے فضل سے یہ خوشی حاصل ہوئی۔

(۲) جس کو خوشی حاصل ہوئی ہے دوسرے مسلمان کو چاہئے کہ وہ اسے مبارک باد دے کر اس کی مسرت میں شریک ہو۔

(۳) سفر سے واپسی پر اعزہ واحباب کی دعوت کی جاسکتی ہے تا کہ وہ بھی اس مسرت میں شریک ہوں۔

(۴) اسی طرح شادی بیاہ میں بھی دوستوں اور عزیزوں کی دعوت مسنون ہے اسکو ولیمہ کہتے ہیں اسی طرح دوست اور عزیزوں کو اس کی شادی میں تحفہ کے طور پر بھی کچھ بھیج سکتے ہیں۔

(نسائی ص:۷۷ ج:۲ باب الہدیۃ لمن عرس آخر کتاب النکاح سیرت النبی جلد ششم)

آداب ماتم:۔

جس طرح انسان خوشی میں بے اعتدالی کرتا ہے غم کی حالت میں بھی وہ اعتدال سے گذر جاتا ہے۔

خصوصاً وہ لوگ جو برصغیر جنوبی ایشیاء کے باشندے ہیں ان پر ہندوؤں کے اثر کی وجہ سے خوشی اور غم دونوں حالتوں میں بے اعتدالی غالب رہتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی شادیوں اور ماتموں میں عموماً وہ رسومات ادا کی جاتی ہیں جو ہندوؤں کی پیداوار ہیں۔

چونکہ شریعت مطہرہ میں افراط وتفریط کے دونوں راستے ناپسندیدہ ہیں اس لئے مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ کسی بھی صورت میں استقامت اور اعتدال سے ہرگز نہ ہٹے۔

خوشی ہو یا غم دونوں حالتوں میں اللہ کو یاد کرنا چاہئے کہ خوشی بھی اسی کی طرف سے ہے اور غم بھی انسان اپنی بے راہ روی سے نہ خوشی میں اضافہ کرسکتا ہے اور نہ مصیبت میں تخفیف اس لئے مسرت پر شکر

اور مصیبت میں صبر کامل ایمان کی علامت اور دین پر استقامت کی دلیل ہے۔

آداب برائے طلبہ وعلماء:۔

تعلیم وتعلم اور معلم ومتعلم جب آداب خواندگی اور اخلاق العلماء سے خالی ہوں تو وہ شجر بے ثمر کی طرح بے وقار ہو جاتے ہیں کیونکہ علم کا اصلی مقصد اعلی اخلاق سے متصف اور متخلق ہونا ہے گو کہ اخروی فائدہ ثواب حاصل کرنا ہے۔

لہٰذا ہر عالم اور متعلم کو مندرجہ ذیل آداب کا پابند رہنا از حد ضروری ہے خاص کر آج کل کے زمانے میں تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ زمانہ گویا کہ مؤلفۃ القلوب کا ہے اگر اس میں علماء وطلباء ایسے کاموں کا ارتکاب کریں جو خلاف ذوق اور منافی مروت ہوں تو ان کے اپنے نقصان کے علاوہ اس کا عوام الناس پر بھی ایک بہت برا اثر پڑیگا۔

یہ وہ آداب ہیں جن کی وصیت امام ابوحنیفہؒ نے اپنی مختلف نشستوں میں فرمائی ہے۔

(۱) عوام کے سامنے صرف اسی بارے میں بات کرنا جس کے بارے میں تم سے سوال کیا جائے یعنی زیادہ لمبی تقریر اور شقیق (یعنی پیچیدہ بحث) سے پرہیز کرو۔

(۲) اور دنیاوی معاملات اور تجارت کے بارے میں عوام کے سامنے بات مت کرنا سوائے ان امور کے جن کا علم سے تعلق ہوتا کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ تم کو مال سے محبت ہے اور اس کی رغبت ہے۔

(۳) عوام کے سامنے نہ ہنسو اور نہ مسکراؤ۔

(۴) بازاروں میں زیادہ نہ جاؤ۔

(۵) اور جو لڑکے قریب البلوغ ہوں ان سے بات نہ کرو کیونکہ یہ لوگ فتنہ ہیں ہاں چھوٹے بچوں سے بات کرنے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۶) اور عوام میں جو بوڑھے لوگ ہیں ان کے ساتھ راستہ کے درمیان مت چلنا کیونکہ اگر ان کو اپنے آگے کرو گے تو اس سے تمہارے علم کی حیثیت گرے گی اور اگر ان کو پیچھے کرو گے تو اس سے تمہاری حیثیت گرے گی۔ (کیونکہ بوڑھوں کی عزت نہ کرنا ارشاد نبوی کے خلاف ہے)

(۷)اور راستوں میں مت بیٹھنا اگر تم کو اس کی ضرورت ہو کہ گھر کے علاوہ کسی جگہ بیٹھو تو مسجد میں بیٹھ جانا۔

(۸)اور دوکانوں پر مت بیٹھنا۔

(۹)بازاروں اور مسجدوں میں مت کھانا۔

(۱۰)راستوں میں جو سبیلیں لگی ہوں ان سے اور جو لوگ پانی پلاتے پھرتے ہیں ان کے ہاتھوں سے پانی مت پینا۔(کیونکہ یہ وقار کے خلاف ہے)

(۱۱)اور اپنے گھر میں بیوی کے ساتھ بستر میں ہوتے ہوئے زیادہ بات نہ کرنا بس اتنی ہی بات کرنا جتنی تجھے ضرورت ہو۔

(۱۲)اور اس کا چھونا اور ہاتھ لگانا زیادہ نہ کرنا۔

(۱۳)اور اس کے قریب مت ہو جانا مگر اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اور اللہ سے خیر طلب کرنے کے بعد۔

(۱۴)اور دوسروں کی عورتوں کا تذکرہ اور باندیوں کا ذکر اس کے سامنے نہ کرنا کیونکہ اگر تو نے ایسا کیا تو وہ تجھ سے بے تکلفی میں بات کرنے لگے گی اور ممکن ہے کہ غیر مردوں کا ذکر اس کی زبان پر آجائے۔(جو تیرے لئے باعث ناگواری ہوگا)

(۱۵)اور اس بات پر کبھی راضی نہ ہونا کہ سسرال میں بیوی کے ساتھ رہنے لگو۔

(۱۶)اس بات سے پرہیز کرنا کہ سابقہ بیٹوں اور بیٹیوں والی عورت سے نکاح کرو۔

(۱۷)اور دو بیویوں کو ایک گھر میں جمع نہ کرنا۔

(۱۸)اور اس وقت تک نکاح مت کرنا جب تک اپنے بارے میں یہ یقین نہ ہو جائے کہ تم اس کی تمام ضروریات پوری کرسکو گے۔

(۱۹)پہلے علم طلب کرو اس کے بعد حلال مال جمع کرو پھر شادی کرو۔

(۲۰)طلب علم میں جوانی کے ابتدائی دور میں مشغول ہونا۔

(۲۱) اللہ سے ڈرنے کو امانت ادا کرنے اور تمام عوام وخواص کی خیر خواہی کو لازم پکڑو۔

(۲۲) ایسا رویہ اختیار نہ کرو جس سے لوگوں کی ذلت ہو لوگوں کی عزت کرو لوگوں کے ساتھ رہنا سہنا اور ملنا جلنا زیادہ نہ کرو الا یہ کہ وہ تمہارے ساتھ رہنے سہنے اور ملنے جلنے کو پسند کریں اور ان کو ملنے جلنے کے مقابلہ میں تم ان کو مسائل بتاؤ تا کہ جو علم کا اہل ہے وہ علم میں مشغول ہو جائے اور جو نا اہل ہے وہ تم سے بچے۔

(۲۳) اور اگر تم دس سال بھی بغیر خوراک اور بغیر کسب معاش رہ جاؤ تب بھی علم کی جانب سے روگردانی نہ کرنا کیونکہ اس سے تمہاری روزی تنگ ہو جائے گی جیسا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔

ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکاً۔

''اور جس نے اعراض کیا میرے ذکر سے بلاشبہ اس کے لئے تنگی کی زندگی ہے۔''

(۲۴) اور جو لوگ تم سے فقہ حاصل کرنے والے ہوں ان کی طرف پوری توجہ کرنا اور ان کو اپنے ساتھ اس طرح رکھنا جیسے تم نے ان میں سے ہر ایک کو اپنا بیٹا اور اولاد بنا لیا ہے تا کہ تمہارا یہ طرز عمل ان کی عملی رغبت کے بڑھنے کا سبب ہو۔

(۲۵) عوام اور بازاری لوگوں میں سے جو شخص تمہارے ساتھ جھگڑا کرے تم اس سے مت جھگڑنا اگر ایسا کرو گے تو تمہاری آبرو جاتی رہے گی۔

(۲۶) حق بات بیان کرتے وقت کسی کی جاہ وحشمت کی پرواہ نہ کرنا اگرچہ بادشاہ ہو۔

(۲۷) تمہارے علاوہ جو جو لوگ عبادات میں مشغول رہتے ہیں تم اپنے نفس کو ان کی عبادات سے زیادہ عبادت میں مشغول کرو جب تک نفس دوسروں سے بڑھ کر عبادت نہ کرے تم اپنے نفس سے راضی نہ ہونا کیونکہ عوام جب تمہاری جانب سے عبادات پر اس سے زیادہ توجہ نہ دیکھیں گے جتنی عبادات وہ خود انجام دیتے ہیں تو وہ تمہارے بارے میں برے خیالات رکھیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ تم کو عبادات کی رغبت کم ہے جس سے ان کا تمہارے بارے میں یہ عقیدہ ہوگا کہ تم کو علم نے صرف اتنا ہی نفع دیا جتنا ان کی جہالت نے ان کو نفع دیا (کیونکہ جب تم عبادات میں عوام کے برابر ہو گے تو وہ سمجھیں گے کہ جیسے

ہم ہیں ویسے یہ ہیں ان کو علم سے کیا فائدہ پہنچتا ہے؟)

(۲۸) اہل علم کے ہوتے ہوئے فتوی مت دینا اگر چہ لوگ تم سے مسائل میں استفتاء کریں اور اہل علم سے مناظرہ ردوقدح اور علمی مقابلہ مت کرنا۔

(۲۹) اوران کے اساتذہ کے بارے میں طعن نہ کرنا کیونکہ وہ اس کی وجہ سے تمہارے اوپر طعن کریں گے۔

(۳۰) تنہائی میں اللہ سے اسی طرح تعلق رکھو جیسا کہ علانیہ طور پر سب کے سامنے اللہ سے تعلق رکھتے ہو۔

(۳۱) اور مجلس مناظرہ میں خوف اور مرعوبیت کے ساتھ بات نہ کرنا کیونکہ اس سے دل میں آنے والی بات کے اظہار میں خلل واقع ہوتا ہے اور زبان بولنے سے رکتی ہے۔

(۳۲) اور عورتوں کے ساتھ زیادہ گفتگو نہ کرنا اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی کثرت نہ کرنا کیونکہ اس سے دل مردہ ہوجاتا ہے۔

(۳۳) اور اپنی رفتار میں سکون اور اطمینان اختیار کرنا اور اپنے کاموں میں جلدی مت کرنا۔

(۳۴) اور جو شخص تم کو پیچھے سے آواز دے اس کی پکار کی طرف متوجہ مت ہونا کیونکہ پیچھے سے جانوروں کو آواز دی جاتی ہے۔

(۳۵) اور جب گفتگو کرو تو چیخ و پکار زیادہ نہ کرو اور اپنی آواز بلند نہ کرو۔

(۳۶) اور اپنے نفس کے لئے سکون کو اختیار کرو اعضاء وجوارح کو کم سے کم حرکت دو تا کہ لوگوں کے نزدیک تمہاری شان (متانت اور سنجیدگی) ثابت ہوجائے۔

(۳۷) اور لوگوں کے درمیان ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کیا کرو تا کہ لوگ تم سے ذکر سیکھیں یعنی وہ بھی اللہ کو یاد کرنے لگیں۔

(۳۸) اور نمازوں کے بعد اپنے لئے کچھ ورد مقرر کرلو جس میں تم قرآن شریف کی تلاوت کیا کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اس نے صبر کی شان جو تم کو دی ہے اور جو نعمت عطا فرمائی ہے اس پر اس کا

شکر ادا کرو۔

(۳۹) اور ہر مہینے میں چند ایام ایسے مقرر کرلو جن میں روزے رکھا کرو تا کہ دوسرے لوگ بھی اس میں تمہاری اقتداء کریں۔

(۴۰) اور اپنے نفس کی نگرانی کرو (تا کہ وہ گناہوں اور لایعنی کاموں میں مشغول نہ ہو جائے اور دوسروں کی بھی نگرانی کرو تا کہ وہ تمہاری دنیا و آخرت (کے اعمال اور اشغال کو دیکھیں) اور تمہارے علم کے ذریعہ نفع حاصل کرسکیں (اور تمہارے پاس آ کر انکا وقت ضائع نہ ہو)

(۴۱) اور بذات خود بازاروں میں خرید و فروخت نہ کرنا بلکہ اس کام کے لئے کوئی ایسا شخص تجویز کرلینا جو تمہارے کاموں کو اچھی طرح انجام دے اور تمہیں اس پر اعتماد بھی ہو۔

(۴۲) اپنے دنیاوی حالات میں اور تمام امور میں جن میں تم لگے ہوئے ہو مطمئن نہ ہو جاؤ (بلکہ نفس اور شیطان سے اندیشہ کرتے رہو) کیونکہ اللہ تعالیٰ ان تمام مشاغل اور امور کے بارے میں تم سے سوال فرمانے والا ہے جن میں تم لگے ہوئے ہو۔

(۴۳) اور اپنے نفس کو عام مسلمانوں میں شمار کرو، ہاں جو تمہارا خاص فن ہے یعنی علم (یعنی اس میں تمہاری ذمہ داری جداگانہ ہے)

(۴۴) اور خطاؤں میں لوگوں کی اتباع نہ کرو بلکہ صحیح اور درست کاموں میں ان کی اتباع کرو۔ (یہ نہیں کہ ان کے ساتھ کھڑے ہو کر کھانے لگ جاؤ یا ٹی وی دیکھنے لگو)

(۴۵) اور موت کو یاد کرو اور استادوں کے لئے اور ان سب لوگوں کے لئے مغفرت کی دعا کرو جن سے تم نے دین حاصل کیا ہے۔

(۴۶) ہمیشہ قرآن کی تلاوت کرتے رہو۔

(۴۷) لعن اور سب و شتم کا استعمال نہ رکھنا۔ (یعنی بدزبانی سے بچنا)

(۴۸) بخیل بننے سے گریز کرنا کیونکہ بخیل آدمی رسوا ہو جاتا ہے۔

(۴۹) لالچی نہ بننا نہ جھوٹا بننا اور نہ ایسی باتیں کرنا جو لوگوں کو چکر میں ڈالنے والی ہوں بلکہ اپنی

مروت کو تمام امور میں محفوظ رکھنا۔

(۵۰) اور تمام حالات میں سفید کپڑے پہننا۔

(۵۱) اور ہمیشہ اپنے دل کو غنی رکھنا اور لوگوں کے سامنے اپنے بارے میں یہ ظاہر کرنا کہ تم حریص نہیں ہو اور دنیا کی رغبت نہیں رکھتے ہو بلکہ اپنے بارے میں غنی ہونے کو ظاہر کرنا اور تنگ دستی کے باوجود تنگ دستی ظاہر نہ ہونے دینا۔

(۵۲) جب راستہ میں چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو بلکہ ہمیشہ نظر زمین کی طرف رکھو۔

(۵۳) اور مجلس میں غصہ سے پرہیز کرنا۔

(۵۴) اور عوام کے سامنے وعظ گوئی مت کرنا کیونکہ عوام میں وعظ کہنے کے لئے جھوٹ بولنا ضروری ہے۔ (جیسا کہ آج کل اکثر خطباء کرتے ہیں)

(۵۵) اہل علم کی تعظیم کرنا، بوڑھوں کی توقیر کرنا نوعمروں سے لطف کے ساتھ پیش آنا۔

(۵۶) مروت میں کوتاہی نہ کرنا اپنا بھید کسی پر ظاہر نہ ہونے دینا۔

(۵۷) کسی کی دوستی پر بغیر امتحان کے بھروسہ نہ کرنا۔

(۵۸) خسیس آدمی سے دوستی نہ کرنا۔

(۵۹) جو چیز تمہارے ظاہر حال کے متعلق نامناسب سمجھی جاتی ہے اس سے الفت نہ رکھنا۔

(۶۰) بے وقوفوں سے بے تکلفی نہ برتنا۔

(۶۱) مدارات، صبر، برداشت خوش خلقی اور سینے کی گشادگی کو لازم کر لینا۔

(۶۲) نئے کپڑوں کا استعمال رکھنا اور خوشبو کا استعمال زیادہ رکھنا۔

(۶۳) اپنی ذاتی ضرورتوں کے لئے تنہائی کا وقت نکال کر پوری کرنا۔

(۶۴) جو شخص تجھ سے اچھا یا برا برتاؤ کرے تو اسکے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔

(۶۵) کسی مسلمان اور ذمی سے دشمنی مت کرو۔

(۶۶) اللہ تعالیٰ نے جو تم کو مال دیا ہے اور جو مرتبہ عطا فرمایا ہے اس پر قناعت کر لینا۔

(۶۷) فضول باتوں اور فضول کاموں میں پڑنے سے اپنے نفس کو علیحدہ رکھنا۔

(۶۸) پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور پڑوسی سے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرو۔

(۶۹) اہل سنت والجماعت (اہل حق) کے مسلک کو مضبوطی سے پکڑو اور جہالت والوں اور گمراہوں سے پرہیز رکھو۔

(۷۰) اپنے تمام کاموں میں نیت خالص رکھو اور ہر حال میں حلال کھانے کی فکر کرو۔

(۷۱) پانچ حدیثوں پر عمل کرو جن کو میں نے پانچ لاکھ حدیثوں سے جمع کیا ہے۔ وہ پانچ حدیثیں یہ ہیں۔

۱:۔ انما الاعمال بالنیات وانمالکل امری مانوی ۔

''سب اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔''

۲:۔ من حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه ۔

''انسان کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ جو چیز اس کے لئے فائدہ مند نہ ہو اس کو چھوڑ دے۔''

۳:۔ لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه

''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہ ہوگا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

۴:۔ ان الحلال بین والحرام بین وبینهما مشتبهات لایعلمهن کثیر من الناس فمن اتقی الشبهات استبراء لدینه وعرضه ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام کالراعی یرعی حول الحِمٰی یوشك ان یقع فیه الاوان لکل ملك حمی الا وان حمی اللّٰه محارمه الاوان فی الجسد مضغة اذاصلحت صلح الجسد کله واذافسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب۔

''بلاشبہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور دونوں کے درمیان شبہ کی چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے سو جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنے دین کو اور آبرو کو محفوظ کرلیا

اور جو شخص شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ جائے گا جیسا کہ چرواہا اپنا ریوڑ کسی کھیت کی باڑ کے قریب چرائے تو عنقریب ایسا ہوگا کہ کھیت میں اس کا ریوڑ چرنے لگے گا خبردار بلاشبہ ہر بادشاہ کی باڑ ہوتی ہے بلاشبہ اللہ کی حد بندی کی وہ چیزیں ہیں جن کو اس نے حرام قرار دیا ہے خبردار انسان کے بدن میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوگا تو سارا جسم درست ہو جائے گا اور وہ ٹکڑا بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جائے گا خبردار وہ ٹکڑا دل ہے۔''

۵:۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده ۔

''کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سالم رہیں۔''

(ماخوذ از وصایا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ)

خاتمہ:۔

کسی چیز سے نفرت یا الفت عموماً دو ہی اسباب کے گرد گھومتی رہتی ہے نمبر ایک طبعی تقاضا نمبر دو عقلی اور شرعی استدعاء۔

اور یہی وجہ ہے کہ دنیا میں لوگوں کی پسند اور ناپسند کا معیار مختلف ہوتا ہے کہ جہاں ایک شی سے محبت ہوتی ہے وہیں اس سے بہت سے لوگ نفرت بھی کرتے ہیں مثلاً شراب خوری بہت سے لوگوں کو دلعزیز ہے مگر بندگان خدا کی نظر میں شراب نوشی نہایت برا عمل ہے بلکہ ام الخبائث برائیوں کی جڑ ہے۔

اس کے برعکس صوم وصلوٰۃ فساق کے خیال وزعم میں آرام وسکون کے منافی ہیں مگر اللہ کے نیک بندوں نے اپنے چین وسکون کا راز انہی جیسے اعمال میں معلوم کیا ہے۔

وللناس فیما یعشقون مذاهب

وکل حزب بمالدیهم فرحون۔

لیکن بہترین نفرت یا رغبت وہ ہوتی ہے جو عقل اور شرع دونوں کے دائرہ حکم میں داخل ہو اور جو خواہش احاطہ عقل ونقل سے خارج ہو وہ درحقیقت تباہی کا ذریعہ ہے جس سے وقتی فرحت تو حاصل کی جاسکتی ہے مگر اس کا انجام بڑا تلخ ہوتا ہے۔

لہٰذا کسی عقلمند کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اس کی خواہش اور طبیعت جس امر کی طرف جھکے تو وہ

اسے اپنا نصب العین اور مقصد بنائے بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ نفس پر تشدد سے بچتے ہوئے اعضاء کے ردعمل سے پہلے عقل اور شریعت کی طرف رجوع کر کے یہ معلوم کیا جائے کہ ان کا اس بارے میں کیا فیصلہ ہے اور پھر بخوشی یا بتکلف ان کے بتلائے ہوئے راستے پر قدم زن ہو۔

مثلاً بوڑھے ماں باپ کی خدمت طبعی طور پر ناگواری کا سبب ہے مگر عقلی اور شرعی اعتبار سے یہ ایک وزنی عبادت ہے اور ترازوئے اعمال میں اس کا ثقل بہت زیادہ ہوگا اس کی شرعی حیثیت اور تاکید کا بیان حقوق کی بحث میں ہو چکا ہے اور عقلی حسن اور خوبی اس میں یہ ہے کہ احسان فراموشی اور نمک حرامی نکمے لوگوں کے اخلاق کا حصہ ہے جس سے بچنا بہت لازمی ہے اسی اصول کے تحت چونکہ والدین نے اس کی ایسی حالات میں پرورش کی ہے جس میں یہ بالکل عاجز محض تھا اس لئے اس کو اس احسان عظیم اور تربیت کا بدلہ بطریق احسن دینا چاہئے کیونکہ احسان کا بدلہ احسان ہی ہوتا ہے۔

نیز اگر وہ شخص اپنے مستقبل کے بارے میں غور کرے تو بشرط حیات بڑھاپا کسی کو نہیں چھوڑتا پس اگر آج کوئی خادم ہے تو کل وہ مخدوم ہوگا اسکے برعکس اگر وہ آج اپنے والدین کو نظر انداز کر رہا ہے تو کل اسے بھی کوئی لاپرواہی کا نشانہ بنا سکتا ہے۔

اس لئے اس فرض کو بخوبی انجام دینا چاہئے اسی طرح دیگر اخلاق کریمانہ بھی ہیں۔ لہٰذا کامیاب شخص وہی ہے جو اپنی خواہش کو تابع شرع و عقل بنائے اور پوری مستعدی کے ساتھ اپنے نفس کی نگرانی کرتا رہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔

لایؤمن احدکم حتی یکون هواه تبعاً لماجئت به۔

(مشکوٰۃ ص:۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل ایمان دار نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائے۔''

مطلب یہ ہے کہ انسان کے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی مرضی مقدم ہونی چاہئے بایں طور کہ اگر کسی چیز سے محبت ہو تو بھی اللہ کے لئے ہو اور اگر نفرت ہو تو وہ بھی محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہو۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من احب للّٰہ وابغض للّٰہ واعطیٰ للّٰہ ومنع للّٰہ فقد استکمل الایمان۔

(مشکوٰۃ ص:۱۴ کتاب الایمان)

''جو کوئی محبت رکھے اللہ کے واسطے اور بغض رکھے اللہ کے واسطے اور دے اللہ کے واسطے اور نہ دے اللہ کے واسطے پس تحقیق اس نے ایمان پورا کیا۔''

یعنی کسی کے ساتھ دوستی اور موالات اور ترک موالات دونوں کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی رضامندی پر قائم رہنی چاہئے۔ اگر کوئی خوش نصیب اس بار آورسعی میں کامیاب ہوجائے تو وہ فی الحقیقت ایک عظیم مراد بلکہ مقصد زندگی میں کامیاب ہوگیا۔ اس کو اس پر راضی ہونا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ دنیا سے کوچ کرتے ہوئے آخرت کے سفر میں اسی زادراہ کی بدولت خطروں سے بچا جاسکتا ہے۔

نقش مبارک پے چلو مبارک اقدام کے
پاکیزہ طریقوں پر علیہ السلام کے

وآخردعوانان الحمد للّٰہ رب العالمین